بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ کتاب

نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر

(ہندوستان کے علماء اور مشاہیر کا تذکرہ)

حصہ اول

مؤلفہ: مولانا سید عبدالحئی بریلوی لکھنوی

مترجم: ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی!

مقبول اکیڈمی

بالمقابل شمع پوسٹ آفس، شاہ عالم مارکیٹ لاہور

ناشر: ــــــــ ملک مقبول احمد

طباعت: ــــــــ استقلال پریس

طبع اول: ــــــــ ۱۹۶۵ئہ

قیمت: ــــــــ ساڑھے آٹھ روپے

باعانت

محکمہ اوقاف

(مغربی پاکستان)

لاہور

فہرست

افرادِ پیش نظر از سیّد عبدالحیٰ مرحوم

فہرست افراد متن

طبقۂ اُولیٰ

جو حضرات پہلی صدی ہجری میں ہندوستان وارد ہوئے

طبقہ ثانیہ

اہل ہند اور جو افراد دوسری صدی ہجری میں وارد ہند ہوئے

طبقۂ سابعہ

تذکار اعیان صدی ساتویں ہجری

الف

تعارف مؤلف

حالات حضرت مولانا سید عبدالحئی مرحوم مؤلف کتاب ھٰذا

شجرہ:۔ معززو محترم علامہ سید عبدالحئی ابن فخرالدین بن عبدالعلی ابن علی محمد بن اکبر شاہ بن محمد شاہ ابن محمد تقی بن عبدالرحیم ابن ہدایت اللہ بن اسحاق ابن معظم بن احمد بن محمود بن علاء الدین بن قطب الدین بن صدرالدین ابن زین الدین بن احمد ابن علی ابن قیام الدین ابن صدرالدین بن زین الدین ابن احمد بن علی بن قیام الدین ابن صدرالدین بن رکن الدین ابن نظام الدین بن قطب الدین محمد ابن رشید الدین احمد ابن یوسف ابن علیلی بن حسن بن حسین بن جعفر بن قاسم بن عبداللہ بن حسن بن محمد النفس الزکیہ ابن عبداللہ المحض ابن الحسن ابن الحسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہم۔

"اس خاندان کے ایک مورث قطب الدین محمد فتنہ تاتار میں بغداد سے غزنہ منتقل ہو گئے جہاں ایک عرصہ اقامت کے بعد ہندوستان تشریف لا کر کڑہ (ضلع الہ آباد) میں مقیم ہوئے جس سے پہلے انہوں نے جہاد میں کڑہ کا قلعہ اور مانک پور وغیرہ فتح کر لیے تھے۔ بعدہ بزمانہ بہرام شاہ دہلی میں مشیخت پر فائز ہوئے (بحوالہ طبقات ناصریہ) اور ۶۷۷ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مدفن کڑہ ہی ہے یہ ذکر قاضی ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ میں ان کی مدح و ثنا کے ساتھ قلم بند فرمایا ہے۔

حضرت قطب الدین محمد ممدوح کی ذریت میں سے کئی علمائے معرفت و علم پیدا ہوئے یعنی قاضی رکن الدین و شیخ فضل اللہ و شیخ محمد تقی و قاضی محمود نصیر آبادی اور ان کے وارثوں میں علامہ خواجہ احمد و سید العارف علم اللہ اور ان کے پوتے سید محمد عدل و سید الامام المجاہد سید احمد الشہید اور ان کے سوا اور بے شمار افراد!

ولادت مؤلف:۔ ۱۲ رماہ رمضان ۱۲۰۸ھ۔ مولد خانقاہ سید علم اللہ جو رائے بریلی سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

منشا: سید عبدالحئی صاحب کی والدہ حضرت سید احمد ابن عرفان صاحب امام کے مبایعین سے تھیں۔ جو ان سے محبت کرتیں اور امام احمد ان کی حاضری کو ضروری سمجھتے۔ سید عبدالحئی کے والد سید فخرالدین فاضل و صاحب عرفان اور متواضع و مسکین اور صاحب صبر و قناعت تھے۔ اسی صبر و مسکنت کی نعمت سے ان کے اعمام اور ماموں بھی بہرہ مند تھے۔ خصوصاً سید ضیاء النبی و سید عبدالسلام۔ کہ مرجع خلائق تھے اور عوام و خواص دور دور سے ان سے استفادہ کے لیے آتے۔ وہ خیر و صلاح اور دین کے گہوارہ میں پروان چڑھے تھے۔

تحصیل علوم: سید عبدالحئی صاحب نے درسیات از قسم صرف و نحو و فقہ اور اصول و تفسیر اور معقولات لکھنؤ کے مشہور ترین ارباب تدریس سے پڑھے۔ از اں جملہ مولانا محمد نعیم فرنگی محلی و شیخ فضل اللہ اور دوسرے حضرات ہیں۔ اس کے بعد بھوپال تشریف لے گئے جو اس دور میں علمائے اعلام و اکابر کا مخزن تھا۔ یہاں آپ نے درسیات قاضی عبدالحق سے۔ ریاضی سید احمد دیوبندی سے، حدیث شیخ حسین بن محسن الضاری یمانی سے پڑھیں۔ شیخ حسین آپ سے بے حد محبت کرتے۔ ادب عربی شیخ محمد سے اور طب علی الطبیب المشہور بہ عبدالعلی سے پڑھی۔ ۱۳۱۱ھ میں لکھنؤ واپس تشریف لائے اور طب کی تکمیل پر مائل ہو گئے۔ قانون کے اطراف مشہور حکیم طبیب عبدالعزیز سے پڑھے اور نسخہ نویسی کا مرحلہ طبیب عبدالعلی اور ان کے فرزند طبیب عبدالوالی کے مطب میں طے کیا۔

مزید سفر: ایک اور سفر کیا جس میں دہلی، پانی پت، سہارن پور، سرہند، دیوبند کے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ مندرجہ ذیل علماء و مشایخ سے خوب خوب مکالات پڑھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی علامۃ المحدث الشیخ نذیر حسین دہلوی اور حافظ عبدالرحمٰن پانی پتی ہر ایک سے استفادہ کرتے رہے۔

آپ مولانا شیخ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ جن کی رحلت کے بعد اپنے خسر شیخ ضیاء الدین اور اپنے والد سید فخرالدین اور شیخ عبدالسلام ھسوی کے بعض خلفاء سے استفاضہ فرمایا۔ شیخ ضیاء النبی اور سید (عبدالحئی) صاحب کے والد سید فخرالدین نے آپ کے لیے بیعت کا اجازہ عنایت فرمایا۔ نیز مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے بھی۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خدمت: صاحب ترجمہ مسلمانوں کی اصلاح کے حریص اور ان کی زبوں حالی پر ہمیشہ فکرمند رہتے کہ مسلمان فرقوں میں بٹ کر بکھر گئے ہیں جس سے ان کی ہوا خیزی ہو گئی

ہے۔ اسی اثنا میں مسلمانوں نے ندوۃ العلماء قائم کیا۔ جو اب تمام اطراف میں مشہور ہے۔ ندوہ کے سالانہ جلسوں میں سید صاحب بھی شامل ہوتے۔ یہ زمانہ ان کی تعلیم کا تھا جس سے فارغ ہو کر آپ لکھنؤ تشریف لے آئے۔ یہاں مسلمانوں کی خدمت اور ان کی خیر خواہی خود پر لازم کر لی۔ یہ ۱۳۱۲ھ تھا جب کہ آپ کی معاشی حالت بھی مضبوط نہ تھی۔ آپ کو ندوۃ العلماء کی نظامت سونپ دی گئی۔ اور کفاف کے لیے ۱۳۱۴ھ میں معمولی سا موجب مقرر کر دیا۔ آپ نے وسعت معاش کے لیے مطب اور ندوۃ العلماء کی نگرانی دونوں کام بیک وقت جاری رکھے۔ ندوۃ العلماء کے ارباب علماء وعقد نے ۱۳۳۲ھ میں نظامت سپرد کر دی۔ جسے آپ نے اپنی زندگی کے آخر لمحات تک سنبھالے رکھا۔ اور اس میں مزید اصلاحات کرتے رہے۔ جس سے ندوۃ العلماء کے فارغین نے تدریس و تصنیف اور مسلمانوں کی خدمت کو نہایت عمدہ انداز سے پورا کیا۔

وفات:۔ ۱۵ جمادی الاخری ۱۳۴۱ھ اور مدفن سید علم اللہ کی خانقاہ جو شہر رائے بریلی سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

اولاد:۔ (۱) سید عبد العلی، سید عبد العزیز واسطی الحسینی کی دختر سے پیدا ہوئے۔ جس بی بی کی رحلت کے بعد آپ نے سید ضیاء الدین حسنی کی دختر سے (۲) سید ابو الحسن علی اور ۳-۴ دو صاحبزادیاں متولد ہوئیں۔

اخلاق و عادات:۔ سید عبد الحئی صاحب ستودہ صفات۔ جمال ظاہری سے آراستہ۔ اپنے شناساؤں میں مقبول۔ عقل و تدبر اور تحمل برداشت و وقار نفس میں متمیز۔ رواداری سے مزین صلہ رحم و جود و سخا اور احسان و کرم میں نامور تھے۔ آپ کے تمام اقارب اور احباب آپ کی توقیر میں سبقت کرتے۔ اکل حلال خاصہ ہی تھا۔ دوسروں کے مصائب میں کام آتے اور اتباع سنتہ میں پیش پیش اور غرور و تکبر سے نفور تھے۔

آپ کے علوم دینی پر تبصرہ:۔ سدا مطالعہ جاری رکھتے۔ آپ آداب لغت عربی و فارسی اور اردو ہر ایک سے آگاہ تھے۔ شعر بھی کہتے۔ مگر زیادہ نہیں۔ فقہ وحدیث اور تفسیر و سیرت اور تاریخ ہر ایک فن میں کمال حاصل تھا۔ علمائے ہند کے احوال میں ان سے زیادہ کسی اور کی نظر نہ تھی۔ ادب عربی اور تدریس طب وحدیث و قرآن کا سلسلہ جاری رکھتے۔ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد

فرماتے۔ باوجودیکہ ندوۃ العلماء کے کاموں سے فرصت نہ تھی۔ تصنیف کا شغل بھی تھا اور سب مشاغل میں قرآن و حدیث کی تدریس و تلقین کو اولیت کا درجہ حاصل تھا جس کی وجہ سے اپنی رحلت کے چند سال قبل دوسرے معاملات نظر انداز کر دیے تھے۔

تصانیف

۱۔ نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر (عربی)
۲۔ جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق (عربی)
۳۔ معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف (عربی)
۴۔ تلخیص الاخبار (در احادیث) (عربی)
۵۔ منتہی الافکار فی شرح تلخیص الاخبار (عربی)
۶۔ کتاب الغناء (عربی)
۷۔ القانون فی انتفاع المرتہن بالمرہون (عربی)
۸۔ التعلیقات علی سنن ابی داؤد (عربی)
۹۔ شرح المعلقات السبع (عربی)
۱۰۔ رسالہ در بیان سلاسل خانوادہ نقشبندیہ (فارسی)
۱۱۔ ارمغان احباب (اردو)
۱۲۔ طبیب العائلہ (اردو)
۱۳۔ تذکرۃ الابرار (فارسی)
۱۴۔ رسائل آخر (اردو)
۱۵۔ یادِ ایام (تاریخ گجرات دکن) (اردو)
۱۶۔ گلِ رعنا (اردو)

ان میں سے گلِ رعنا، یادِ ایام اور نزہۃ الخواطر کی پہلی دو جلدیں چھپ چکی ہیں۔

پیش لفظ

از سید ڈاکٹر عبدالعلی خلف مؤلف رحمۃ اللہ تعالےٰ

ہندوستان اور تاریخ اسلام میں اس کا مقام

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے اور درود سلام اس کے ان صالح بندوں کے لیے ہے جنہیں اس نے دین کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا

بعد ازیں ہندوستان ان خوش نصیب ملکوں میں سے ہے۔ جن ملکوں پر سے اسلام کی خوش گوار ہوائیں اس کے دورِ اول میں گذریں اور انہیں پروردگارِ عالم کی عنایت نے اپنے دامن میں ڈھانک لیا۔ ہندوستان کو یہ سعادت پہلی صدی ہجری میں نصیب ہوئی کہ وہ لگاتار غازیوں، فاتحینِ اسلام اور صلحائے وقت کے قدوم میمنت لزوم سے بہرہ مند ہوا۔ ان صلحا میں سے آلِ محمد کے سرخیل عبداللہ بن محمد العلوی م ۱۵۱ھ/۷۶۸ء اور مغیرہ بن ابی العاص ثقفی اور عبداللہ بن نبہان بو سر عنوان ہیں۔ جو ہندوستان کی سرزمین میں بمثل تخم اسلام کے ثابت ہوئے۔ سندھ کے کافروں نے انہیں بے خبری میں شہید کر دیا اور ان سے خون بہا یا قصاص نہ لیا جا سکا۔

اسلام کے پہلے مورّخ: عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمی اور حکم بن عوانہ کلبی (م ۲۲۱ھ) اور ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی م ۱۶۱ھ/۷۷۸ء جو کہ بعض

مورخوں کے نزدیک اسلام کے پہلے مورخ ہیں۔

الغرض ہندوستان کی سرزمین نورِ اسلام سے منور ہوگئی۔ اگرچہ یہاں کے باشندوں نے ان کے دین اور علم حتیٰ کہ بولی (عربی) اور ان کی شاعری اور مولفات تک سے نفرت برتی

شاعر: ان حضرات میں ابوعطاء سندھی دوسری صدی کے ممتاز شعرأ میں سے ہیں۔ فقہا میں ابومعشر نجیح ہیں۔ جو مغازی میں بھی صاحبِ قلم تھے۔ ارضِ ہند نے کئی علماء اسلام کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ جن میں ایک طبقہ مسلمانوں میں بلحاظ علم منتخب روزگار تھا۔ گویا وہ لوگ زمین کے ستارے اور مسلمانانِ ہند کے لیے قابلِ فخر ومباہات تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان نفوس کی برکت سے ہندوستان ہی میں سے ایسے افراد پیدا کر دیئے۔ جو تہذیب نفس اور علومِ متعلقہ میں ممتاز تھے ازاں جملہ:

شیخ علی ابن عثمان ہجویری م سنہ ۴۶۵ھ/۸۷۲ء اور شیخ معین الدین حسن ابن حسن سجزی اجمیری م سنہ ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء اور شیخ قطب الدین بختیار اوشی م سنہ ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء اور ان کی اولاد میں سے شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی م سنہ ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء اور شیخ بہاؤ الدین زکریا ابن محمد ملتانی م سنہ ۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء اور شیخ علی ابن احمد کلیری م سنہ ۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء اور شیخ نظام الدین محمد ابن احمد بدایوانی م سنہ ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء اور شیخ نصیر الدین اودھی المعروف بہ چراغ دہلی م سنہ ۶۵۷ھ/۱۲۵۸ء اور شیخ اشرف جہانگیر سمنانی م سنہ ۸۰۸ھ/۱۴۰۵ء و شیخ نور الحق البنڈوی سنہ ۸۱۸ھ/۱۴۱۵ء و شیخ محمد بن یوسف حسینی دفین گلبرگہ م سنہ ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء و شیخ عبدالحق اردولوی م سنہ ۸۳۶ھ/۱۴۳۲ء و شیخ علی ابن القوام المشہور بہ علی عاشقاں سرائے میروی[۱] م سنہ ۹۵۵ھ/۱۵۴۸ء و شیخ محمد غوث گوالیاری م سنہ ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء و شیخ کمال الدین الکیتھلی م سنہ ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء و شیخ عبدالباقی (باقی باللہ) نقشبندی م سنہ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء و شیخ تاج الدین

---

[۱] ضلع اعظم گڑھ میں ہے (مترجم)

سنبھلی م ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء و سید آدم بن اسماعیل بنوری م ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء و شیخ معصوم بن احمد سرہندی م ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء و شیخ محمد زبیر سرہندی م ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء و شمس الدین حبیب اللہ مرزا جان جاناں دہلوی م ۱۱۹۵ھ / ۱۷۳۸ء و شیخ فخر الدین دہلوی م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء و شیخ غلام علی دہلوی م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء و شیخ محمد آفاق م ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء و مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی م ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء والحاج امداد اللہ تھانوی م ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء اور وہ نفوس قدسیہ جن سے ملک کے مشرق اور مغرب دونوں اقطار مستفیض ہوئے۔ اور ان سے اس قدر افراد نے فیض کیا جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

علمائے ربانی: جو کجرووں کی اقامت، محرفین کی اصلاح اور گم کردہ راہوں کی ہدایت کے لیے میدان میں نکلے اور انہوں نے دینی معارف، علوم نبویہ اور احکام شرعیہ کو تازہ کیا۔ یہ حضرات ہیں، امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد ۱۲ ویں صدی ہجری م ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء و حکیم الاسلام شیخ ولی اللہ ابن عبد الرحیم دہلوی م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء (صاحب حجۃ اللہ البالغہ و ازالۃ الخفا) و سید الامام احمد بن عرفان شہید بالاکوٹ م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء و صاحب دعوۃ و جہاد و مولف کتاب صراط مستقیم شیخ اسماعیل بن عبد الغنی بن شیخ ولی اللہ صاحب مشہور مناظر و داعی توحید و سنتہ و جہاد م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء جن سے ہندوستان میں جہاد فی سبیل اللہ اور آخر عہد میں عالم اسلامی میں تجدید کی لہر پھیل گئی۔

زہد و تقویٰ میں ائمہ وقت: کہ متروکہ سنتوں پر عزیمت کے ساتھ عامل اور بدعات و محدثات سے محترز رہے۔ یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

شیخ ضیاء الدین سنامی م ۔ ۔ ویں صدی ہجری میں و شیخ حسام الدین ملتانی م ۹۶۰ھ / ۱۵۵۲ء و شیخ علی متقی برہان پوری م ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۳ء و شیخ سیف الدین سرہندی م ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴ء و شیخ علم اللہ الحسینی نقشبندی م ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۵ء و شیخ جعفر بن باقر دہلوی م ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء و شیخ

مظفر حسین کاندھلوی م ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء وسید خواجہ احمد نصیر آبادی م ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء وشیخ عبداللہ الغزنوی امرت سری م ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء وسید مصطفیٰ توکلی م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء وشیخ رشید احمد گنگوہی م ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۶ء تقویٰ وورع کے سر بلند پہاڑ اور شبہات سے گریزاں اور شریعت کی حفاظت پر پروانہ وار نثار اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قائم دائم تھے۔

مصائب کی برداشت اور بلند ہمتی میں یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں

علاء بن حسن بیانوی (بیانہ متھرا کے قریب ہے) م ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء

مولانا امیر علی امیٹھوی م ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء

مولانا ولایت علی صادقپوری عظیم آبادی م ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء والوعبداللہ سید نصیر الدین دہلوی شہید (از ۱۳ ویں صدی ہجری) ومولانا یحییٰ علی صادقپوری اسیر ومدفون انڈیمان م ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء ومولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۸ء ثلثہ من الآخرین۔

وائمہ ارباب ارشاد ودعوت

مولانا اسماعیل لاہوری م ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء ومولانا علی بن شہاب ہمدانی م ۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء ازثلثہ من الاولین ومولانا عبدالحیٔ بن عبداللہ برہان پوری م ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۴ء ومولانا سید محمد علی بن عنایت اللہ الواعظ رام پوری م ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء ومولانا امام علی سامری مکانوی م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء۔

مولانا کرامت علی جون پوری صاحبِ دعوت درملک بنگال م ۱۲۹۷ھ/۱۸۹۷ء ومولانا غلام رسول قلعوی[1] از صدی ۱۴ ویں ومولانا محمد الیاس بن شیخ اسماعیل کاندھلوی م ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء مصلح میوات[2]۔ یہ حضرات تعداد میں ریت کے ذروں سے زیادہ اور ان کے ذریعے ہدایت یافتہ افراد کا شمار حد سے فزوں تر ہے۔

---

[1] موضع قلعہ میہاں سنگھ گوجرانوالہ سے ۸ میل بسمت جنوب مغرب (مترجم)

[2] بانیٔ جماعتِ تبلیغی۔ یہ جماعت اب تک قائم ہے۔

واز ارباب تدریس[1] واصحاب سند

مولانا شاہ محمد اسحاق افضل[2] دہلوی م ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۵ء و مولانا
عبدالحق نیوتنی بنارسی م ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء و مولانا شیخ عالم از نگینہ دھام پور م ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء و شاہ
عبدالغنی بن ابوسعید دہلوی صاحب انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ م ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء و مولانا
احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری محشی صحیح بخاری م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء و مولانا شاہ عبدالقیوم بڈھانوی
ابن شاہ عبدالحئی از شرکائے جہاد یاغستان و سید حسن شاہ رام پوری م ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء و قاری
عبدالرحمٰن پانی پتی م ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء و مولانا نذیر حسین محدث دہلوی م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء و قاضی محمد مچھلی شہری
م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء و مولانا محمد بشیر سہسوانی م ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء و شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی نزیل بھوپال
م ۱۳۲۷ھ/۱۹۱۵ء و شیخ الحدیث فی البنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء و حافظ
عبداللہ غازی پوری م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء و مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب عون المعبود و مولانا خلیل
احمد سہارنپوری صاحب بذل المجہود م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء ۔

فن حدیث کے یہ اصحاب العلم اس قدر کامیاب ہوئے کہ اب تک ان کا جھنڈا چار دانگ
عالم میں لہرا رہا ہے یہاں تک کہ بعض علماء عرب نے ان لفظوں میں اس کا اعتراف فرمایا۔

ولولا عنایۃ اخواننا علماء الہند بعلوم الحدیث فی ھذا
العصر لقضی علیھا بالزوال من امصار الشرق فقد

۱؎ جنہیں مصنف علام نے طبقہ ثالثہ میں شامل کر دیا حتیٰ کہ متن کے اندر ان کا تذکرہ بھی نہ فرمایا۔

۲؎ مہاجر مکہ و از نواسگان شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ لیکن افضل ان کا تخلص یا لقب نہ
تھا۔ یہ التباس مؤلف کو شاگرد شاہ ولی اللہ صاحب کے استاد مولانا محمد افضل کے نام سے
ہوا۔ ملاحظہ ہو۔ حیات دہلی و تراجم حدیث جلد اول صفحہ ۱۱ ۔

۳؎ شاگرد امام شوکانی

صنفت فی مصر والشام والعراق والحجاز منذ قرن ۱۰ ہجری حتی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن[۱]

ترجمہ:۔ اگر ہمارے ہندوستانی علماء اس دور میں علوم حدیث پر متوجہ نہ ہوتے تو دوسرے مشرقی ملکوں یعنی مصر و شام و عراق اور حجاز جس طرح ۱۰۔ ویں صدی ہجری سے لے کر موجودہ اوائل صدی ۱۴۔ ویں تک اس بارے میں اس قدر بے پرواہ رہے کہ ان ملکوں میں علوم حدیث کا چرچا کمزور ہو گیا۔

۱۲۹۲۳

تصوف میں یہ حضرات ہیں ابو علیی سندھی از قرن ثالث و شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری مصنف رسالہ عالیہ وعلوم راسخہ اور متوفی ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء و شیخ علی بن احمد مہائمی[۳] مصنف تبصیر الرحمٰن م ۸۲۵ھ/۱۴۳۱ء اور شیخ صبغۃ اللہ حسینی مصنف رسالہ ارادۃ الدقائق و متوفی ۱۰۲۱ھ/۱۶۰۲ء اور شیخ علیی ابن قاسم سندھی مصنف انوار الاسرار و متوفی ۱۰۳۱ھ/۱۶۰۲ء و شیخ عبد الغنی شکاری اکبر آبادی از احلام ۱۱۔ ویں صدی ہجری۔

وا ز ارباب وجودی شیخ عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء) و شیخ عبد الرزاق جھنجھانوی (در ضلع مظفر نگر) (۹۴۹ھ/۱۵۴۷ء) و شیخ عبد العزیز شکر بار دہلوی (م ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء) و شیخ محمد بن فضل اللہ برہان پوری (م ۱۰۲۹ھ/۱۶۱۹ء) و شیخ

---

[۱] علامہ رشید رضا در مجلۃ المنار مصر۔

[۲] در کتاب مفتاح کنوز السنۃ۔

[۳] تبصیر الرحمٰن ان کی عربی تفسیر ہے جس میں آیات کے ربط کو اجاگر فرمایا ہے اور مہائم ماہی گیروں کی چھوٹی سی بستی ہے۔ شہر بمبئی کے جنوبی گوشے میں۔ بمبئی کی آبادی یہیں سے شروع ہوئی اور کلابہ تک جا پہنچی۔

محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) و شیخ محمد حسین الہ آبادی (م ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء) جن میں ہر فرد یگانہ روزگار تھا۔

اور ارباب لغت میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں

شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری مؤلف العباب الزاخر (متوفی ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) و شیخ محمد طاہر فتنی گجراتی مؤلف مجمع البحار فی غریب الحدیث (متوفی ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء) و سید مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی مولف تاج العروس م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء سید ممدوح نے علمائے عرب کی مافی الباب م وفات نہایت توجہ سے مطالعہ کرنے کے بعد تاج العروس پر قلم اٹھایا۔

اور معقولات میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں

علامہ محمود بن محمد جون پوری مصنف شمس البازغہ (در فلسفہ قدیم)۔ (م ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء) اور قاضی محب اللہ بہاری (۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) مولف کتاب سلم العلوم اور مولانا محب اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء) محشی سلم العلوم و دیگر کتب منطق و مبارک بن دائم گوپامئوی (م ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء) محشی کتب منطق و شرح العلوم و مولانا غلام یحییٰ بہاری م ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۶ء محشی رسالہ میر زاہد و مولانا محمد حسین لکھنوی (م ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء) و مولف شرح سلم و شاہ رفیع الدین ابن مولانا ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء) مؤلف ابطال[1] البراہین الحکمیہ در رسائل منطق و حکمت اور مولانا فضل امام خیرآبادی (م ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء) مولف مرقاۃ در منطق اور شیخ الرئیس کی کتاب شفا کی تلخیص۔ یہ لوگ ہیں جن کے تذکار و شہرت مدارس عربیہ میں رہی اور جن کی فکر صحیح کے نتائج پر ان مدرسوں کے طالب علموں کو فخر حاصل ہے۔

---

[1] اس کتاب کا نام دمغ الباطل ہے۔

اور علوم ریاضی و ہیئت الافلاک میں یہ حضرات ہیں

مولانا میرک عبدالباقی م ۹۸۳ھ / ۱۲۸۴ء مولف کتاب الاشکال الجاریہ اور مولانا فریدالدین دہلوی م ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء مصنف الزیج الشاہ جہانی و علامہ تفصیل حسین لکھنوی (م ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء) مولف الشروع المخطوطات و رسالتین در جبر و مقابلہ و قاضی نجم الدین کاکوروی مصنف السنتہ الجبریہ و خواجہ فریدالدین دہلوی[1] م ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء مولف فوائد الافکار و التحفۃ النعمانیہ و شمس العلماء نواب فخرالدین حیدرآبادی م ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء مولف شمس الہندسیہ و سنتہ الشخصیتہ۔ یہ حضرات اپنی تحقیقات کے اندر بعض نئے مسائل میں مبدع اور بیان میں منفرد تھے۔

اور ارباب تدریس میں یہ علماء قابل ذکر ہیں

مولانا عبداللہ تلبنی (م ۹۲۲ھ / ۱۵۱۶ء) و مولانا عزیز ایضاً تلبنی م ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء و قاضی وجیہہ الدین گجراتی محشی و شارح درسیات و مفتی عبدالسلام لاہوری مولف حاشیہ تفسیر بیضاوی م ۱۰۳۷ھ) و مفتی عبدالسلام دیوی محشی کتب درسیات (م بعد از ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی محشی درسیات ایضاً متوفی ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۵ء و مولانا احمد بن ابو سعید امیٹھوی (م ۱۱۳۰ھ) مصنف تفسیرات الاحمدیہ و نورالانوار شرح المنار و مولانا نظام الدین ابن قطب الدین (م ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۷ء) از سہالی مولف شروح متعددہ بر کتب درسیہ۔ و مولانا عبدالعلی بن نظام الدین (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) مولف شرح سلّم (در منطق) و شرح مسلم الثبوت (در اصول فقہ) یہ تمام حضرات

---

[1] فریدالدین دہلوی م ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء و ایضاً فریدالدین دہلوی م ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء دو علیحدہ علیحدہ علماء ہیں۔

افادہ علوم میں موسلادھار بارش کی مثل اور ربع مسکون پر ان کی شہرت عام تھی۔

طلبا کی تربیت اور نشرِ علوم میں یہ حضرات سرِ عنوان ہیں

مولانا احمد بن شہاب الدین الہ آبادی (م سنہ ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء) و مولانا ابو الفتح ابن عبد الحئی ابن عبد المقتدر دہلوی م سنہ ۸۵۸ھ / ۱۴۵۴ء و مولانا محمد اعظم ابن ابو البقا لکھنوی م سنہ ۸۷۰ھ / ۱۴۶۵ء اور مولانا سماء الدین سماء الدین ملتانی (م سنہ ۹۰۱ھ / ۱۴۹۵ء) و مولانا الہ داد ابن عبد اللہ جون پوری (م سنہ ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء) اور مفتی ابو الفتح بن عبد الغفور تھانیسری (م سنہ ۹۷۶ھ / ۱۵۶۸ء) و قاضی عبد القادر عمری لکھنوی و مولانا خورشید جون پوری (م سنہ ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء) و شیخ پیر محمد لکھنوی از طبقہ (۲) و مولانا کمال الدین فتح پوری (م سنہ ۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۱ء) و شیخ عبد الباسط قنوجی (م سنہ ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) و مولانا رشید الدین دہلوی (م سنہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء) و مولانا مملوک علی نانوتوی (م سنہ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) و مولانا ولی اللہ لکھنوی (م سنہ ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء) و مولانا حیدر علی رام پوری ٹونکی (م سنہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) و مولانا سخاوت علی جون پوری (سنہ ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) و مفتی عنایت احمد کاکوروی (م سنہ ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء) اور مفتی محمد یوسف بن اصغر لکھنوی (م سنہ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۵ء) و مولانا یعقوب ابن مولانا مملوک علی م (سنہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء) و مولانا عبد الحق خیر آبادی (م سنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) و مولانا محمد نعیم لکھنوی (م سنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) و مولانا احمد حسن کان پوری (م سنہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) و مولانا ہدایت اللہ رام پوری (م سنہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) و مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی (م سنہ ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) و مفتی لطف اللہ علی گڑھی (م سنہ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء) و حکیم برکات احمد ٹونکی (م سنہ ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء)

ان حضرات کے علم کی دھوم تمام ملک میں پھیل گئی۔ مدارس میں ان کے شاگردوں نے علم کی اشاعت میں خوب حصہ لیا اور تلامذۂ ممدوحین سے بے شمار مخلوق بہرہ مند ہوئی۔

اور مناظرات میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) مصنف متعدد رسائل برمسائل اختلافیہ و بانی مدرسہ دیوبند و مولانا حیدر علی سندیلوی (م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) مؤلف منتہی الکلام و ازالۃ الغین و مولانا رحمت اللہ کیرانوی م ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء بانی مدرسہ صولتیہ در مکہ معظمہ۔ مؤلف اظہار الحق و شیخ محمد علی کان پوری مونگیری م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء مولف متعدد رسائل در رد نصاریٰ و بانی ندوۃ العلماء لکھنوی۔

ان حضرات نے قیام دین اور دین کے اتھاہ سمندر سے عوام کو بہرہ مند کیا متعدد کتابیں بھی لکھیں جن میں علم کے دریا بہہ رہے ہیں۔

اصحاب حفظ و ضبط و وسعت علم و استحضار میں یہ علماء ممتاز اقران ہیں مولانا فرخ شاہ سرہندی (م ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء) و سید عبد الجلیل حسینی بلگرامی م ۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء و مولانا محمد علی تھانوی مولف کشاف اصطلاحات الفنون من رجال القرآن ۱۲ ہجری و مولانا باقر ابن مرتضیٰ مدراسی (م ۱۲۲۰ھ/۱۷۸۷ء) و مولانا سید انور شاہ کاشمیری (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)

و از تذکرہ اصحاب تصنیف و تالیف مولانا ابو الحسنات عبد الحئی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) و سید الامیر نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) و مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) اور ان اصحاب کی مصانیف دنیا میں پھیل گئیں۔

اور ان قرنوں کے بہترین مصنّف جنہوں نے تاریخ و جغرافیہ اور سیرت پر قلم اٹھایا۔ یعنی مولانا سدید الدین (نور الدین) محمد ابن محمد عوفی مصنف لباب الالباب و جوامع الحکایات و لوامع الروایات۔

اور قاضی منہاج الدین عثمان ابن محمد الجوزجانی مولف طبقات ناصری از علمائے صدی

ساتویں اور قاضی ضیاء الدین برنی م ۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء مصنف تاریخ فیروز شاہی و مولانا غیاث الدین مہروی (م ۹۴۲ھ/۱۵۲۷ء) و مولانا عبد القادر ابن ملوک شاہ (م ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء) مؤلف منتخب التواریخ و علامہ ابو الفضل بن مبارک (م ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء) اور مولانا محمد قاسم بن غلام علی (م ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۸ء) مصنف گلزار ابراہیمی یعنی تاریخ فرشتہ و بختاور خاں عالمگیری (م ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء) و عبد الرزاق خوافی المعروف بہ شاہ نواز خاں (م ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۷ء) و شیخ غلام حسین طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین و متوفی سنہ ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء و مولانا علامہ شبلی نعمانی مؤلف الفاروق و اکثر کتب (متوفی سنہ ۱۳۳۲ھ/۱۸۱۴ء) اور سید عبد الحئی مصنف کتب نزہۃ الخواطر و جنۃ المشرق و معارف العوارف وغیرہ (متوفی سنہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء)

مصنفین کتب لغت علامہ اوحد الدین بلگرامی (م سنہ ۱۲۵۰ھ/۱۷۹۰ء) مصنف کتاب نفائس اللغات و عبد الرحیم صفی پوری (م سنہ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء) مؤلف منتہی الارب و قاضی کرامت حسین کنتوری م ۱۳۳۵ھ مؤلف فقہ اللسان اور حمید الدین فراہی م ــــ مصنف نظام القرآن و جمہرۃ البلاغۃ۔ و مولانا[۱] وحید الزماں حیدر آبادی مؤلف انوار اللغۃ در غریب الاحادیث م ــــھ۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق و انداز کے مطابق خامہ فرسائی کی۔

و از شعرائے زبان عربی قاضی عبد المقتدر کندی م ۷۹۱ھ/۱۳۸۸ء مصنف قصیدہ لامیہ و شیخ احمد بن محمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء) صاحب قصیدہ دالیہ اور شیخ غلام نقشبند لکھنوی (م ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) در قصیدہ مدحیہ لامیہ و علامہ آزاد مولانا غلام علی بلگرامی مؤلف السبع السیارہ و خزانہ عامرہ (متوفی سنہ ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) ۔ و مفتی اسماعیل ابن الوجیہ لکھنوی از علمائے ۱۳ - ویں صدی ہجری

---

[۱] از مترجم الیحیٰ

و مولانا فضل حق خیر آبادی مصنف قوافی و تجنیس والشعر الرقیق - و سید احمد حسن ابن
سید اولاد حسن قنوجی م سنہ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء و مفتی صدر الدین دہلوی م سنہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء مؤلف
العینیۃ الرقیقہ و شاعر عربی اور قادر الکلام مولانا فیض الحسن سہارنپوری م سنہ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء
و مولانا ذوالفقار علی دیوبندی م سنہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء و مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی م سنہ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء -

و از شعرائے زبان فارسی

ابوالفرج ابن مسعود لاہوری (م سنہ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء) اور مسعود بن سعد لاہوری از شعرائے ۱۵-ویں ہجری و
امیر خسرو بن سیف الدین دہلوی (م سنہ ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) و حسن بن علاء سنجری دہلوی از شعرائے
(۸- ویں صدی ہجری) و ابوالفیض فیضی ابن مبارک (م سنہ ۱۰۰۲ھ/۱۶۰۳ء) و محمد طاہر غنی کشمیری
(م سنہ ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) و شیخ ناصر علی سرہندی (م سنہ ۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ء) و مرزا عبدالقادر بیدل (م سنہ ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء)
و اسد اللہ خاں دہلوی (م سنہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) و علامہ ڈاکٹر محمد اقبال لاہوری (م سنہ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء)
جن کی شاعری کی داد ادبائے ایران تک نے دی ہے۔

و از شعرائے زبانِ برج بھاشا یعنی ہندی

ملک محمد جائسی (م سنہ ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء) و رزق اللہ ابن سعد اللہ
دہلوی (م سنہ ۹۸۹ھ/۱۵۷۱ء) و رحمۃ اللہ ابن خیر الدین بلگرامی (م سنہ ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) و شیخ برکت اللہ
مارہروی (م سنہ ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) و قاسم ابن امان اللہ دریابادی (م سنہ ۱۱۴۹ھ/۱۷۳۶ء) و غلام نبی
بلگرامی (م سنہ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۷ء) و مولانا محمد طاہر بریلوی (م سنہ ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) و شیخ فخر الدین ابن
عبد العلی حسنی (م سنہ ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء)
جن کی شاعری رس گلوں کی مانند نرم شیریں اور کام و دہن کے لیے خوش ذائقہ
ہے - حتی کہ مجالس میں ان کے مصرعوں سے محفل گرم کی جاتی ہے۔

اردو کے ممتاز شاعر

مرزا رفیع الدین سودا (م سنہ ۱۱۹۵ھ/۱۷۰۳ء) و خواجہ
میر درد دہلوی (سنہ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء) و سید غلام حسن

دہلوی (م ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء) و میر محمد تقی اکبر آبادی (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) و سید انشاء اللہ (مرشد آبادی لکھنوی م ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) و غلام علی ہمدانی مصحفی (م ۱۲۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) و امام بخش ناسخ لکھنوی (م ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء) و حیدر علی آتش لکھنوی (م ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) و محمد مومن خاں مومن دہلوی (م ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء) و محمد ابراہیم ذوق دہلوی (م ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء) و اسد اللہ خاں غالب دہلوی (م ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) و امیر احمد مینائی لکھنوی (م ۱۲۱۸ھ / ۱۸۶۸ء) و نواب مرزا خاں داغ دہلوی (م ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) و محمد محسن کاکوروی (م ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) و مرزا سلامت علی دبیر لکھنوی (م ۱۳۲۹ھ / ۱۹۲۰ء) و میر ببر علی انیس لکھنوی (م ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء) و خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی (م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) و سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۵۱ء) و مولانا ظفر علی خاں[1] م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۵۴ء۔

ان میں سے ہر ایک شاعر نے اپنے اپنے انداز میں داد سخن دی۔ جس سے پڑھنے والوں کے دلوں میں فرحت و انبساط موجیں مارتا ہے۔

ہند میں ۶ سو سال تک یہ مسلمان بادشاہ حکمران رہے

۱۔ سلطان کامل شمس الدین التمش — م ۶۲۳ھ / ۱۲۲۵ء

۲۔ صالح بادشاہ ناصر الدین محمود — م ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء

۳۔ عادل بادشاہ غیاث الدین بلبن — م ۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء

۴۔ بے رحم بادشاہ محمد تغلق — م ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء

۵ کریم النفس بادشاہ فیروز شاہ — م ۷۹۹ھ / ۱۳۹۶ء

۶ عالم بادشاہ اسکندر ابن بہلول لودھی — م ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء

---

[1] از مترجم

٧ سرچشمہ عدل وتحقیق بادشاہ شیر شاہ سوری — م سنہ ٩٥٢ھ / ١٥٤٥

٨ موسسِ آثارِ سربلند بادشاہ شاہ جہان تیموری — م سنہ ١٠٦٨ھ / ١٦٥٧

٩ ناصرِ دین وسنت بادشاہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر — م سنہ ١١١٨ / ١٧٠٦

صوبوں کے حکمران بادشاہ

١٠ سلطان عادل وسخی۔ غیاث الدین خلجی شہید برصوبۂ بنگال — م سنہ ٦٢٤ھ / ١٢٢٦ء

١١ علم واہل علم کا مربی بادشاہ ابراہیم شرقی — م سنہ ٨٤٠ھ / ١٤٣٦ء

١٢ منتظم بادشاہ احمد شاہ گجراتی — م سنہ ٨٤٥ھ / ١٤٤١ء

١٣ مجاہد بادشاہ محمود بن محمد گجراتی — م سنہ ٩١٧ھ / ١٥١١ء

١٤ صالح وفاتح بادشاہ حلیم بن محمود — م سنہ ٩٣٢ھ / ١٥٢٥ء

١٥ نڈر اور مجاہد بادشاہ، سلطان فتح علی خاں المعروف سلطان ٹیپو — م سنہ ١٢١٣ھ / ١٧٩٧ء

مرج البحرین [امرائے اہل ذوق]

١ خواجہ محمود گاذرونی گیلانی — م سنہ ٨٨٠ھ / ١٤٧٥ء

٢ محمد بن محمد ایجی خداوند خاں — م ١٠ویں صدی

٣ اختیار خاں — م سنہ ٩٤٤ھ / ١٥٣٧ء

٤ مسند العالی عبد العزیز آصف خاں — م سنہ ٩٦١ھ / ١٥٥٣ء

٥ نواب فرید الدین مرتضیٰ خاں — م سنہ ١٠٢٥ھ / ١٦١٦ء

٦ عبد الرحیم خاں خاناں — م ١١ویں صدی

٧ جملۃ الملک علامہ سعد اللہ خاں — م سنہ ١٠٦٦ھ / ١٦٥٥ء

۸ ۔ نظام الملک آصف جاہ قمر الدین حیدر آبادی	م سنہ ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵
۹ ۔ حافظ الملک حافظ رحمت اللہ خاں	م سنہ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۷
۱۰ امیر وزیر الدولہ رئیس ٹونک	م سنہ ۱۱۸۱ھ / ۱۷۶۷
۱۱ صدر المہام منشی جمال الدین خاں وزیر بھوپال	م سنہ ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴
۱۲ نواب کلب علی خاں والیٔ رام پور	م سنہ ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱
۱۳ نواب صدیق حسن صاحب	م سنہ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء

مسلمہ عفیفات جو علم و فن کے ساتھ سیاست میں بھی ماہر تھیں

۱ سلطانہ رضیہ بنت التمش	م سنہ ۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء
۲ چاند سلطانہ (احمد نگر) بیگم علی عادل شاہ بیجانگر پور	م سنہ ۱۰۰۶ھ / ۱۵۹۷ء
۳ سلیمہ سلطانہ شاعرہ بنت گل رخ بیگم بنت سلطان ظہیر الدین بابر تیموری بیگم بیرم خاں[1] و رانی اکبر بادشاہ	م سنہ ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۴ء
۴ نور جہاں بیگم (رانی جہانگیر بادشاہ)	م سنہ ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۵ء
۵ جاناں بیگم بنت عبد الرحیم ابن بیرم خاں مؤلفہ تفسیر القرآن	م سنہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء
۶ صاحب جی دختر امیر علی مردان خاں فارسی	م ۱۱-ویں صدی
۷ جہاں آرا بیگم دختر شاہجہان تیموری مؤلفہ کتاب مونس الارواح فی اخبار المشایخ الچشتیہ	م سنہ ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۱ء

---

[1] بعد از رحلت بیرم خاں

۸	حضرت زیب النساء بیگم دختر سلطان اورنگ زیب عالمگیر مؤلفہ زیب المنشات[1]	م ۱۱۱۳ھ / ۱۷۰۱ء
۹	امتہ الغفور دہلویہ بنت شیخ کبیر اسحاق بن افضل المحدث دہلوی	در ۱۳ ویں صدی ہجری
۱۰	فاطمہ خاں پوریہ	م ۱۳۰۲ھ / ۱۹۰۳

واز سہسوان ضلع ایٹہ

۱۱	شمس النساء	م ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء
۱۲	لحاظ النساء	م ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء
۱۳	صالحہ دختر مولانا عنایت رسول عباسی	م ۱۳۱۸ھ / ۱۹۲۰ء
۱۴	نواب بیگم شاہجہان صاحبہ رئیسہ بھوپال[1] صاحبہ دیوان وکتاب تہذیب[2] النسواں	م ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء
۱۵	امتہ الرحمٰن دختر مولوی مظفر حسین کاندھلوی	در صدی ۱۴ ویں

ابھی بے شمار عفیفات ایسی ہیں جن کے متعلق کوئی ذریعہ اطلاع یابی حاصل نہ ہوسکا۔

ف۱ وصاحبہ دیوان فارسی (مترجم)

ف۲ یہ کتاب حال (در سنہ ۱۳۸۴ھ) میں دوبارہ چھپ گئی ہے۔

طابع کتاب ——— علی محمد

تلمنبہ ضلع ملتان

شکوہ سابقین

متذکرۃ الصدر تعداد اسی قدر فراہم ہو سکی جو کہ بیان کی گئی - چہ جائے کہ ہمارے ملک (ہند) کے ان گنت شہر اور قریئے ایسے علمائے یگانۂ دہر سے بھرپور تھے جنہیں آسمان علم کے درخشاں ستارے کہا جا سکتا ہے - اور جب ان میں سے کوئی ستارہ اوجھل ہو جاتا تو اس جگہ پر دوسرا ستارہ دمک اٹھتا -

ہندوستان سے باہر صنف رجال پر لکھنے والوں کی ان حضرات پر اس لیے بھی نظر نہ پڑ سکی کہ ان کے اور ہندوستان کے درمیان طول مسافت کے ساتھ راستے میں بحر ذخار حائل تھے - پھر یہاں جو کتابیں اس صنف پر لکھی گئیں وہ فارسی زبان میں تھیں جس سے ایشیائے وسطیٰ کے اہل قلم واقف نہ تھے - ان سیرت نویسوں میں امام ابن حجر عسقلانی نے درر کامنہ - علامہ سخاوی نے ضوء اللامع فی احوال المائۃ التاسع (نویں صدی ہجری کے علماء پر) امام شوکانی نے البدر الطالع - حضرمی نے النور السافر - محبی نے خلاصۃ الاثر - مرادی نے سلک الدرر لکھیں جن میں ہمارے ملک کے ان اہل کمال کا ذکر کیا گیا یعنی

جو

۱- اپنے وطن سے ترک اقامت فرما کر حجاز و نواحی حجاز میں آباد ہو گئے -

۲- یا وہ حضرات جو مدت مدید تک عربی ممالک میں رہے -

سخاوی نے ضوء اللامع کے مقدمہ میں یہ تو کہہ دیا کہ اس کتاب میں ہر اس عالم کا ذکر ہے جو ہمارے موضوع کے اندر سما سکتا ہے، خواہ مصری ہو، خواہ شامی، حجازی ہو یا یمنی، رومی ہو یا ہندی، اہل مشرق میں سے ہو یا مغرب کا باشندہ - اور اس کتاب میں ۱۱۶۹۱ افراد کا تذکرہ قلم بند فرمایا، مگر اہل ہند میں سے صرف

۳۸ حضرات کا ذکر لائے اور بس وہ بھی ایسے افراد ہیں جو اپنے وطن ہند سے ترکِ اقامت کے بعد عرب ممالک میں آباد ہو گئے۔ یا وہ اشخاص ہیں جو ان ملکوں میں تحصیل علم کے لیے گئے لیکن بحیثیت تبحر و زیادۃ فی العلوم کے ان کا کوئی درجہ ممیز نہ تھا۔

مثلاً - قاضی شوکانی (محمد بن علی م سنہ ۱۲۵۰ھ) ہیں۔ جنہوں نے اپنی تالیف البدر الطالع کہ ۷- ویں صدی ہجری کے بعد آنے والوں علماء پر مشتمل ہے اور اس میں (۵۵۰) افراد کا ذکر ہے۔ مگر ہندوستان کے صرف (۷) اہل علم کا نام ہے۔

اسی طرح محبی ہیں۔ جن کے وسائل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کی مؤلفہ کتاب کے (۱۲۹۰) افراد میں مندرجہ ذیل ہندوستانی اعلام کا تذکرہ مفقود ہے۔

۱ - حضرت مجدد صاحب سرہندی
۲ - سید احمد بنوری
۳ - علامہ محمد رشید عثمانی
۴ - مولانا محمود جون پوری
۵ مولانا فرید الدین دہلوی
۶ مولانا پیر محمد لکھنوی
۷ مولانا عیسیٰ بن قاسم سندھی

اور یہ ہیں مرادی۔ جن کی کتاب سلک الدرر ہے۔ اس میں ۱۲ - ویں صدی کے علماء کا تذکرہ ہے۔ مگر ہندوستان کے صرف سات اہلِ علم کا اندراج ہے۔ اور تو اور مندرجہ ذیل اعلام ہند کے تذکرہ پر ان کی توجہ نہیں ہو سکی۔

۱ - شاہ ولی اللہ دہلوی
۲ - احمد بن ابو سعید امیٹھوی
۳ علامہ عبد الجلیل بلگرامی

۴۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی

۵۔ مرزا مظہر جان جانان دہلوی

۶۔ مولانا فخر الدین چشتی

۷۔ مولانا محمد ارشد جون پوری

۸۔ مولانا محمد زبیر سرہندی

۹۔ مولانا نظام الدین لکھنوی

۱۰۔ مولانا غلام نقشبند

۱۱۔ مولانا کمال الدین فتح پوری

۱۲۔ قاضی مبارک

۱۳۔ قاضی محب اللہ بہاری

۱۴۔ قاضی محمد زاہد ہروی

۱۵۔ مولانا غلام یحییٰ

کہ سربرآوردہ روزگار تھے علوم فلسفہ و دیگر معقولات میں۔

ہندی اہل قلم کی تصانیف

ہندوستان کے اہلِ قلم نے بھی تاریخ و طبقات رجال و سیرۃ پر مطول و مختصر ہر دو صنف کتابیں لکھیں۔ جن کی تعداد سینکڑوں تک ہے۔ لیکن ان دفاتر میں مندرجہ ذیل خامیاں رہ گئی ہیں۔ تنقیح و تہذیب و تکمیل و معاملاتِ اصحاب سیرت اور ان کے سِن ولادت و ارتحال و حوادث زندگی یا امرائے شاہاں وقت سے مقابلہ اور ان کی ادیبانہ صفت یا ان کے اشعار کا نمونہ اور مشایخ اور اولیاء اللہ کے کرامات کا اعادہ وغیرہ پوری طرح قلم بند نہ کر سکے۔

الا بعض اہلِ قلم نے ان امور میں سے بعض کا خیال رکھا اور اکثر خوبیاں قلم انداز

کردیں ۔ لیکن مؤلف کتاب نزہتہ الخواطر سے ایسی کوئی فروگذاشت نہ ہوئی ۔ جیسا کہ انہوں نے اسی کتاب نزہتہ الخواطر کے مقدمہ میں لکھا ہے ۔

اور اپنی دوسری تالیف عوارف المعارف میں گزشتہ مؤلفین کی ان فروگزاشتوں کی وجہ سے اس باب میں ایسی جامع کتاب کی ضرورت تھی جو پہلوں کی خامیوں کو پر کردے اور ضروری تھا کہ ایسی کتاب عربی میں ہو جس کے اندر ہندوستان میں یک ہزار سالہ تاریخ اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب و کردار صاف اور عمدہ پیرائے کے ساتھ مختصر طور پر قلم بند ہو ۔ جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے علامہ جلیل سید عبدالحئی بن فخر الدین الحسنی پر نفس فرمائی ۔ اور جنہوں نے اس کام کی تکمیل کے لیے اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کر دیا ۔

ممدوح نے یہ کتاب ۸ حصوں میں ضبط فرمائی ۔ عربی، فارسی، اردو کے تین سو مصادر سے اقتباس فرمایا ۔ انہوں نے علمائے فحول میں کسی چھوٹے یا بڑے کے ذکر سے اپنے قلم کو نہیں روکا ۔ اس کتاب کے اندر (۴۵۰۰) سے زیادہ افراد کا تذکرہ ہے ۔

نُزْهَةُ الْخَوَاطِر کا مختصر خاکہ یہ ہے ۔

جلد اول ۔ وہ اعلام مسلمان جو باہر سے ہندوستان میں تشریف لائے ۔

(پہلی صدی ہجری سے لے کر ۷ ویں صدی ہجری تک)

جلد دوم ۔ ۸ ویں صدی ہجری کے علماء ۔

جن کا تذکرہ امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب درر کامنہ میں ہے ۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن نے شائع کی ہے ۔

جلد سوم ۔ ۹ ویں صدی ہجری کے علماء اکابر

جلد چہارم : ۱۰ ویں صدی ہجری کے علماء و اکابر

جلد پنجم : ۱۱ " " " " " " " "

جلد ۶ : ۱۲ " " " " " " " "

جلد ۷ : ۱۳ " " " " " " " "

جلد ۸ : معاونین مؤلف " "

مقدمہ از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وبہ نستعین ؀

اس قادر مطلق کا شکر ہے ۔ جس نے انسان کو پیدا کر کے اسے بات چیت کرنے کی طاقت بخشی اور قرآن مجید نازل فرمایا جو بنی نوع انسان کے لیے ذریعہ ہدایت اور اس ہدایت کے دلائل و فرقان سے مملو ہے ۔ اس کتاب نے بلغائے عصر کو خود ہر اعتراض سے مہر بہ لب کر کے تیر اور تلوار سے اپنے ماننے والوں کے خلاف قتال پر مجبور کر دیا اور صلوٰۃ و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو کتاب ہستی کا آغاز اور ابواب وحی و کشف و شہود کے خاتم ہونے کے ساتھ قیامت کے روز مقام محمود پر سے گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے جو بارگہ صمدیت میں شرف قبول سے بہرہ مند ہو گی ۔ آنحضرت کا نور ہر شے پر بکھرا ہوا ہے ۔

اور درود و سلام آپ کے آل طاہرین و صحابہ پر کہ منتخب روزگار ہیں ۔ انہی اخیار کرام نے اس شریعت سہل اور درخشاں کی تائید کی اور قصرِ اسلام کی بنیادوں کو استوار فرمایا ۔ یہاں تک کہ حق قائم ہو گیا اور باطل کے نشان مٹ گئے ۔

بعد ازیں ! واضح ہو کہ جب میں اپنے آغاز جوانی میں بائیں اور دائیں ہاتھ کو شناخت کرنے کی استعداد تک پہنچا اور رشد و گمراہی میں امتیاز کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوا تو غیر ارادی طریق پر سیر و رجال اور ان کے احوال و مقالات کے دفاتر پر ٹوٹ پڑا ۔ یہ شوق دامن گیر ہوا کہ ادیبوں کے سوانح اور اچھے شعروں کی بیاض مرتب کر لوں ۔ یہاں تک کہ میری تحویل میں ایک ایسا ہی دفتر مدون ہو گیا ۔ اب تک انتخاب افراد و شعار عام تھا جسے کچھ مدت بعد میں نے صرف ہندوستان کے ادیبوں پر مختص کر لیا تاہم

غیر ممالک کے اہلِ ذوق پر جو کچھ لکھا جا چکا تھا، اسے بھی اتلاف سے محفوظ ہی رکھا۔ تاکہ منتشر امور کی یک جائی سے بھی کبھی کبھی پردہ اٹھایا جا سکے۔

اتنے ہی میں میرے ایک قدردان جن کا اشارہ میرے لئے حکم تھا انہوں نے فرمایا کہ میں ادیبوں کی بجائے صرف ان علماء اور مشایخ و امرائے اہلِ علم پر خود کو محصور رکھوں جن کا تعلق ہندوستان سے ہو۔

لیکن یہ مضمون اتنا مشکل نظر آیا کہ اس پر قلم اٹھانا خطرات میں گھرنا تھا۔ خیال گزرا کہ یہ کام مجھ سے زیادہ افقہ در علم اور حافظہ میں مضبوط اور نقد و تنقیح میں سر برآوردہ اصحاب کے شایاں ہے لیکن تلاش کے باوجود کسی ایسے فرد تک میری نظر نہ پہنچ سکی۔ آخر باوجود کم ہمتی اور بے بضاعتی کے میں نے اپنے ممدوح مذکور کے حکم کی تعمیل کے لیے لبیک کہا اور اس صعب ترین راہ پر گام زن ہونا اپنا فرض سمجھا۔

اگر اللہ عزوجل کا اس بندہ عاجز پر احسان نہ ہوتا تو میں وہ مصادر جمع نہ کر سکتا تھا جن کی قیمت سونے سے زیادہ ہے اور ان میں ان کتابوں کا انداز بیان نہایت شیریں اور احباب کی ضیافت علمی کے لیے نہایت عمدہ خوان ہے۔

ادھر یہ حالت کہ میرے ہم وطن ہندوستانی باوجود تبحر علمی کے اس لطف سے قطعاً محروم ہیں۔ وہ اپنے اکابر کے محاسن بیان کرنے کی بجائے انہیں دفن کرنا زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ اس معاملہ میں یہاں تک بے پرواہ ہیں کہ نہ تو اپنے علماء سے ان امور میں دریافت کرنے کی تکلیف فرماتے ہیں، نہ انہیں اپنے شاعروں کا کلام جمع کرنے کی رغبت ہے۔ نہ وہ اپنے مشایخ کے احوال مدوّن کرنے پر متوجہ ہو سکتے ہیں اور نہ اپنی روایات کے مشہور کرنے کی طرف ان کا رجحان ہے۔ وہ ان کی کرامتیں بھی بیان کرنا کرانا بے سود سمجھتے ہیں۔ حتی کہ ان کی مدوّنہ کتابوں کے اندر ایسے مذکورات کا نشان تک نہیں ملتا۔ یہی موانع ہیں، جن کی بدولت

ہمارے ملک کے اعلام کے علمی کارنامے زمین کے اندر دفن ہو کر مٹ گئے ۔ اور دنیا ان کے کمالات سے آگاہ نہ ہو سکی ۔ خصوصاً کسی ایک صدی کے باکمالوں تک کا تذکرہ ان کی مدونہ تاریخی کتابوں کے اندر نہ مل سکا ۔ اسی طرح ملکِ ہند کے اندر مسلمانوں کے عروج کی تمام صدیاں ان کے تذکروں سے خالی نظر آتی ہیں ۔ اور اگر کسی اہلِ قلم نے کسی ایسے فرد کا ذکر کر بھی دیا تو جیسے سادہ ورق جس پر نقش و نگار کا نام نہیں، ذکر کردہ اصحاب کے مولد کا بیان ہے ۔ نہ وفات کا تذکرہ اور نہ ان کے ملفوظات کی حکایت یعنی بے شمار الفاظ اور طویل عبارات کے باوجود ! ؎

حرف مطلب کا کہیں ذکر نہیں نام نہیں

اس قدر صاف میرے خط کا جواب آتا ہے

اس قسم کے دفاتر نے مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا، ان کی بنیاد پر جو کچھ بھی لکھتا، اس میں صرف نام ہی تو ہوتا جو مولد و مسکن و مدفن اور تاریخ ولادت و وفات اور زندگی کے کارناموں سے معرّا رہ جاتا ۔

بارے خداوند عالم نے مجھے توفیق بخشی کہ جو کام مجھ سے اعلم واثقہ و ممتاز اہلِ قلم سے نہ ہو سکا وہ اس ذات کبریا نے مجھ حقیر سے لیا ۔ خصوصاً ان کے ایسے اوصاف کا ذکر جو پہلوؤں نے قلم انداز کر دیا ۔

ان اوراق کے جمع و تدوین سے میرا مقصد کسی رئیس کی رضا طلبی یا کسی وزیر کی منت و سماجت نہیں ۔ نہ ہی میں نے ان اوراق میں خود کو کسی قسم کے نفاق یا مدح بے جا یا ذم بلاوجہ سے ملوث کیا ۔ نہ اس سے میری کوئی مادی غرض ہے بلکہ میں اس ذات صمدیت کے حضور استغفار پڑھتا ہوں جو صفت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ سے متصف ہے ۔

اور ملتجی ہوں کہ وہ مجھے اس راہ کی ایسی لغزش سے محفوظ رکھے جس

لغزش کا مدار تجارت اور نفع اندوزی پر ہو۔ میں اپنی کوشش کی کمی اور ہمت میں کوتاہی اور ذہن کی غوائت کا اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے زبان عربی اور ادبی دفاتر پر کوئی عبور نہیں۔

ھالی وللامر الذی قلذقۃ

ماللذباب وطعمۃ العنقاء

ابکی لعجزی وھو یبکی ذلۃ

شتان بین بکاءۃ وبکائی

مجھے اپنے اس معاملہ میں جو معاملہ کہ میں نے خود پر اوڑھ لیا ہے، کسی قسم کی طبعی مناسبت نہیں۔ عنقا کی خوراک سے مکھی کو کیا مل سکے گا۔ میں اپنے عجز پر نوحہ کرتا ہوں اور میرا حریف اپنی کوتاہی پر گریہ کناں ہے۔ ہم دونوں کی آہ و بکا میں کس حد تک تفاوت ہے۔

اس مجموعہ کا نام

میں نے اس مجموعہ کا عنوان "نزہتہ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر" رکھا۔ خدا کی ذات سے پرامید ہوں کہ یہ کتاب مرتبۂ قبول پر فائز ہو اور اللہ تعالےٰ کی رضا کا ذریعہ ثابت ہو۔ اہل علم اس سے نفع حاصل کریں اور میرے بعد جو اصحاب مطالعہ کریں وہ میری لغزشوں سے چشم پوشی کر کے میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔

میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہوں اور زبان سے اقرار کرتا ہوں کہ وہ شکریہ کا مستحق ہے اسی لیے کہ وہ کسی امر میں مشغول نہیں۔
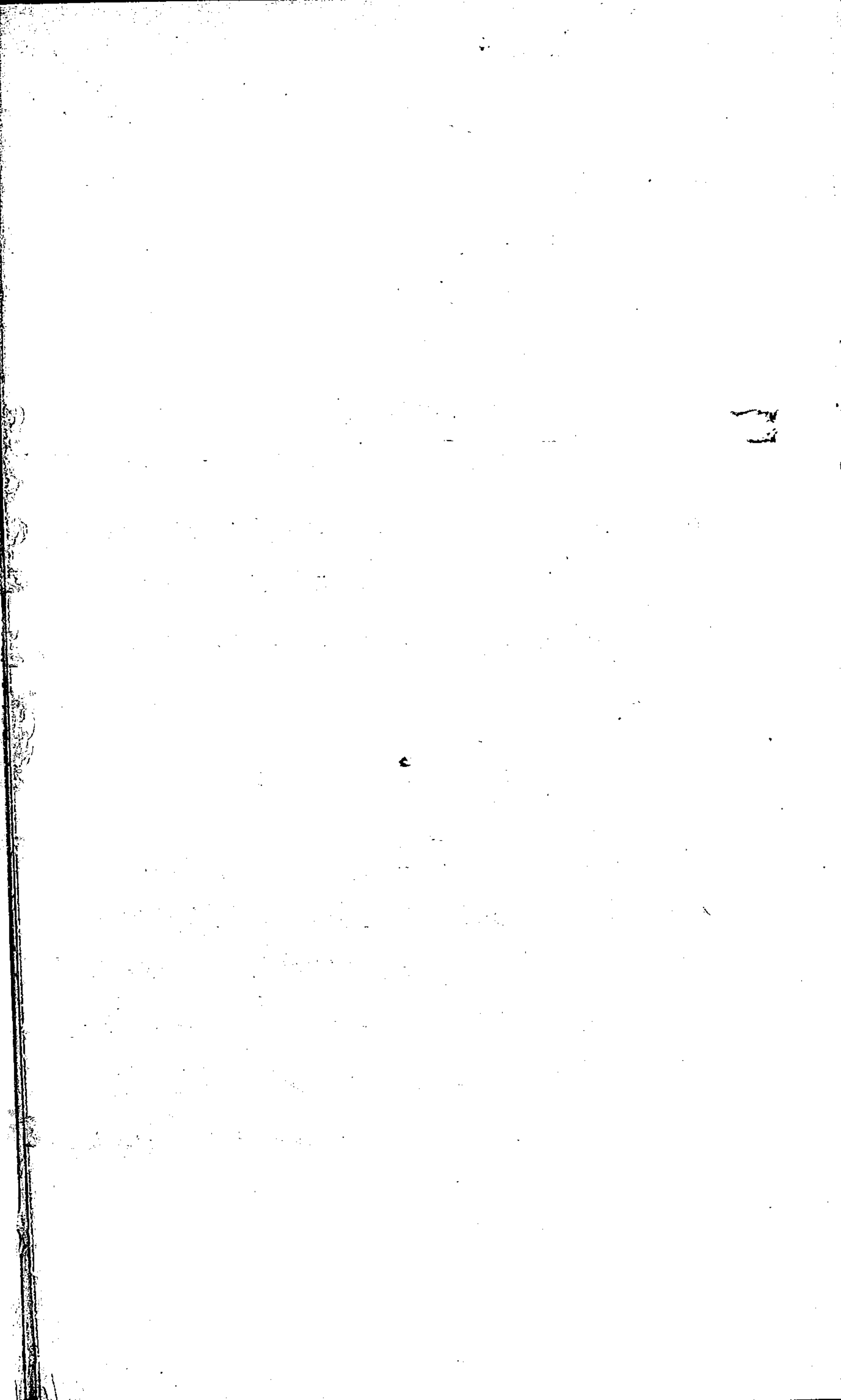
طبقۂ اولیٰ

جو حضرات پہلی ہی صدی ہجری میں ہندوستان تشریف لائے

طبقۂ اولیٰ

۱- بُدَیل ابن طہفہ بجلی

امارت حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں جب عبید اللہ بن نبہان سندھ میں کام آگئے تو حجاج نے بدیل ابن طہفہ کی طرف خط لکھا (اس عہد میں بدیل عمان کے گورنر تھے) کہ وہ خود دیبل[1] جا کر ان مسلمان عورتوں کو وہاں سے نکال لائیں جن کے بطن سے وہاں اولاد پیدا ہو چکی ہے اور اس وقت وہ جزیرہ یاقوت[2] میں وہاں کے قدیم باشندوں کی حراست میں ہیں۔

---

[1] دیبل کا حاشیہ اگلے صفحے پر ہے۔

[2] مالدیپ یہی ہے۔

بدیل یہ حکم پاکر ہندوستان روانہ ہو لیے۔ جونہی دشمن سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ ان کا گھوڑا بدک گیا۔ اور انہیں دشمن نے گھیر کر شہید کر دیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ بدیل کو ان جاٹوں نے قتل کیا ہے جو بدھ مت کے پیرو تھے۔ یہ کتاب فتوح البلدان میں مذکور ہے

فتوح البلدان میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ بدیل کی تصویر قندابیل[1] اور بروچ کے درمیان میں مجسمہ کی شکل میں پائی گئی۔

۲۔ بنانہ ابنِ حنظلہ کلبی

محمد ابن قاسم نے بنانہ کو ایک دستہ کا سردار مقرر کر کے بیت کی طرف بھیجا۔ یہاں سخت معرکہ ہوا۔ بنانہ نے دشمن فوجوں کا جی بھر کر قتلِ عام کیا۔ اس کے بعد وہ فاتحانہ کرّ وفر سے محمد ابن قاسم کی طرف لوٹا تو اس عرصہ میں مہران پر حملہ کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ بنانہ نے وسط میں پڑاؤ ڈال دیا۔ محمد ابن قاسم نے اطلاع پاکر

---

[1] دریائے سندھ کے مغرب میں لب دریا ایک بڑا تجارتی شہر تھا۔ تاریخ اصطخری ص ۱۷۹۔ و فتوح البلدان مترجمہ سید ابو الخیر مودودی ص ۶۱۲ جلد دوم۔
اردو میں مؤلف تحفتہ الاکرام کے نزدیک دیبل کا موقعہ وہی ہے جس کے آثار پر لاہری بندر آباد ہوا۔ لاہری بندر کراچی کے ضلع میں سمندر سے ۲۲ میل ادھر سندھ کی مغربی شاخ پر تھا ـــــ دیبل کا موقعہ موجودہ شہر کراچی کے قریب اس مقام پر ہے جہاں اب منوڑا کراچی کا منارہ ہے۔ ان تصریحات کے مطابق دیبل کا موقعہ موجودہ شہر کراچی کے قریب یا زیادہ وسعت دیجیے تو ضلع کراچی میں متعین ہوتا ہے۔

(بحوالہ مذکور)

ان کے ماتحت ایک ہزار ہجری نوجوان مقرر کر کے انہیں ارور اور برہمنا باد وغیرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں شہر ملک سندھ میں تھے۔ بنانہ انہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تو محمد ابن قاسم نے بنانہ کو دہلیلہ پر گورنر مقرر کر دیا۔

۳۔ حکم ابن ابوالعاصی ثقفی

حکم بن ابو العاصی (بن بشیر بن دھمان ابن عبداللہ ابن ھمام بن ابان ابن یسار بن مالک ابن حطیط بن جشم بن ثقیف الثقفی) بڑے دلاور تھے۔ حضرت عثمان ابن عفان نے انہیں ۱۵۔ ویں ہجری میں بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ یہ زمانہ خلافت حضرت عمرؓ بن الخطاب کا تھا۔ انہیں سندھ کے مشہور تھانہ کو سر ائے مامور کیا گیا اور ان کی ماتحتی کے لیے لشکر نامزد کیا گیا۔ حکم جب واپس مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین سے اس ملک کی حیثیت جغرافیائی بیان کی، جس پر حضرت عمر نے فرمایا اے ثقفی کے بھائی! تو نے کیڑے کو کاٹھ پر چڑھا دیا ہے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں، اگر یہ لوگ مارے جاتے تو میں تمہارے قبیلے میں سے اتنے ہی افراد کو سرکاری غلام بنا لیتا۔ بلاذری فرماتے کہ حضرت عثمان نے حکم کو بروچ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دور میں بروچ ہندوستان کی بہت بڑی بندرگاہ تھی۔

وبروائت ابن اثیر در کتاب اسد الغابہ (جو صحابہ کرام کے متعلق ایسی تمام کتابوں سے بڑی ہے۔ مترجم) حکم کی کنیت ابو عثمان یا ابو عبدالملک ہے۔ وہ عثمان بن ابو العاص کا بھائی اور شرف صحابیت رسول صلعم سے ممتاز ہے۔

خلیفہ بحرین کا گورنر تھا۔ یہ منصب اسے عہد عمرؓ بن الخطاب میں ملا۔ جب امیر المومنین نے اس کے بھائی عثمان بن ابو العاص کو عمان اور بحرین پر گورنر مقرر کیا اور عثمان ممدوح نے اپنے بھائی حکم کو بحرین پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ حکم نے اس

وقفہ میں عراق کے علاقے میں کئی فتوحات حاصل کیں۔ یہ واقعات ۱۹ھ یا ۲۰ھ ۶۴۰ء یا ۶۴۱ء میں رونما ہوئے۔

کسی وجہ سے حکم بصری کہلانے لگے۔ بعض ارباب فقہ حدیث ان کی مرویات کو مرسل[1] بتاتے ہیں۔

تاہم اپنے بھائی عثمان[2] کی صحبت سے ممیز ہے۔ معاویہ ابن قریہ نے حکم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میرے پاس یتیموں کا مال امانت میں جمع ہے۔ مبادایہ (مال) صدقے ہی میں ختم ہو جائے۔

"کوئی تاجر بتاؤ جو اس مال کو کام لا سکے اور مال صدقے کی رو سے ختم نہ ہو جائے" حکم نے عرض کیا۔ میں حاضر ہوں۔ تب حضرت عمرؓ نے مجھے دس ہزار درہم تفویض کیے۔ میں اس مال سے بیوپار کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے باہر نکل گیا۔ اور ایک عرصہ کے بعد جب واپس لوٹا تو امیر المومنین نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہماری مفوضہ رقم کا کیا حال ہوا؟ میں نے عرض کیا۔ نفع میں ایک لاکھ درہم حاصل ہوئے۔ اور تمام رقم حضرت عمرؓ کے سامنے رکھ دی۔

یہ روایت تین کتابوں نے بیان کی[3]

---

[1] مرسل احادیث کی وہ قسم ہے۔ جس کی سند میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہو جاتی ہے اور استدلال میں طبعاً پیش کی جا سکتی ہے۔ (مترجم)

[2] یہ ذکر حکم کے تابعی ہونے کے بارے میں ہے۔ (مترجم)

[3] نسائی۔ ابوداؤد۔ ترمذی (مترجم)

۲۔ حکیم بن جبلۃ العبدی

حکیم بن جبلہ (بن حصین بن اسود ابن کعب ابن عامر بن حارث بن الدیل بن عمرو بن غنم بن ودلیعہ ابن لکیز بن افصی بن عبدالقیس بن دعمی بن جدیلیہ ابن اسد ابن ابیہ بن نزار العبدی) حکیم بروزن فعیل کی بجائے حکیم بروزن فعیل سے زیادہ مشہور ہیں اور ولایت میں جبلہ کی بجائے جبل بھی مذکور ہے۔ یہ نسب نامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے۔

ابو محمد ان کی رویت[1] کے تو مقر ہیں۔ مگر ان سے روایت کا انکار کرتے ہیں۔

بہر حال حکیم مرد صالح اور پارسا تھے۔ وہ سردار بھی تھے اپنی قوم میں حضرت عثمان نے انہیں سندھ کی طرف جنگ کے لیے بھیجا جب واپسی پہ ان سے سندھ کا حال دریافت کیا

تو حکیم نے عرض کیا

ماءھا وشل ولصھا بطل!

وسھلھا جبل ان کثر الجند بھا!

جاعوا وان قلوا بھا ضاعوا

وہاں پانی کم ہے۔ چور نڈر ہیں۔ زمین پتھریلی ہے۔ اگر لشکری زیادہ تعداد میں ہوں تو بھوکوں مرنے لگیں اور کم ہوں تو لوگوں کے ہاتھ سے مارے جائیں۔

---

[1] رویتہ سے مراد زیارت نبی صلعم ہے۔ جو صحابی ہونے کے لیے کافی ہے۔ مگر اس سے روایت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ یہ بحث حسن بصری کے معاملہ میں بہت مشہور ہے (مترجم)

حضرت عثمان نے اس نواح میں کوئی دستہ نہ بھیجا۔ حتیٰ کہ وہ خود طعمۂ اجل ہو گئے۔

بلاذری فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان نے اپنے عہد میں عبداللہ ابن عامر ابن کریز کو عراق کی طرف دعوت و جہاد کے لیے بھیجا اور بعد میں تحریراً حکم فرمایا کہ تم ہندوستان کی سرحد پر اس لشکری کو بھیجو جو وہاں کی بول چال اور طریق بود و ماند سے واقف ہو۔ وہ شخص لوٹ کر مجھے وہاں کا حال بتائے۔

اس پر عبداللہ نے حکیم ابن جبلہ کو سرحد پر بھیجا۔ جب حکیم واپس آیا تو عبداللہ نے اسے حضرت عثمان کے پاس بھیجا۔ عثمان نے حکیم سے ہندوستان کی جغرافیائی اور معاشرتی رپورٹ طلب کی تو اس نے کہا:۔

وہاں پانی کی قلت ہے۔ پھل ردی ہیں۔ چور نڈر ہیں۔ اگر لشکر زیادہ تعداد میں ہو تو فاقوں سے ہلاک ہو جائے۔ کم ہو تو دشمن اسے ختم کر دے۔

عثمان نے کہا۔ ارے حکیم! یہ رپورٹ ہے یا سجع؟ حکیم نے عرض کیا حضور وہاں کے حالات یہی ہیں۔ تب حضرت عثمان نے ادھر فوج بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

بروایت ابن اثیر:۔ بعد ازاں وہ بصرہ میں رہنے لگے۔

اس دوران میں حضرت عائشہ کے لشکر میں جناب زبیر اور طلحہ وہاں تشریف لائے اور علی کے طرف داروں کے سالار عثمان بن حنیف تھے۔ تب عثمان نے حکیم کو ایک دستہ کا سردار بنا کر طلحہ و زبیر سے نپٹنے کے لیے بھیجا۔ اس دستہ میں قبیلہ عبدالقیس اور بکر بن وائل کے سات سو شمشیر زن تھے۔ مقام زالوقہ میں گھمسان کا رن پڑا، جس میں حکیم کام آئے۔

دوسری روائیت

جونہی طلحہ اور زبیر بصرہ میں وارد ہوئے عثمان بن حنیف اور ان دونوں کے درمیان تبادلہ گفتگو میں حضرت علی کی

تشریف آوری تک لڑائی سے دست برداری پائی لیکن دفعتہً عبداللہ بن زبیر نے عثمانؓ کے محل پر حملہ کرکے انہیں باہر دھکیل دیا اور خود اس قصر پر قابض ہو گئے۔ حکیم نے یہ سنا تو قبیلۂ ربیعہ کے سات سو شمشیر زن لے کر چڑھ آئے۔ اس لڑائی میں ابن زبیر کو محل خالی کرنا پڑا۔ مگر حکیم کا اس لڑائی میں ایک پاؤں کٹ گیا۔ حکیم نے یہ پاؤں گھما کر اپنے حملہ آور کو اس زور سے مارا کہ وہ جان دے بیٹھا۔ حکیم اس حالت میں لڑتے رہے جب کہ ان کا ایک پاؤں کٹ چکا تھا۔ اور وہ یہ شعر زبان سے کہہ کر مقابلہ کرتے رہے۔ ؎

یاساق لن تراعی

ان معی ذراعی!

احمی بھا کراعی!

حتیٰ کہ بدن میں خون کی کمی سے تھک کر رہ گئے اور اس شخص کی لاش سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے جس نے ان کا یہ پاؤں القط کیا تھا۔ اس حال میں ایک شخص نے ان سے دریافت کیا۔ "آپ کو یہ گزند کس نے پہنچائی؟" فرمایا اسی تکیہ نے جس پر میں ٹیک لگائے بیٹھا ہوں۔" کہا جاتا ہے کہ ان سے زیادہ جری اس وقت تک دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ ان کے قاتل سیحیم الحدانی ہیں۔

ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ فرماتے ہیں۔ جاہلیت اور اسلام کے دونوں زمانوں میں کوئی شخص نہ تھا جس نے ان جیسا کردار دکھایا ہو۔

۵۔ داؤد بن نصر عمانی

داؤد بن نصر احمد ولید (عمانی) مجاہد۔ سندھ تشریف لائے۔ جہاد کیا اور کئی شہر فتح کیے۔ محمد ابن قاسم نے انہیں شہر ملتان پر گورنر فرمایا۔

۶۔ رعوۃ بن عمیرہ طائی

رعوۃ ابن عمیرہ طائی، دولتِ اموی کے رکن تھے۔ محمد بن قاسم ثقفی نے انہیں ایک مختصر سا دستہ دے کر سندھ کی طرف بھیجا اور انہوں نے کئی شہر زیرِ نگین کر لیے۔

۷۔ زائدۃ ابن نمیرہ طائی

زائدہ ابن نمیرہ طائی حقیقی بھائی تھے۔ رعوہ مذکور (بر نمبر ۶ کے) سندھیوں نے کئی جنگوں میں ان سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ لڑتے بھڑتے ملتان آ پہنچے۔ یہاں بھی وہی صورت پیش آئی۔ اور دشمن کو بھگا دیا۔ لیکن فصیلِ شہر کے پائین میں خود بھی جان بحق ہو گیا۔ یہ واقعہ صریح البلدان میں منقول ہے۔

۸۔ عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمی

عبدالرحمٰن بن عباس ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی قرشی۔

انہوں نے عبدالرحمٰن بن محمد ابن اشعث کِندی کے ہمراہ (جنہوں نے ۸۴ھ میں عبدالرحمٰن ہاشمی کی بیعت کی تھی) حجاج بن یوسف ثقفی سے کئی جنگیں مقام اہواز اور دیر جماجم میں لڑیں اور جب عبدالرحمٰن ابن اشعث کو اپنے مسکن میں رہتے نہ بنی تو وہ گھر چھوڑ کر عبدالرحمٰن بن عباس کے پاس سجستان میں آ پہنچے۔ یہاں فل ابن اشعث بھی موجود تھے۔ آخر دونوں بھائیوں نے بیس ہزار سپاہی اپنی قیادت میں لے کر ہرات پر حملہ کیا اور دربان کو قتل کر دیا۔ تو یزید بن مہلب نے ان کی طرف یہ پیام دے کر اپنا قاصد بھیجا کہ آپ کو تو وہ شخص راستے میں روک سکتا ہے جس کی طاقت مجھ سے

بہت کم ہے۔ پس تم کسی ایسے شہر میں چلے جاؤ جس شہر پہ میرا قبضہ نہ ہو۔ کیوں کہ میں تمہارے ساتھ جنگ کرنا گوارا نہیں کر سکتا! مجھے ناپسند ہے۔ تمہارے ساتھ ایسا سلوک!

عبدالرحمٰن کا جواب

"ہم اس بستی میں جنگ کرنے کی نیت سے داخل نہیں ہوئے۔ نہ اس پر قبضہ کرنا ہمارا مقصد ہے۔ ہم تو صرف کچھ مدت تکان کرنے کے لیے یہاں رک گئے ہیں۔ جونہی ہم سنبھل جائیں گے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور ہمیں مال و منال کی خواہش بھی نہیں!"

عبدالرحمٰن اس کے بعد یہاں سے منتقل ہو کر مقام جبایہ میں چلے گئے۔

یہ خبر یزید نے سنی تو کہا کہ جو شخص رفع تکان کے لیے داخل ہو اور پھر وہاں سے دوسرے مقام پر منتقل ہو جائے۔ اسے اس جگہ سے دھکیلا نہ جائے" یزید نے اس قسم کا ایک مراسلہ عبدالرحمٰن کی طرف بھیجا جس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ تم نے تکان رفع کر لی اور سنبھل گئے، اب یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔ آپ کے ساتھ جنگ کرنا مجھے گوارا نہیں" لیکن محمد بن اشعث مقابلہ پر اتر آئے۔ اور یزید کے لشکری بھی آمادہ پیکار ہو گئے۔ یزید نے یہ سنا تو کہا کہ معاملہ تو حد سے گذر گیا ہے۔ چلو ایسا ہی سہی اور وہ خود بھی میدان میں آ پہنچا۔

ذرا سی جھڑپ میں عبدالرحمٰن کے لشکری بھاگ نکلے۔ عبدالرحمٰن چند سپاہیوں کے ساتھ گھر گیا اور موقعہ پا کر بھاگ اٹھا۔ مگر یزید نے اپنے لشکریوں کو ان کے تعاقب سے روک دیا۔ پھر بھی بھاگنے والوں کا تھوڑا بہت سامان اور چند سپاہی گرفتار ہو گئے۔ اور عبدالرحمٰن نے سندھ میں آکر دم لیا۔ جیسا کہ تاریخ کامل میں بیان کیا گیا ہے۔

اور ابن قتیبہ نے اپنی مشہور کتاب الامامتہ والسیاستہ میں لکھا ہے کہ جب اشعث کو شکست ہوئی تو عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے مسلسل ۳ روز تک حجاج سے مقابلہ

جاری رکھا۔ مگر یہ بھی میدان چھوڑ کر فارس میں آپہنچے۔ یہاں سے سندھ وارد ہوئے۔ اور اسی ملک میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۹ عبیداللہ بن نبہان

انہیں حجاج ابن یوسف نے سندھ کے شہر دیبل روانہ کیا۔ تاکہ وہاں سے ان مسلمان عورتوں کو نکال لائیں۔ جو جزیرہ مالدیپ میں عرب مسلمان تاجروں کے عقد میں آنے کے بعد صاحبِ اولاد ہو چکی تھیں۔ اور ان کے مسلمان شوہر وفات پا چکے تھے۔ یہاں کے ہندو بادشاہ نے حجاج بن یوسف کی مہربانی حاصل کرنے کی غرض سے ان تمام عورتوں کو ایک کشتی پر سوار کر کے روانہ کر دیا۔ تو راستے میں دیبل کے ملاح ڈاکوؤں نے یہ کشتی گھیر لی۔ تب ان عورتوں میں سے قبیلہ بنی یربوع کی ایک عورت نے یاحجاج! کہہ کر واویلا جو کیا تو یہ خبر حجاج نے بھی سن پائی۔ اور آواز سے کہا لبیک! (میں حاضر ہوں) اور اس نواح کے سربراہ راجہ داہر کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ ان مسلمان عورتوں کو ہمارے حوالے کرایا جائے۔ داہر نے کہا کہ یہ کرتوت ان ڈاکوؤں کی ہے جن پر ہمارا اختیار نہیں۔ اس جواب پر حجاج نے عبیداللہ بن نبہان کو دیبل پر حملہ کے لیے بھیجا جو لڑائی میں کام آئے (اس کے بعد بدیل بن طہفہ کو بھیجا جن کا تذکرہ اس سلسلے کے (۱) پر ہے)

۱۰- قاسم بن ثعلبہ طائی

قاسم ابن ثعلبہ بن عبداللہ بن حفص الطائی یہ سندھ میں بس گئے تھے۔ انہوں نے محمد بن قاسم ثقفی کی ماتحتی میں ہندوؤں کے ساتھ کئی جنگوں میں حصہ لیا۔
سندھ کے ہندو راجہ داہر بن صصہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

۱۱- محمد بن حارث علافی

یہ صاحب حجاج سے مقابلہ پر اتر آئے اور عبدالرحمٰن بن محمد اشعث ان کی کمک پر تھے۔ جب ابن اشعث کو شکست ہوئی تو وہ عمان چلے گئے۔ اور محمد بن حارث سندھ میں ہندو راجہ داہر بن صعصہ کی پناہ میں آگئے۔ مگر جب سعید ابن اسلم بن زرعہ کلابی نے مکران پر قبضہ کر کے سعید صفوی ابن ام الحمام کو ایک قصور کی بنا پر قتل کرا دیا۔ (اور سعید بھی علافی ہی تھا۔) تب حارث ممدوح کے دونوں بیٹے (محمد اور معاویہ) پانچ سو سپاہی لے کر سعید بن مسلم حکمران مکران پر چڑھ آئے۔ اور اسے قتل کر کے مکران پر قبضہ کر لیا۔ حجاج نے یہ خبر سن کر مجاعہ ابن سعر التمیمی کو سندھ کی سرحد پر تعینات کر دیا تو مجاعہ نے لڑ کر غنیمت حاصل کی۔ یہ لڑائی علافی سے ہوئی تو محمد اور معاویہ دونوں اپنے لشکر سمیت ارور شہر میں بس گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۸۰ھ ۶۹۹ء کا ہے۔

اور جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کر کے داہر کو قتل کر دیا تو محمد علافی ارور سے نکل کر برہمناباد میں آگئے اور جے سنگھ (پسر راجہ داہر) کی پناہ میں امان لے لی۔ اور جب خود جے سنگھ سندھ سے کشمیر کے راجہ کی پناہ لینے گئے تو علافی محمد بھی ان کے ہم رکاب تھا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ راستے ہی میں جے سنگھ کی معیت ترک کر کے سندھ واپس لوٹ آیا۔

تاریخ تحفۃ الکرام میں مذکور ہے کہ اس نے محمد بن قاسم کی پناہ حاصل کر لی۔ علافی کا نام ابان بن حلوان ابن عمران بن الحاف بن قضاعہ اور کنیت الوجرم ہے (بلاذری)

۱۲- محمد بن قاسم ثقفی

محمد بن قاسم بن محمد بن حکم بن ابو عقیل ثقفی۔

جو رشتے میں حجاج کے چچازاد اور اس کے داماد بھی تھے۔ انہیں حجاج نے خلیفہ ولید ابن عبد الملک کے دورِ حکومت میں سندھ کی سرحد پہ بھیجا جب کہ وہ فارس میں تعینات تھا۔ حجاج نے پہلے اسے رے جانے کا حکم دیا۔ ابن قاسم کے مقدمہ میں ابو الاسود جہم بن زحر الجعفی تھا۔ جس کے ماتحت چھ ہزار شامی بہادر، اور دوسرے فوجی بھی تھے۔

حجاج نے اس لشکر کی جملہ ضروریات خود فراہم کرکے جمع کرلیں، یہاں تک کہ سوئی دھاگہ بھی نظر انداز نہ کیا۔ ابن قاسم کو حکم دیا گیا کہ وہ دوسری اطلاع تک شیراز ہی میں رہے۔ حجاج نے اس سامان میں دھنکی ہوئی روئی سرکہ میں تر کرکے سائے میں خشک کرادی اور کہا کہ جب تم سندھ پہنچ جاؤ گے تو وہاں سرکہ نہیں ملے گا۔ ضرورت کے وقت اس روئی کا گالا پانی میں ڈبو کر نچوڑ لینا۔

کوچ محمد بن قاسم لشکر سمیت یہاں سے چل کر مکران پہنچا اور چند روز مقام کرنے کے بعد پنج گور پر حملہ کرکے اسے فتح کیا۔ اب آگے بڑھا اور ار مائیل (ارمن بیلہ) پر فتح حاصل کی۔ اس کے بعد جمعہ کے روز دیبل پر مورچہ لگا دیا۔ اتنے میں حجاج کا بھیجا ہوا جہاز سامانِ حرب اور رسد لے کر آ پہنچا۔ اس جہاز میں سپاہی بھی تھے۔

دیبل پر حملہ کی تیاری محمد بن قاسم نے سب سے پہلے لشکر کے چاروں طرف خندق تیار کرائی۔ خندق کے کنارے پر جابجا اپنے علم نصب کرائے اور سپاہیوں کو ان جھنڈوں کے مطابق متعینہ حدوں میں

جمع رہنے کا حکم دیا۔ ایک مقام پر منجنیق نصب کرادی۔ دیبل میں بدھ کا بہت بڑا بت خانہ تھا۔ جس پر عظیم الشان گنبد تھا۔ اور اس گنبد پر ایک پرچم لہرا رہا تھا۔ گولہ اندازوں نے سب سے پہلے اسی گنبد کو نشانہ بنایا جس کے ٹوٹنے کے ساتھ شہر کے بت پرست تلملا اٹھے۔ ادھر سے محمد بن قاسم نے ان کو للکارا تو جوش میں آکر شہر سے نکل آئے اور پہلے ہی مقابلے میں بھاگ کر پھر شہر میں چلے گئے۔ محمد ابن قاسم نے فصیل پر سیڑھیاں لگوادیں جن پر سے مسلمان سپاہی شہر میں داخل ہو گئے۔ اور دیبل اس لڑائی سے فتح ہو گیا۔ داہر (راجہ) شہر سے نکل کر بھاگ گیا۔ مگر بدھ کے مندر کا پجاری قتل کر دیا۔

محمد ابن قاسم نے مسلمانوں پر شہر اور گرد و نواح کی سفیدہ زمین ناپ تول کر تقسیم کر دی۔ سرکاری خرچ سے وہاں ایک مسجد تعمیر کرادی اور مسلمانوں کی آبادی کے لیے چار ہزار رہائشی مکان بنوادیے۔

(دیبل کا قصہ تمام ہوا۔ اس کا دوسرا نام دیول ہے)

بیرون نامی شہر پر دھاوا محمد ابن قاسم نے یہاں سے فارغ ہو کر بیرون نامی شہر پر دھاوا بول دیا۔ مگر وہاں کے باشندوں نے جنگ کرنے کی بجائے امان طلب کر لی اور ابن قاسم ان سے صلح کر کے آگے بڑھا۔

شہر مہران کا ماجرا اس نے دریائے سندھ پار کر کے شہر مہران پر ہلہ بول دیا اور یہاں کے باشندوں سے بھی مصالحت پر معاملہ طے ہو گیا۔ ان پر خراج مقرر کر کے محمد بن قاسم آگے بڑھ آیا اور

شہر سلوستان پر حملہ کر کے اسے بھی سر کر لیا۔ وہ ذرا دیر کے لیے شہر کے وسط میں جلوس کے بعد باہر نکلا اور

ملک کچھ کی راہ لی۔ جہاں سے پہلے سترا سل آیا۔ یہاں راجہ داہر مقیم تھا۔ اس نے مقابلہ کی ٹھان لی اور باغیوں کا دل لے کر میدان میں آگیا۔ سخت معرکہ کے بعد داہر مارا گیا یہ شام کا وقت تھا۔ اس کا لشکر بھاگ گیا مسلمانوں نے تعاقب کر کے بہتوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ داہر کو جس دلاور نے قتل کیا مدائنی اسے قبیلۂ بنی کلاب کا بتاتا ہے۔ جس نے اپنے کارنامہ پر یہ شعر کہے:

(۱) الخیل تشہد یوم داھر والقنا
و محمد بن القاسم بن محمد

(۲) انی فرجت الجمع غیر معرد
حتی علوت عظیمھم بمھند

(۳) فترکتہ تحت العجاج مجدلا
متعفر الخدین غیر موسد

(ترجمہ)

(۱) گھوڑے نیزے اور خود محمد بن قاسم گواہ ہے کہ میں نے داہر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

(۲) میں دشمن کی صفوں میں دراتا ہوا چلا گیا اور ان کے سردار کا سر اپنی شمشیر براں سے کاٹ ڈالا۔

(۳) اور اسے اس حالت میں چھوڑا۔ کہ اس کے دونوں رخسار خاک و خون میں لتھڑ رہے تھے۔

شہر راور کی طرف محمد بن قاسم نے یہاں سے راور کی طرف رخ پھیر لیا۔ داہر کی رانی اسی شہر میں دبکی بیٹھی تھی۔ اس نے یہ سنا تو اپنی خواصوں کے ساتھ جمیع مال و منال سمیت آگ میں کود کر بھسم ہو گئی۔

برہمنا باد قدیم ابن قاسم یہاں برہمنا باد کی طرف بڑھا جہاں داہر کی بقیۃ السیف فوج پڑی تھی۔ انھوں نے محمد بن قاسم کا مقابلہ بڑی دلیری سے کیا۔
مگر آٹھ ہزار بعض حضرات کے قول میں ۲۶ ہزار کھیت رہے۔ یہ شہر بھی لڑائی سے فتح کیا۔ یہاں محمد بن قاسم نے ایک نگران مقرر کیا اور خود

ارور یا الغرور کی طرف بڑھا اور راستے میں شہر ساوندری کے باشندوں نے ان سے امان کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ اب اس نے

شہر بسمد کی طرف عنان پھیر لی اور ان سے بھی صلح ہو گئی۔ شہر ارور یا الغرور پہاڑ پر آباد تھا۔ اس شہر کا محاصرہ کئی مہینوں تک کرنا پڑا۔ بالآخر صلح پر معاملہ ختم ہوا۔ محمد بن قاسم یہاں مسجد تعمیر کرا کے

شہر سکہ کا رخ کیا۔
اور یہ بھی فتح ہو گیا۔

ملتان پر دھاوا یہاں سے دریائے بیاس (یا ستلج) عبور کر کے ملتان پر دھاوا بول دیا۔ اہل شہر نے مقابلہ تو کیا۔ مگر شکست کھا کر ایک طرف ہو گئے۔ محمد بن قاسم نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ وہ گھبرا کر حاضر ہو گئے۔ فاتح نے ان کے شمشیر زن موت کے گھاٹ اتار دیے۔ ان کی اولاد گرفتار کر لی اور بے حساب سونا ان سے تاوان میں لے کر حجاج کو روانہ کیا۔ یہ سونا وہاں کے ٹبہ سے بت خانہ میں سے نکلا جس بت خانہ کی چھت میں بت کے سر پر ایک سوراخ تھا۔ اسی سوراخ میں یاتری بت پر چڑھاوا ڈال دیتے جو ایک گڑھے میں جمع ہوتا رہا۔ ملتان کو اسی دولت کی وجہ سے سونے کا گھر کہا جاتا ——

ھال! جب حجاج کے پاس یہ سونا پہنچا اور اس کی مالیت ۱۲۰ لاکھ درہم اندازہ

ہوئی۔ تو حجاج نے کہا "ہم نے صرف ۶ لاکھ درہم اس کام پر خرچ کیے۔
یہ سودا تو بہت منفعت کا ہے کہ دگنی ہو گئی"۔ اسی وقفہ میں حجاج نے رحلت کی۔
اور محمد بن قاسم یہ خبر سننے کے بعد پھر ارور یا الغرور کی طرف لوٹا جسے وہ پہلے سے فتح
کر چکا تھا۔ یہاں اس نے شہر کے باشندوں کو بہت سا مال عنایت کیا اور اس نے
شہر بیلمان کی طرف رخ پھیر لیا۔ مگر اس شہر کے باشندوں نے صلح و اطاعت
میں اپنی خیر دیکھی۔ محمد نے یہاں سے بڑھ کر شہر سرست اور اس کے
بعد کیرج پر دھاوا بول دیا۔ کیرج سے وہاں کا راجہ داہر مقابلہ کے لیے نکلا اور مارا گیا۔
باشندوں نے سر اطاعت خم کر دیا جس پر کچھ سرکش مرت کے گھاٹ اتار دیے۔
اور چند شر پسند اسیر ہوئے۔ راجہ دداہر کی موت پر ایک شاعر نے کہا ؎

نحن قتلنا داهر آ و دواهر آ
والخيل تردي منسراً فمنسراً

ترجمہ: سواروں کے بڑے بڑے دستے تو چکر ہی لگاتے رہے۔ مگر داہر
اور دواہر دونوں کو قتل ہم نے کیا۔

اتنے میں خلیفہ ولید بن عبد الملک راہی ملک عدم ہوا۔ اور اس کی جگہ سلیمان
اس کا بھائی بیٹھا۔ سلیمان نے صالح بن عبد الرحمن کو عراق کا خراج جمع کرنے پر متعین کیا
اور یزید بن الکبشہ سکسکی کو ملک سندھ کا گورنر مقرر کیا جس نے محمد بن قاسم کو معاویہ
ابن مہلب سمیت گرفتار کر لیا۔ اس پر محمد بن قاسم نے جو شعر کہے ان میں سے ایک
شعر مندرجہ ذیل ہے ؎

اضاعوني وای فتیً اضاعوا ليوم كريهة وسداد ثغر

انھوں نے مجھ ایسے جوان کو ضائع کر دیا۔ جو سخت معرکوں کو سر کرنے والا اور
سرحد کا محافظ تھا۔

ھندی مفتوح یہ خبر سن کر رو دیے اور یادگار میں محمد ابن قاسم کی شبیہہ شہر کیرج میں نصب کر دی۔

محمد بن قاسم کو شہر واسط میں قید کیا گیا۔ جس پر اس نے کہا ؎

فلئن ثویت بواسط و بارضھا
رھن الحدید مکبلاً و مغلولاً
فلرب فتیۃ فارس قد رعتھا
ولرب قرن قد ترکت قتیلاً

اگر مجھے واسط شہر کے اندر زنجیر میں جکڑ کر قید کر دیا ہے تو کیا ہوا۔ میں ہی تو ہوں جس نے جوانان شہسواروں کو خاک بسر اور بانکے بہادروں کو قتل کیا۔

نیز یہ فرمایا ؎

لو کنت اجمعت الفرار لوطئت
اناث اعدت للوغی و ذکور
ولا دخلت خیل السکاسک ارضنا
ولا کان من عک علی امیر
ولا کنت للعبد المزونی تابعاً
فیالک دھر بالکرام عثور!

مجھے ذرا سا موقع ملتا تو جنگ کے لیے گھوڑے اور گھوڑیاں جمع ہو جاتیں۔ پھر نہ تو سکسکیوں کے گھوڑے ہمارے علاقے میں داخل ہو سکتے اور نہ ملک کا کوئی فرد مجھ پر امیر مقرر ہوتا۔

اور نہ آج میں ایک ادنیٰ غلام کا تابع ہوتا۔ اسے زمانے! تجھ پر افسوس ہے کہ تو شریفوں کے بارے میں بڑا خائن ہے۔ صالح مذکور نے جیل خانے میں محمد ابن قاسم

کو بہت تکلیف دی۔ اس وقفہ میں ابن قاسم کے ساتھ اس کے قبیلہ آل ابی عقیل کے اور مظلوم بھی مقید تھے۔ ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا۔ حتیٰ کہ محمد بن قاسم یہیں گھل گھل کر راہی ملک بقا ہوا۔ یہ انتقام لیا گیا۔ اس امر کا کہ حجاج بن یوسف نے اسی بے صالح کے بھائی کو قتل کرا دیا تھا۔ جو خوارج کا سرغنہ تھا۔

محمد بن قاسم کی موت پر مشہور شاعر حمزہ ابن بیض الحنفی نے ایک مرثیہ کہا:

ان المروۃ والسماحۃ والندیٰ

لمحمد بن القاسم بن محمد!

ساس الجیوش لسبع عشرۃ حجۃ!

یا قرب ذالک سوددا من مولد

جرأت اور دلیری اور سخاوت محمد بن قاسم کے لیے تھی۔ جو ۱۷ سال کی عمر میں فوجوں کا سپہ سالار بن گیا۔ یہ سیادت اس کے عہد ولادت سے کس قدر قریب تھی۔ اس کے متعلق ایک اور عرب شاعر کے مرثیے کا شعر ہے ؎

ساس الرجال لسبع عشرۃ حجۃ

ولداتہ عن ذالک فی اشغال!

(وہ ۱۷ سال کی عمر میں سرداری کو پہنچا۔ جب کہ اس کے ہم سن ابھی کھیل رہے تھے)

حجاج نے ماہ شوال سنہ ۹۵ھ میں وفات پائی۔ اور ولید بن عبدالملک کی رحلت اور سلیمان کی تولیت جمادی الاخریٰ سنہ ۹۶ھ میں رونما ہوئی۔ اسی سنہ ۹۶ھ میں محمد بن قاسم کو جیل میں تعذیب سے نوازا گیا۔ اور وہ واسط میں قتل ہوا۔ جیسا کہ تاریخ کامل اور فتوح البلدان میں مذکور ہے۔

۱۳- محمد بن مصعب الثقفی

محمد بن مصعب ابن عبدالرحمٰن ثقفی محمد ابن قاسم کی ماتحتی میں سندھ وارد ہوا۔ ہندوؤں کو قتل کیا۔ ابن قاسم نے اسے ایک فوجی دستہ کی کمان دے کر سدوسان اور حجازلت کی طرف بھیجا۔ اس شہر کے رہنے والوں نے امان اور صلح کی درخواست بھجوائی۔ اسی دوران میں سمنی حاضر ہو کر امان کے طلب گار ہوئے۔ تو ابن محمد نے ان کی درخواست قبول فرما کر ان پر خراج مقرر فرما دیا۔ مگر ان کا کچھ حصہ رہن کر لیا۔ اب وہ محمد ابن قاسم کی طرف اپنے ہمراہ چار ہزار جاٹ لے کر روانہ ہوا۔ اور جب محمد بن قاسم مقام مہران کی طرف روانہ ہوا تو ابن محمد بن مصعب کو ایک دستہ کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ محمد بن قاسم نے مہران سے گذر کر علاقہ کچھ گجرات کا رخ کیا۔ اور محمد بن مصعب کا اس کے بعد کوئی حال معلوم نہ ہوا۔

۱۴- محمد بن ہارون نمری

محمد بن ہارون ذراع نمری۔ حجاج نے انہیں سرحد سندھ کی طرف مجاعۃ بن سعر تمیمی کے بعد متعین کیا اور معلوم ہے کہ مجاعہ نے مکران میں رحلت فرمائی تھی۔ ابن ہارون نے یہاں لڑائی سے دشمن کو شکست دے کر یہ علاقہ فتح کر لیا اور حجاج کے حکم سے پورے ۵۔ سال تک اس نواح میں مقیم رہا۔

اور جب حجاج نے اپنے عم زاد بھائی محمد ابن قاسم ثقفی کو اس خطہ کی تولیت عنایت کی۔ تو ابن ہارون کی طرف لکھا کہ لشکر تیار کر کے اندرونِ سندھ کی طرف کوچ کرے۔ ادھر محمد بن قاسم جب مکران میں پہنچا اور یہاں سے قنزپور (پنج گور) کا ارادہ کیا تو نمری ان سے ملاقی ہوا۔ بعد میں نمری نے شہر ارمائیل پہ دھاوا کر کے اسے فتح کر لیا۔

اور وہ اسی جگہ آرام کرنے کے لیے ٹھہر گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد یہاں ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور شہر قنبل میں دفن ہوا۔ تاریخ وفات شاید ۸۳ھ ہے۔

۱۵- معاویہ ابن حارث علافی

انہوں نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو شکست دے کر اسے قتل کیا۔ اور سپہر حد سندھ پر قابض ہو گئے۔ پھر حبیب مجاعہ بن سعر تمیمی اس نواح پر قابض ہوئے۔ تو معاویہ نے ان کو مار بھگایا۔ اور یہاں کی زمام حکومت بھی خود سنبھال لی۔ اندرون سندھ میں در آئے اور داہر ابن صصہ کی پناہ میں جا پہنچے۔ داہر قتل ہو گیا تو انہوں نے اس کے بیٹے جے سنگھ کے دامن میں پناہ لی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم سے معافی مانگ کر ان کے زیر سایہ بسر کرتے رہے۔

۱۶- مغیرہ بن ابوالعاصی

مغیرہ ابن ابوالعاص ابن بشر بن دھمان ثقفی المجاہد۔

ان کے بھائی عثمان بن ابوالعاص کو حضرت عمر نے اپنے عہد امارت میں بحرین اور عمان پر گورنر مقرر کیا۔ عثمان مرد شریف اور صاحب جاہ و مرتبت تھے۔ حضرت عمر نے بصرہ کے نواح میں انہیں موضع شط جاگیر میں عنایت فرمایا تھا۔

(بحوالہ کتاب الاشتقاق ابن درید)

تو عثمان نے مغیرہ کو سندھ کے شہر خور دیبل فتح کرنے کے لیے بھیجا جہاں ایک جنگ میں انہوں نے دشمن پر فتح پائی۔ مغیرہ اسی ملک میں آسودۂ لحد ہوئے۔

۱۷- یزید بن ابی کبشہ

یزید بن ابی کبشہ سکسکی۔ دولت اموی کے ارکان تھے۔ حجاج بن یوسف نے اپنے آخری عہد میں انہیں بصرہ اور کوفہ کا امام نماز اور سپہ سالار افواج مقرر کر کے بھیجا۔ حجاج کی رحلت کے بعد ولید خلیفہ نے بھی ان کے یہ دونوں مناصب بحال رہنے دیے۔ بعض مورخ مثلاً وفیات الاعیان کے مولف ابن خلکان کے نزدیک ولید ممدوح ہی نے انہیں یہ عہدے مرحمت کیے تھے۔

ولید کی رحلت کے بعد ان کے بھائی سلیمان (خلیفہ) نے یزید کو سندھ میں بھجوا دیا۔

محمد بن قاسم اور معاویہ بن مہلب کو انہوں ہی نے گرفتار کیا تھا۔ اور خود وہ (یزید) اسی سرزمین میں ۱۸۔ دن یہاں کا دانہ پانی چکھ کر ۹۶ھ میں سپرد خاک ہوئے۔

طبقۂ ثانیہ

جس میں ہندوستان کے عالم اور وہ افراد شامل ہیں
جو اسلامی ملکوں سے آکر یہاں آباد ہو گئے
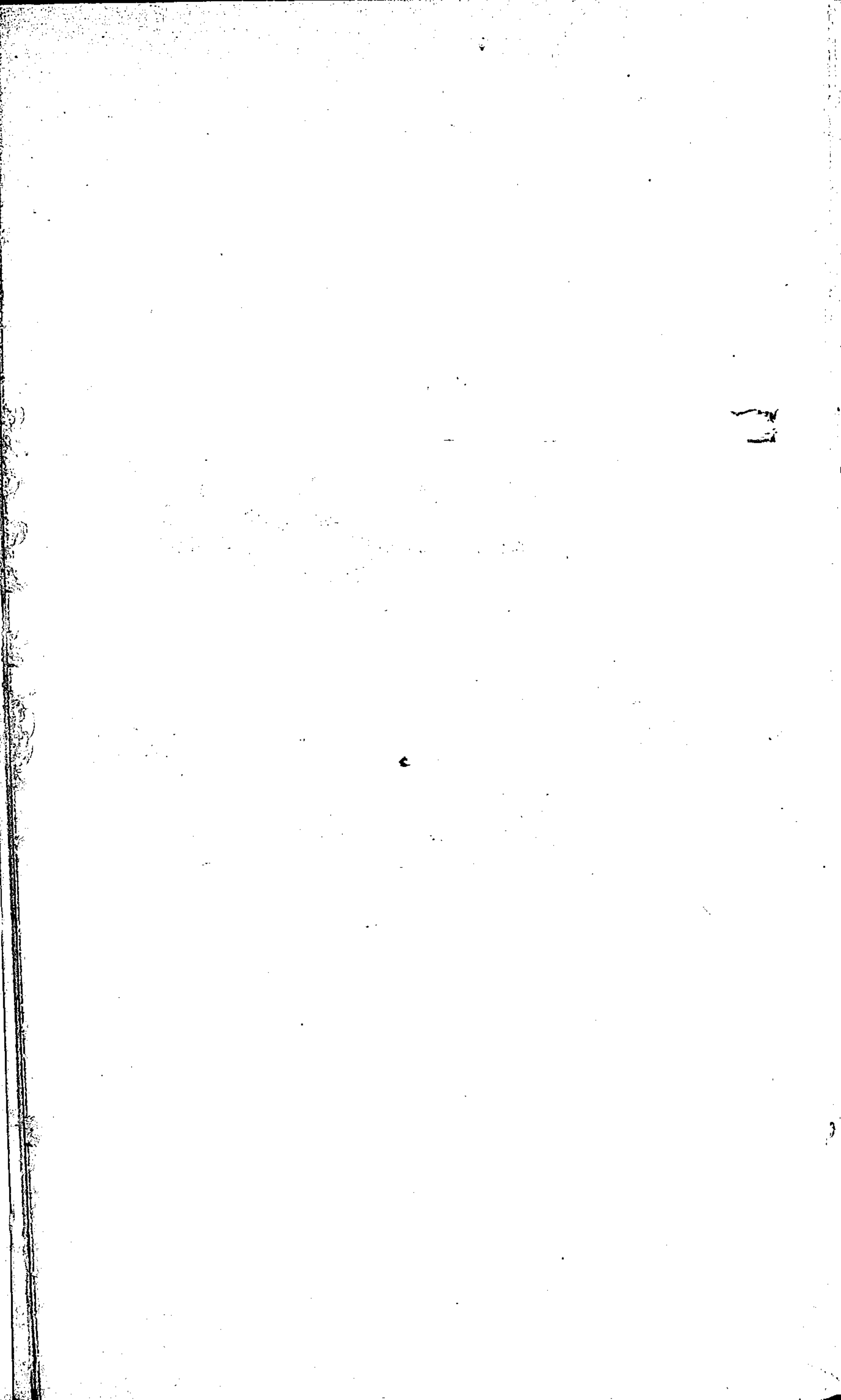
طبقۂ ثانیہ

۱۸- ابوعطاء سندھی

ابوعطاء سندھی شاعر۔ پہلے بنو امیہ اور بعد میں عمرو بن سماک بن حصین اسدی کے مولیٰ ہوئے۔ ان کا نام افلح بن یسار یا مرزوق ہے۔ وطناً سندھی ہیں فصاحت سے بات کرنا تو کجا، ان کی زبان میں ایسی گرہ تھی کہ سننے والا ان کی بات سمجھ نہ سکتا۔ باوجود اس کمی کے وہ بدیہہ گوئی میں نہایت باکمال تھے۔

جواب اور اعتراض دونوں میں بروقت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ اموی اور عباسی

دونوں امراء کے مداح تھے۔ دیوان حماسہ میں ان کے نوادر قطعات ملتے ہیں ؎

۱۔ ذکرتك والخطی یخطر بیننا　　وقد نهلت منا المثقفة السمر

۲۔ فوالله ما ادری وانی لصادق　　اداء عرانی من حبابك ام سحر

۳۔ فان کان سحراً فاعذرنی عن الهوی　　وان کان داء غیره فلك العذر

ترجمہ ۱: میں نے تجھے اس وقت بھی یاد کیا جب ہمارے درمیان خطی نیزے کھنکھا رہے تھے اور ایک گندم گوں سیدھے نیزے نے میرا خون چوس لیا تھا۔

۲: واللہ! میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ یہ درد میری محبت کی وجہ سے ہے۔ تیرا دیا ہوا ہے۔ یا جادو ہے۔

۳: اگر یہ درد جادو ہے تو میرا محبت کرنا، معاف کیجئے۔ اور اگر جادو نہیں تو تو معذور ہے اور یہ میرا ہی قصور ہے۔

ابن ھبیرہ پر جب خلیفہ منصور نے واسط میں امان دینے کے بعد قتل کرا دیا۔ اس کے یہ اشعار ہیں۔

۴۔ الا ان عینا لم تجد یوم واسط　　علیك بجاری دمعها لجمود

۵۔ عشیة قام النائحات وشققت　　جیوب بایدی ماتم وخدود

۶۔ فان تمس مهجور الفناء فربما　　اقام به بعد الوفود وفود

۷۔ فانك لم تبعد علی متعهد　　بلی کل من تحت التراب بعید

چونکہ ان کی بات سمجھی نہ جا سکتی تھی۔ اس لیے سلیمان بن سلیم کلبی کے لیے اس نے کہا ؎

۸۔ اعوذ تمنی الرواة یا ابن سلیم　　وابی ان یقیم شعری لسانی

۹۔ وغلا بالتی اجمجم صدری　　وجفانی لعجمتی سلطانی

۱۰۔ واذ درتنی العیون اذ کان لونی　　مالکا مغتوی من الالوان

۱۱- فضربت الامور ظہر البطن	کیف احتال حیلۃ للبیان
۱۲- وتبغیت انی کنت بالشعر	فصیحاً وکان لبعض بیانی
۱۳- ثم اصبحت قد انخت رکابی	عند رحب الفناء والاعطان
۱۴- فاطعی ما تضیق عنہ رواتی	لفصیح من صالح الغلمان
۱۵- یفہم الناس ما اقول الشعر	فان البیان قد اعیانی!
۱۶- واعتمدنی بالشکر یا ابن سلیم	فی بلاد وسائرا لبلدانی!
۱۷- ستری فیہم قصائد غر	فیل سباقۃ بکل اسانی[1]

۱۹- اسرائیل ابن موسیٰ البصری

اسرائیل بن موسیٰ بن ابو موسیٰ بصری۔ نزیل ہند۔

از تبع تابعین۔ انہوں نے حسن بصری، ابوحازم اشجعی و محمد ابن سیرین ابن وہب بن منبہ سے روایت کی اور ان سے مندرجہ ذیل حضرات یعنی سفیان ثوری۔ ابن عیینہ، حسین بن جعفی اور یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کی۔

روایت میں ان کا درجہ ناقدین میں سے ابوحاتم نے ان کی توثیق کی۔ امام بخاری نے ان کی ایک حدیث کو چار ابواب میں بیان کیا ہے۔ وہ طبقہ سادسہ میں سے ثقہ ہیں۔ ابن حجر نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں فرمایا کہ اسرائیل کو ابن معین اور ابوحاتم نے ثقہ کہا۔

نیز ابوحاتم نے لاباس بہ[1] بھی ان کے لیے فرمایا۔ امام نسائی نے بھی ان کے

---

[1] جارحین کے نزدیک ثقہ، صدوق، لین، لاباس بہ راوی کے ثقہ ہونے کے لیے کہا جاتا ہے۔

لیسے لاباس فرمایا۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا اور کہا کہ وہ ہندوستان جایا کرتے تھے۔

ثوری نے کہا "فیہ لین" اور یہ وہ شخص نہیں جن سے وھب بن منبہ نے روایت کی۔ (یا ثوری سفیان نے) یہ اسرائیل تو شیخ بھائی ہیں۔ سفیان ثوریؒ اور ان کے درمیان کی ناقدین فنِ رجال نے تعریف کی ہے۔ البتہ سمعانی نے انساب میں ان کا ذکر کیا ہے کہ اسرائیل ابو موسیٰ بن موسےٰ ہندی سے ابن عیینہ اور یحییٰ ابن سعید القطان اور حسین نے روایت کی ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے انہیں حسن بصری کا صاحب بتایا ہے۔

۲۰۔ بسطام بن عمرو تغلبی

اپنے حقیقی بھائی ہشام بن عمرو کے ساتھ خلیفہ منصور عباسی کے دور میں ہندوستان وارد ہوئے۔ اور اپنے بھائی کے حکم سے کئی سال تک منصورہ کے ڈپٹی کمشنر ہوئے۔ اور جب ان کا بھائی ہشام بغداد لوٹ گیا۔ تو انہیں سندھ کے تمام شہروں کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ ہشام ۱۵۷ھ میں رحلت کر گیا۔

جب پر منصور نے بسطام کو معزول کر کے معبد بن خلیل کو ہندوستانی علاقہ پر گورنر مقرر کر دیا مگر معبد نے ۱۵۹ھ میں انتقال کیا ادھر منصور کی جگہ مہدی نے زمامِ خلافت سنبھالی اور اس نے روح ابن حاتم کو اس ملک کا گورنر مقرر کر دیا۔

۲۱۔ تمیم بن زید العتبی

تمیم، جنید بن عبد الرحمٰن المری کی جگہ پر ہشام بن عبد الملک خلیفہ اموی کے عہد ۱۱۱ھ میں مقرر ہوئے۔ جنید کمزور اور سست آدمی تھے۔ انہوں نے نہر دیبل

کے قریب ایک تالاب میں ڈوب کر انتقال کیا۔ اس تالاب کا نام جوامیس تھا۔
تمیم اہل عرب میں بہت سخی مرد تھے۔ انہیں بیت المال میں ۱۸ لاکھ درہم ملے۔ جو انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے تقسیم کر دیئے۔ ان کے لشکر میں قبیلہ یربوع کا ایک شخص خنیس نامی تھا جس کی ماں قبیلہ طے میں سے تھی۔ وہ بھی ہندوستان میں آئی۔ وہ اپنے بیٹے کی جدائی سے بہت متاثر تھی۔ اس نے فرزدق شاعر سے کہا کہ تمیم کی طرف ایسے شعر کہہ کر بھیجو کہ ان کے اثر سے خنیس کو میرے پاس پہنچا دے۔ فرزدق نے تعمیل کی اور تمیم نے خنیس کو اس کی والدہ کے پاس بھجوا دیا۔

۲۲۔ جُنیدبن عبدالرحمٰن المُری

جنید بن عبدالرحمٰن بن محمود بن حارث بن خارجہ بن سنان بن ابی حارثہ المرّی۔ دنیا کے بہت بڑے سخی تھے۔ امیر عراق محمد بن حمیرہ نے انہیں سندھ کی گورنری پر مقرر کیا۔ پھر ہشام بن عبدالملک خلیفہ اموی نے انہیں لغتینات کیا اور جب ہشام بن خالد بن عبداللہ القسری عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے ۱۰۷ھ میں جنید کو مکاتبت کے لیے کہا۔ اس پر جنید دیبل میں آیا۔ مگر جب وہ مہران ندی کے کنارے پہنچے تو راجہ کے بیٹے جے سنگھ نے انہیں ندی عبور کرنے سے روک دیا۔ اس پر جنید نے جے سنگھ سے کہا۔ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ ہم میں سے ایک مرد صالح یعنی عمر بن عبدالعزیز نے ان شہروں پر عامل مقرر کیا ہے۔ ہم تم سے پناہ نہیں چاہتے تاہم دونوں ایک دوسرے سے بدگمان تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مطمئن رکھنے کے لیے ضامنوں کا تبادلہ کیا۔ اب جنید نے جے سنگھ سے خراج طلب کیا۔ مگر اس نے انکار کر دیا

حتی کہ جے سنگھ کھلم کھلا باغی ہو گیا۔ اس نے جنید سے محاربہ کیا (اور بعض

کے نزدیک جنگ کی نوبت نہ آئی) لیکن جنید نے اس سے ہرجانہ طلب کیا۔ ادھر جنید اور ادھر جے سنگھ دونوں نے اپنی اپنی فوجیں اتارنے کے لیے کشتیاں فراہم کرنی شروع کر دیں۔ جے سنگھ نے مسلمانوں کے چند سپاہی گرفتار کر لیے۔ اس پر لڑائی ٹھن گئی۔ جے سنگھ نے شکست کھائی اور گرفتار ہو کر حوالۂ جلاد ہوا۔ یہ سانحہ دیکھ کر اس کا بھائی ججّ نام خلیفہ کے پاس عراق روانہ ہو گیا۔ جنید نے یہ معلوم کر کے اسے بہلا کر واپس بلا کر قتل کرا دیا۔ اب جنید نے شہر کیرج جس کا دوسرا نام جے پور تھا۔ (مگر موجودہ جے پور نہیں) پر حملہ کیا۔ یہاں کے باشندے دروازے بند کر کے شہر میں بیٹھ گئے۔ جنید کے پاس ایک توپ کلش نام کی تھی۔ جو فصیل کو شق کرنے کے لیے استعمال کی جاتی اس توپ سے فصیل میں بڑا سوراخ کر لیا گیا۔ فوج شہر میں در آئی۔ باغی تہ تیغ ہو گئے کچھ سرکش قید کر لیے گئے۔ اور مال غنیمت کے طور پر سمیٹ لیا گیا۔ یہ شہر محمد بن قاسم کے عہد میں سرنگوں ہو چکا تھا۔ مگر اب یہاں کا سربراہ بغاوت پر اتر آیا۔ اور سے ع

مل گئی اسے دل کھٹکے کہ کفرانِ نعمت کی سزا۔

تب جنید علاقہ گجرات کے ان شہروں کی سرکشی دور کرنے پر متوجہ ہوا!

بھڑوچ۔ مانڈل۔ دھبنج متصل نہروالہ وغیرہ

وہ کہا کرتا تھا کہ جنگ کے موقع پر ضبط و تحمل کی بجائے قتل و غارت بہتر ہے۔ خود اس نے آزین کا رخ کیا اور حبیب ابن مرہ کو ایک لشکر دے کر مالوہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے آزین کو تاراج کر کے ہرمند پر حملہ کیا۔ اس کے باغات تباہ کر دیے۔ شہر بیلمان اور جرز دونوں فتح کر لیے۔ اس یلغار میں جنید نے اس مال سے بہت زیادہ حاصل کر لیا جو ۴۰ ہزار درہم اس نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ خیرات میں تقسیم کر دیے تھے۔

بلکہ اس سے دو چند (مال)!

جس پر جریر (شاعر) نے کہا ؎

اصبح زوار الجنید و صحبہ

یحیون صلت الوجہ جما مواہبہ

(جنید کے ملنے والے اور اس کے ہمراہی مبارک کے لائق ہیں۔ کیونکہ وہ سدا خوش و خرم اور سخاوت پیشہ ہے۔)

اسی قسم کے مدحیہ اشعار جویرہ (شاعر) نے بھی کہے۔

بروایت ابن اثیر (در کتاب کامل) " جنید نے خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی بیگم ام حکیم بنت یحییٰ بن حکم کے لیے جواہرات کا ایک ہار بھیجا۔ جس ہار نے ہشام تک کو حیران کر دیا۔ تب اس نے ہشام کے لیے بھی ایسا ہی اور ایک ہار تحفۃً بھیجا۔ ہشام نے جنید کو سنہ ۱۱۱ھ / ۷۲۹ء میں خراسان پر عامل کی حیثیت سے بھیجا۔ جہاں اس نے تاتار کے ساتھ کئی جنگیں کیں۔ لیکن جب جنید نے فاضلہ بنت یزید بن مہلب کے ساتھ عقد کیا تو ہشام نے اس پر خفا ہو کے معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ عاصم کا تقرر کر دیا۔ عاصم اور جنید کے درمیان پرانی عداوت تھی۔ باوجودیکہ جنید نے مال و دولت سے اس کا شکم بھر دیا تھا۔

خلیفۂ ہشام نے عاصم کو ٹرھا دیا کہ اگر اس کے بدن میں زندگی کی ذرا سی رمق بھی ہو تو اسے ٹھکانے لگا دینا۔ مگر عاصم نے اسے مردہ پایا۔ عاصم نے جنید کے مقرر کردہ عمارہ بن حریم کو گرفتار کر لیا جو جنید کا عم زاد تھا۔ اور اسے اس کے عمال کے ساتھ خوب تکلیف دی۔

جنید داد و دہش میں سخی اور جنگ میں نہایت سخت دل تھا۔ اس نے سنہ ۱۱۶ھ / ۷۰۴ء میں شہر مرو کے اندر رحلت کی۔

جنید کی موت پر ابوالجویرہ نے مرثیہ کہا کہ

سخاوت اور جنید دونوں زمین کے اندر دفن ہو گئے

شہر مرو کے باشندے پیٹ گھٹنے لگاکر رہ گئے جب

کبوتر نے شاخ پر بیٹھ کر گایا[1]

۲۳- جہم ابن زحر الجعفی

جہم بن زحر بن قیس بن مالک بن معاویہ بن سمنہ الجعفی ابوالاسود حجاج نے اسے شام کے ۶ ہزار عسکری دے کر (فارس) کی طرف بھیجا تاکہ وہاں محمد بن قاسم سے مل کر ہندوستان پر حملہ کر دیا جائے۔ دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ اور ہندوستان کا رخ کر لیا گیا۔ پہلے مکران آئے، وہاں کچھ دن قیام کیا۔ پھر پنج گور آئے۔ اسے فتح کیا۔ اب دیبل پر حملہ کیا اور گھمسان کی لڑائی کے بعد یہ شہر بھی سرنگوں ہو گیا۔ اس موقعہ پر حجاج نے محمد بن قاسم کی طرف خط لکھا کہ اپنی ماتحت فوج سے عراقیوں کو قتیبہ کی طرف بھیجو۔ اس پر ابن قاسم نے جہم بن زحر ابن قیس کو قتیبہ کی طرف بھیجا۔ جہم بھی عراق ہی کے رہنے والے تھے اور انہیں عراقیوں میں سے اہل شام کے لیے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم نے جہم کو یہ مہم سونپ دی اور ان کے ساتھ سلیمان بن صعصعہ کو بھجوا دیا۔ جب جہم سے الوداعی سلام ہوا تو جہم بے اختیار رو دیا۔ ابن قاسم نے کہا اے جہم! واقعی یہ ہم دونوں میں جدائی ہی ہے۔ وہ قتیبہ کے پاس ۹۵ھ/۷۱۳ء میں آئے اور مل کر سازش اور کاشغر پر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ چین تک آ پہنچے۔ اب قتیبہ نے جہم کو سات ہزار کوفی سونپ دیے۔ کچھ مدت بعد سلیمان بن عبد الملک نے حکومت سنبھال لی۔ تب قتیبہ نے جہم کو معزول

---

[1] (طبری در تاریخ الامم والملوک)

کرنا چاہا جس پر ان سے بڑا سخت معرکہ ہوا۔ قتیبہ نے وقتی طور پر بھی لشکر جمع کر لیا۔ اور جب فوج نے خیمہ تک رسائی حاصل کر لی تو اس کے رسّے کاٹ دیئے۔ اس موقع پر جہم نے سعد سے کہا آگے جا بڑھو اور اس کا سر قلم کر دو۔ سعد نے ایسا ہی کیا۔ اس پر حضین بن منذر نے سعد اور جہم دونوں کے متعلق فی البدیہہ اشعار کہے۔ یہ واقعہ ۹۶ھ / ۷۱۴ء میں رونما ہوا۔ اب سلیمان بن عبدالملک خلیفۂ وقت نے یزید بن مہلب کو خراساں پر گورنر مقرر کیا۔ جہم بن زحر یزید کے پاس آگئے۔ اپنے ارادوں کے درمیان قدیم روابط کی وجہ سے۔ اور یزید نے ان کو جرجان کی حکومت تفویض کی۔ جس پر حملہ کر کے انہیں مختلف مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر جب جرجان فتح ہو گیا تو یزید نے جہم کو اس کی تولیت سونپ دی۔ جہم کچھ عرصہ تک اس منصب پر رہے۔ اتنے میں سعید بن عبدالعزیز ابن الحارث بن الحکم بن ابوالعاص خراساں پر گورنر ہو گئے تو جن لوگوں نے یزید بن مہلب کو اپنا والی مقرر کیا تھا۔ سعید ممدوح نے ان لوگوں کو محبوس کر لیا۔ ان میں جہم بن زحر بھی تھے۔ جن کی مرد تہبند کے گدھے پر سوار کر کے تشہیر کی۔ جونہی یہ جلوس فیض بن عمران کے پاس ہو کر نکلا تو فیض نے جہم کی ناک پر نشانہ مارا جس پر جہم نے فیض کو سب دشتم سے نوازا۔ یہ سن کر سعید نے جہم کو دو سو کوڑے مارے اور جہم کو ان کے طرف داروں سمیت ورقا ابن نصر باہلی کے حوالے کر دیا جس نے جہم کو گوناگوں قسم کی تکالیف دینے کے بعد قتل کرا دیا[۱]۔ یہ واقعہ ۱۰۲ھ کا ہے۔

۲۴- جلیب بن مہلب العتکی

جلیب بن مہلب ابن ابوصفرہ العتکی، دولتِ امویہ میں ایک اعلیٰ منصب

---

[۱] بحوالہ تاریخ الامم والملوک

پر فائز تھے اور جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حکومت کی عنان ہاتھ میں لی تو انہوں نے حبیب کو ۹۶ھ/۱۴ء میں سندھ کا گورنر مقرر کر دیا۔ جب وہ سندھ وارد ہوئے اور ہندوستان کے بادشاہ اپنے اپنے علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ ان میں سے جے سنگھ ابن داہر شہر برہمنا میں آ گیا تب حبیب نے مہران ندی کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ شہر الرور کے باشندوں نے یہ دیکھ کر اطاعت کا قبالہ پیش کر دیا اور جو لوگ ان میں سے بھاگ گئے حبیب نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اسی دوران ۹۹ھ/۱۷ء میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے داعی اجل کو لبیک کہا اور عمر بن عبدالعزیز نے مسند خلافت کو زینت بخشی۔[۱]

۲۵- حکم ابن عوانہ الکلبی

عہد ہشام ابن عبدالملک خلیفہ اموی ۲۱ء نے تمیم بن زید العتبی کی رحلت کے بعد حکم مذکور کو سندھ پر عامل مقرر کر دیا۔ اس وقفہ میں ریاست کچھ گجرات کے سوا تمام ماتحت علاقے باغی ہو گئے۔ جس سے مسلمانوں کے لیے کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ رہی۔ تب سمندر کے قریب ایک نیا شہر محفوظہ کے نام سے آباد کیا جو مسلمانوں کے لیے مامن بن گیا۔

اس لمحہ میں عمرو بن محمد بن قاسم ثقفی حکم کا معاون تھا۔ وہ حکم کو ضروری امور تفویض کرتا رہا تب حکم نے محفوظہ میں رہ کر کافروں سے جہاد کیا اور جب عمرو بن محمد بن قاسم محفوظہ میں حکم کے ہاں آیا اور اسے فتح یاب پایا۔ تو حکم نے دریائے سندھ سے ادھر ایک اور شہر کی بنا رکھی جس کا نام اس نے منصورہ تجویز کیا۔ جس کی تعمیر کے بعد عمّال حکومت اسی شہر میں قیام کرتے۔ حکم نے تمام بستیاں دشمن کے قبضہ سے نکال

---

[۱] کامل ابن اثیر

ہیں۔ رعایا ان کی تولیت پر خوش تھی۔ ان دنوں خالد بن عبداللہ قسری عراق کے امیر تھے وہ حکم کے کارنامے سن کر کہا کرتے، عجیب معاملہ ہے، عرب کے نوجوان سخی کی تولیت! اس سے خالد کی مراد تمیم (نمبر ۲۱) تھے جس کو انہوں نے ٹھکرا دیا اور تو نے یہ تولیت عرب کے بخیل ترین شخص کو تفویض کر دی تو وہ اس پر راضی ہو گئے۔ حکم سرزمین سندھ ہی میں ۱۲۲ھ/۷۴۹ء میں قتل ہوا۔

۲۶۔ حمیم بن سامہ السامی

یہ محمد بن حارث علافی (نمبر ۱) کے رفقاء میں تھے انہی کے ہمراہ سندھ آئے! دھر کی امان میں رہنے لگے اور "ارور" شہر میں سکونت اختیار کر لی اور جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کر لیا تو یہ برہمنا آباد میں داھر کے بقیۃ السیف بیٹے جے سنگھ کی پناہ میں آ گئے۔ جے سنگھ جب کشمیر روانہ ہوا تو یہ بھی ان کے ہمرکاب تھے اور جب راجۂ کشمیر نے جے سنگھ اور اس کے خدماء کو جاگیر عطا کی تو یہ اپنے آقا کے شریک حال تھے۔

جے سنگھ مر گیا تو حمیم کے سوا کوئی اس کا وارث نہ تھا۔ حمیم نہایت عمدگی کے ساتھ اس کی اولاد میں جاگیر کی آمدنی تقسیم کرتے یہ سلسلہ یکے بعد دیگرے کئی صدیوں تک جاری رہا۔

۲۷۔ ربیع ابن صبیح السعدی

الشیخ المحدث ربیع ابن صبیح السعدی ابوبکر یا ابوحفص بصری مولیٰ بنی سعد بن زید مناۃ، صاحب روایت تھے (جو حدیث کی روایت کرتے ہیں) انہوں نے مندرجہ ذیل اصحاب روایت سے حدیث بیان کی۔

حسن بصری نے۔ حمید الطویل سے۔ یزید ابان سے۔ ابو الزبیر اور ابو غالب صاحب ابو امامہ و ثابت بنانی و مجاہد بن جبیر وغیرہم سے اور ربیع سے ان حضرات نے روایت کی یعنی!

سفیان ثوری۔ وکیع۔ ابن مہدی۔ ابو داؤد۔ ابو داؤد طیالسی۔ آدم بن ایاس۔ عاصم بن علی وغیرہ اکثر حضرات نے۔

ربیع مرد صالح۔ صدوق۔ عابد اور مجاہد تھے۔ چند ناقدین نے انہیں ضعیف راوی کہا۔ مگر ابن عدی کے نزدیک وہ مرد صالح اور بے عیب ہیں۔ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی۔ امید ہے کہ ان کی روایات میں کوئی نمارست "لاباس بہ" نہ ہوگا۔

کتاب الضعفا میں لکھا کہ "ربیع بصری سادات المسلمین میں سے ایک فرد تھے۔ عجلی نے ان کے لیے "لاباس" بھی کہا۔ گر فلاس نے انہیں "لیس بالقوی" سے یاد کیا اور لیس بالقوی ضعف کی سند میں سے ہے۔ اسی طرح حاکم نے "لیس بالمتین" سے ان کو یاد کیا۔ اور یہ جملہ بھی ضعف ہی کے لیے ہے۔ بخلاف ان کے بشر بن محمد نے شعبہ کی زبان سے روایت میں ان کی عظمت بیان کی۔ ابن حبان نے فرمایا کہ ربیع بڑے عبادت گذار اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ رات کے وقت ان کا شب باشی کا مکان کثرۃ التہجد کی وجہ سے شہد کی مکھیوں کی سی گونج سے معمور ہوتا۔ مگر حدیث میں روایت ان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ اس مہم میں محنت تو بہت کرتے۔ مگر ان کی روایات میں مناکیر پیدا ہو جاتے جنہیں وہ محسوس نہ کر سکتے اور مجھے بھی ان کی روایت سے استدلال پسند نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ منفرد ہو۔

مزی مہری مولف کتاب الفاصل (در اصول حدیث) نے انہیں بصرہ میں اسلام کا پہلا مصنف تسلیم کیا اور علامہ چلپی بھی اپنی تالیف "کشف الظنون" میں ان کے ہم آواز ہیں

لیکن بعض اہلِ علم کو اس بارے میں اختلاف بھی ہے ۔ یہ گروہ امام عبدالملک بن عبدالعزیز کو مسلمانوں کا پہلا مصنف تسلیم کرتے ہیں ۔ بعض کے نزدیک ابوالنضر سعید بن عروبہ کو یہ مقام حاصل ہے ۔ جیسا کہ خطیب بغدادی ہیں ۔ دوسرا مصنف سفیان بن عیینہ کو بتایا گیا ۔

پھر مدینہ منورہ میں موطا امام مالک بن انس کی تبلیض ہوئی ۔ تو یہ تیسرے مصنف ٹھہرائے گئے ۔ ان کے بعد مصر میں عبداللہ بن وھب نے موطا مرتب کیا اور یمن میں معمر بن راشد اور عبدالرزاق دونوں نے اپنی اپنی روائت سے موطا مدون کیا ۔ کوفہ میں سفیان ثوری اور محمد ابن فضیل بن غزوان نے بھی موطا اپنی اپنی روایئت سے جمع کیا ۔ بصرہ میں حماد بن سلمہ اور روح بن عباد نے یہ مہم سر کی ۔ واسط میں ہشیم اور عبداللہ بن مبارک نے خراسان میں موطا کی لتسوید کی ۔

ربیع کی سندھ میں آمد بقول طبری وہ عبدالملک بن شہاب کے ہمراہ جو بصرہ کے مطوعین میں سے تھے ۔ سندھ میں غزا کے لیے آئے اور مغنی کی روایت کے مطابق ۱۶۰ھ میں وفات پائی ۔

۲۸ ۔۔ سفیح بن عمرو تغلبی

سفیح اپنے بھائی ہشام بن عمرو کے ساتھ سندھ تشریف لائے ۔ ہشام نے انہیں ایک گشتی دستہ دے کر بھیجا ۔ اس سرگشت میں سفیح نے دور سے ایک غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو اسے عبداللہ بن محمد علوی (۲۸) ایک دستہ کے ساتھ ملے ۔ جو مہران ندی کے کنارے تفریح کر رہے تھے ۔ سفیح ان سے متعرض ہونے پر کمربستہ ہو گئے تو ان کے ماتحتوں نے کہا ۔ ایسا نہ کیجیے ۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں ۔ پھر آپ کے بھائی ہشام نے بھی ان سے عمداً تعرض نہیں کیا کہ مبادا ان کے قتل

سے میرا ٹھکانہ جہنم میں ہو۔ سفیح نے کہا میں تو اس سے مواخذہ کرنے میں تامل نہ کروں گا اور نہ کسی اور کو اس بارے میں حصہ لینے دوں گا کہ وہ اسے شہر منصورہ کے قریب گرفتار کرے یا قتل ا عبداللہ بن محمد نے ممدوح کو موت کے گھاٹ اتار ہی دیا گیا (یہ قصہ طویل ہے جس کا خلاصہ عبداللہ بن ممدوح نمبر ۲۹ اور اس کے بھائی ہشام کے حالات میں سپرد قلم کیا گیا۔)

۲۹

عبداللہ بن محمد علوی جد بن مؤلف سیّد عبدالحیٔ صاحب

نفسِ زکیہ ہمارے مورث اعلیٰ عبداللہ ابن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی ابن ابوطالب ہاشمی قریشی مشہور بہ عبداللہ اشتر بن محمد نفس زکیہ ابن عبداللہ محض ہیں۔ یہی اہل بیت نبی میں سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں پروان چڑھے منصور خلیفہ عباسی کے عہد میں ہندوستان وارد ہوئے۔ ان کی یہاں تشریف آوری کا سبب یہ تھا کہ جب ان کے والد محمد بن عبداللہ خلیفہ منصور کے پاس گئے تو خلیفہ نے انہیں بصرہ بھیج دیا۔ جہاں سے انہوں نے چند اونچے لمبے گھوڑے خرید لیے تاکہ یہ عمر بن حفص جتکی (م ۱ ۳) کے تقریب کا سبب ہو سکیں جو اس وقت میں سندھ کے گورنر تھے اور شہر منصورہ میں ان کا قیام تھا۔ ابن حفص نے خلیفہ منصور کے ندمائے حکومت میں سے محمد کی بیعت بھی کی ہوئی تھی اور شیعی مسلک پر بھی گامزن تھے۔

عبداللہ ابن محمد علوی یہ گھوڑے اپنی رکاب میں لے کر سمندر کی راہ سے سندھ روانہ ہوئے۔ عمر ممدوح نے سنا تو ان سے گھوڑے دکھانے کا مطالبہ کیا۔ محمد کے ہمراہیوں میں سے ایک صاحب نے گورنر عمر سے کہا:۔

انا جئناك بما هو خير من الخيل و بمالك فيه خير من الدنيا والاخرة۔

(ہم تمہارے لیے وہ کچھ لائے ہیں جو نہ صرف ان گھوڑوں بلکہ تمہارے اموال اور دنیا و آخرت سے بہتر ہے)

آپ ہمیں امان تو دیں پھر آپ ہمارا آوردہ تحفہ قبول کریں یا نہ کریں۔ مگر ہمارا راز ظاہر نہ ہونے دیں اور ہمیں تعذیب سے دوچار نہ کریں۔ یہاں تک کہ ہم آپ کے ماتحت علاقے سے چلے جائیں۔

عمر نے انہیں امان دی۔ تب آنے والوں نے عمر سے اپنا اور عبداللہ بن محمد کا حال من و عن بیان کیا۔ جن کے والد حسن نے انہیں ان عمر بن حفص کے پاس بھیجا تھا۔ عمر نے یہ ماجرا سن کر انہیں مرحبا کہا اور عبداللہ بن محمد کی بیعت کی۔

عبداللہ ممدوح کچھ مدت تک ان کے پاس چھپے پڑے رہے۔ اس دوران میں عمر بن حفص نے اپنے معتمدین کو جمع کر کے ان آنے والے کا حال بیان کر دیا۔ اور ان سب کو ان کے اہل بیت سمیت محمد بن عبداللہ کی بیعت کے رلقہ کا پابند کرا دیا۔

عمر نے ان اہل بیت کے نشان سفید علموں کی صورت میں بنوائے اور ان سب کے لیے پوشاک بھی سپید ہی سلوائی تاکہ وہ اس سفید پوشاک میں خطبہ پڑھیں۔ اور خطبہ کے لیے جمعرات کا دن خاص کیا۔ اسی دوران میں ایک عجیب سی اسواری پر عمر بن حفص کی بیوی کا قاصد اس کا ایک خط لے کر آیا۔ جس خط میں محمد بن عبداللہ کے قتل کر دیے جانے کی سناونی تھی۔ اس نے عبداللہ کو یہ خبر سنا دی۔ عبداللہ نے سنتے ہی کہا کہ ہمارا راز فاش ہو گیا ہے۔ اب ہمارا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ یہ سن کر عمر نے کہا۔ میری یہ رائے ہے:۔

اس نواح میں جو ایک بہت بڑا ہندو راجہ ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی تنظیم میں بے حد سرگرم ہے۔ میں آپ لوگوں کے متعلق اس راجہ سے بات چیت کرتا ہوں اگر اس نے مان لیا تو آپ کو اس کے سپرد کردوں گا۔ وہ مسلمانوں کے خلیفۂ وقت کے اثر میں بھی نہیں۔

اور عمر نے راجہ سے یہ معاملہ طے کر کے عبداللہ کو ان کے ہمراہیوں سمیت راجہ کے ہاں بھجوا دیا۔ راجہ نے نہایت خلوص سے اس قافلہ کا استقبال کیا اور ان کی تواضع میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

اُدھر جب زیدیہ نے یہ سنا تو وہ بھی رفتہ رفتہ یہاں آنے لگے۔ ان کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ گئی۔ یہ سب لوگ اماثل اقران تھے۔ ان کے آجانے پر عبداللہ نے بادشاہوں کے سے ٹھاٹھ بنائے۔

وہ سواری پر بیٹھ کر نکلتا اور شکار کھیلتا رہتا۔ جب وہ منصور کے پاس پہنچا۔ تو اس سے باتوں باتوں میں سخت کلامی ہوگئی۔ عبداللہ نے یہ واقعہ عمر بن حفص کو لکھ بھیجا۔ اس نے اپنے لوگوں کو یہ خط سنا کر کہا:

"اگر میں معاملہ طے کرلوں تو خلیفہ مجھے معزول کردے گا اور اگر اس کے پاس جاؤں تو وہ مجھے قتل کرا دے گا۔ اور اگر خاموش رہوں تو مجھ سے جنگ پر آمادہ ہو جائے گا"۔

یہ سن کر عمر کے رفقا میں سے ایک نے کہا: آپ یہ قصور میرے ذمے لگا دیں، اور مجھے گرفتار کر کے حبس میں ڈال دیں۔ خلیفہ یہ سن کر مجھے طلب کرے گا، آپ مجھے اس کے پاس بھجوا دیں بلکہ وہ مجھے آپ کی وجہ سے معاف کردے گا۔ وحال اھل بیتك بالبصرۃ - عمر نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا تمہاری رائے کے خلاف عمل میں آئے۔ اس نے جواب دیا: اگر مجھے قتل کرا دیا جائے تو میری جان آپ پر تصدق ہوگی۔

عمر نے اسے گرفتار کر کے حبس میں بند کردیا اور خلیفہ منصور کو اس واقعہ کی خبر بھجوادی۔ خلیفہ نے اسے اپنے ہاں بلوا کر قتل کرا دیا۔ اور ہشام ابن عمرو تغلبی کو

سندھ کا گورنر مقرر کر کے حکم دیا کہ عبداللہ بن محمد کو اس تقرر کی تحریری اطلاع کر دے ہشام نے سندھ کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی تو عبداللہ بن محمد کو یہ تبدیلی ناگوار گزری۔ اس نے لوگوں سے کہا : کہ خلیفہ نے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے ۔ یہاں کی یہ خبریں منصور کو بھی پہنچتی رہیں ۔ اس نے خلیفہ کو دھوکے میں رکھا ۔ اسی دوران میں سندھ کے ایک مقام پر بدامنی ہو گئی جس کے فرو کرنے کے لیے ہشام نے اپنے بھائی سفیح کو بھیجا تو وہ لشکر لے کر کھمبایت کی راہ پر ہو لیا ۔ اس سفر میں اسے دور سے ایک غبار نظر آیا ۔ اس نے اسے دشمن کا ہراول دستہ سمجھ کر اپنا مقدمتہ الجیش اس غبار کی طرف ریل دیا۔

جونہی ذلفین کا آمنا سامنا ہوا کہ یہ محمد بن عبداللہ علوی تھے ۔ جو مہران ندی کے کنارے پر چہل قدمی کر رہے تھے ۔ ہشام نے ان کی گرفتاری کا اپنے دستے کو حکم دیا۔ تو اس کے ساتھیوں نے کہا یہ ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ان سے آپ کے بھائی سفیح کی بھی ایک ایسے موقع پر مڈبھیڑ ہوئی تھی ۔ تو اس نے کہا میں خود ان سے متعرض نہیں ہو سکتا اور نہ کسی اور کو یہ موقعہ دوں گا ۔ تاکہ وہ منصور کے سامنے جواب دہ نہ ہو ۔ اس لمحہ عبداللہ کے مشایعت میں صرف دس ہمراہی تھے ۔ ہشام ان پر پل پڑا ۔ عبداللہ بھی نہ رکے ۔ مقابلہ ہوا تو عبداللہ بن محمد اپنے تمام ہمراہیوں سمیت قتل ہو گئے۔ ان کی لاش شناخت نہ ہو سکی ۔ بعض اہل سیر کے نزدیک ان کا سر لاش سے الفظ کر کے دھڑ دریائے سندھ میں ڈال دیا گیا ۔ اور سر خلیفہ کے پاس بھجوانے کے لیے محفوظ کر لیا ۔ ہشام نے یہ ماجرا منصور کی طرف لکھ بھیجا جس پر اس نے ہشام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے راجہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا ۔

عبداللہ بن محمد علوی نے اس سے قبل جن عورتوں کو گرفتار کر رکھا تھا ان میں سے ایک کنیز کے بطن سے بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد بن عبداللہ رکھا گیا ۔ یہی بچہ بعد میں عبداللہ الاشتر کے نام سے مشہور ہوا ۔

ھشام نے یہ سنا تو اس کی ماں اور باقی کنیزوں کو حراست میں دے کر خلیفہ کے پاس بھجوا دیا۔ خلیفہ منصور نے اس بچے کو مدینہ منورہ میں اپنے گورنر کے پاس بھجوا کر اس کے نسب کی تصدیق کر کے حکم دیا کہ اسے اس کے قبیلہ میں سونپ دیا جائے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۵۱ھ کا ہے۔

(کامل ابن اثیر در متن)

۳۰ عبدالملک بن شہاب المسمعی

سنہ ۱۵۹ھ میں منصور عباسی خلیفہ نے انہیں سندھ روانہ کیا اور ان کی قیادت میں مختلف طبقات کا لشکر جرار متعین کر دیا۔ یعنی

۱۔ لبصری سپاہی ۲ ہزار

۲ مطوعین از مرابطین ۱۵۔سو

۳ حباب بن شامی کی زیر قیادت ایک ہزار

(بروایت ربیع ابن صبیح)

۴۔ اسواری اور سابجین میں سے ۴ ہزار

(یہ عبدالملک کے بیٹے عنان کی قیادت میں تھے)

۵ قرض البصری ۲ ہزار

عبدالواحد بن عبدالملک کی کمان میں مطوعین المرابطین ۱۵۔سو ادھر حباب نمبر ۳ کے بیٹے یزید نے اپنے دوستوں سے کہا تو وہ بھی اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ خلیفہ مہدی نے سامانِ حرب سے ان سب کی امداد کی۔ یہاں تک کہ یہ سب ابوالقاسم محرز بن ابراہیم کے پاس آئے۔ سنہ ۱۶۰ھ میں اس کے مشورے سے دریا کے ذریعے سندھ کے شہر باربد پر وارد ہوئے۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہر ایک مسلمان عسکری

نے باہم دگر جہاد کی تحریض کی۔ محصورین پر عرصہ روزگار تنگ کر دیا۔ بارے اس وقت ۱۶۰ھ میں باربد پہ اللہ نے انہیں فتح دی اور یہ فتح لڑائی سے ہوئی[1]

مفتوحین نے بدھ کی پناہ لی اور اس کے مندر میں جا گھسے۔ جس مندر میں بدھ کا بت نصب تھا۔ مسلمانوں نے یہ مندر بت سمیت جلا کر بھسم کر دیا۔ جس سے بعض پناہ گزین جل کر مر گئے۔ اور باقی تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ مسلمانوں میں سے ۲۸ کے قریب اس واقعہ میں شہید ہوئے اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

اتنے میں دریا (سندھ) ابل پڑا۔ اور فاتحین اس میں سکون آنے تک باربد ہی کے اندر مقیم رہے۔ اس دوران میں ان کے مونہہ میں ایک مرض ابھر آیا۔ جس مرض سے ایک ہزار مسلمان طعمہ اجل ہو گئے۔ ان میں ربیع (۲۷) بن صبیح بھی تھے۔ آخر مسلمان وہاں سے نکل کر جب فارس کے ملحقہ بحرِ حمران کے ساحل پر پہنچے۔ تو پہلی ہی رات کو ایسی آندھی آئی کہ بہت سی کشتیاں ٹوٹ گئیں جن کی وجہ سے کچھ سپاہی سمندر میں ڈوب گئے اور عبد الملک چلتے چلاتے بغداد جا پہنچے۔

۱۶۱ھ میں خلیفہ مہدی بن منصور نے انہیں سندھ پر گورنر مقرر کر دیا۔ جب وہ یہاں آیا تو ممدوح ہی نے ساتویں روز اسے معزول کر دیا۔

---

[1] حدیث میں فتح کے لیے دو لفظ ہیں۔

ا۔ عنوہ۔ لڑکر

ب۔ یہاں لفظ عنوہ ہے۔ عنوہ میں غازیوں کا حصہ ہے۔ مگر ب میں سپہ سالار یا امام کو اختیار ہے۔

۱۳۱- عمر بن حفص العتکی

المعروف بہ

ہزار مرد (از تاریخ سندھ)

عمر بن حفص ابن عثمان بن قبیصہ بن ابو صفرہ - العتکی المعروف بہ ہزار مرد خلیفہ منصور کے سپہ سالار تھے - انہوں نے نفس زکیہ محمد بن عبد اللہ علوی کی بیعت کی تھی - خلیفہ منصور نے انہیں ۱۴۲ھ میں سندھ اور ہندوستان پر گورنر مقرر کیا - یہ جب اس ملک میں وارد ہوئے تو عیینہ (نمبر ۱۳۱) بن موسیٰ تمیمی ان سے الجھ پڑے - مگر انہوں نے عیینہ کو راستے سے ہٹا کر سندھ پر قبضہ کر لیا - اس عرصہ میں عبد اللہ بن محمد علوی (نمبر ۲۹) ہندوستان آئے اور اسی وقفہ ۱۵۱ھ میں خلیفہ منصور نے صاحب تذکرہ عمر بن حفص کو سندھ سے ہٹا کر افریقہ بھجوا دیا تھا - عمر نے قیروان کا رخ کر لیا - (اس کی قیادت میں ۵ - سو سوار تھے) جب وہ قیروان سے باہر پہنچے تو وہاں کے باشندوں پر حملہ کرنے کی بجائے ان کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کیا - اور اس شہر میں مسلسل ۳ سال نہایت سکون کے ساتھ گزارے - آخر یہاں سے الزاب کی جانب کوچ کیا - جہاں خلیفہ منصور کے حکم سے انہیں ایک کچا شہر (مٹی کا) بنانا تھا - قیروان سے روانگی پر محمد نے یہاں حبیب بن حبیب مہلبی کو اپنا نائب مقرر کیا - ان کے جانے سے افریقہ مسلمان فوجوں سے خالی ہو گیا - یہ موقعہ دیکھ کر بربری ادھر دوڑ پڑے - پہلے اہل بربر نے طرابلس کو اپنا کر مرکز بنایا اور پھر قیروان فتح کر کے حاتم اباضی کو اس پر اپنا گورنر مقرر کر دیا - بربریوں کی آمد سے تمام مفتوحہ اسلامی شہروں میں بدامنی پھیل گئی -

عمر نے یہ خبر سنی تو لوٹ کر قیروان کا محاصرہ کر لیا - جس نے اتنا طول کھینچا کہ

منصورین اپنی سواری کے جانور ذبح کرکے کھانے لگے۔ قتال اور حرب روزانہ ہوتا رہا۔ جب عمر اور ان کے ساتھی مایوس ہو گئے تو سب نے دریا میں ڈوب کر خودکشی کا ارادہ کر لیا۔ یہ خبر منصور نے سنی تو اپنا ایک قاصد یہ خط لکھ کر بھیجا کہ میں نے یزید بن حاتم نہلبی کو تمہاری کمک کے لیے روانہ کر دیا ہے۔ جس کی قیادت میں ساٹھ ہزار لشکری ہیں۔ کم قدر سے توقف کرو۔ مگر عمر سے ضبط نہ ہو سکا وہ لڑتا ہی رہا اور لڑتے لڑتے نصف ماہ ذوالحجہ ۱۵۷ھ میں شہید ہو گیا[1]

۳۲۔ عمرو بن محمد بن قاسم ثقفی

عمرو بن محمد بن القاسم ابن محمد بن الحکم بن ابو عقیل ثقفی (یعنی اولین فاتح سندھ و ہند کے لخت جگر) حکم ابن عوانہ (بر ۲۵) جب سندھ پر گورنر مقرر ہوئے۔ تو یہ (عمرو) بھی ان کے شامل حال تھے۔ وہ تمام اہم امور ان (عمرو) کو سونپ دیتے اور انہی کی صواب دید پر عمل کرتے۔ اور جب حکم ممدوح کو (۱۲۲ھ) میں قتل کر دیا گیا تو انہوں نے ملک کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی اور خلیفۂ وقت ہشام بن عبدالملک اموی نے بھی ان سے جواب طلب نہ کیا۔

عمرو نے کافروں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں اور ہمیشہ فتح پائی۔ اسی دوران میں مروان بن یزید بن مہلب بغاوت پر اتر آئے تو عمر نے انہیں گھیر کر قتل کر دیا۔

مگر جب خلیفہ ہشام کا انتقال ہوا اور اس منصب پر یزید بن ولید فائز ہوا تو اس نے عمرو کو معزول کر دیا۔ وہ ۱۲۵ھ میں خلد نشین ہو گئے۔

---

[1] ملخص از کامل ابن اثیر

۳۳ عمرو بن مسلم الباہلی

سنہ ۱۰۰ھ میں امام عمر بن عبد العزیز اموی نے انہیں سندھ و ہند پر گورنر مقرر کیا۔ جونہی وہ یہاں وارد ہوئے۔ تو جملہ راج گان کی طرف انہوں نے مطابق بہ سنت اس مضمون کے ۲۹ دعوتی خطوط بھیجے تھے۔ کہ اگر تم مسلمان ہو کر ہمارے ساتھ شامل رہے تو تمہارا ملک تمہارے قبضے میں رہے گا اور تمہیں دوسرے مسلمان کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ مکتوب الیہم نے عمرو کے مزاج کا حال سنا اور ان کے مذہب کی باتیں معلوم کیں۔ تو اسلام قبول کیا۔ ان میں راجہ داہر کے بیٹے جے سنگھ بھی تھے انہوں نے اپنے ہندوانہ نام بدل کر عربی نام مقرر کر لیے۔ عمرو نے بعض ہندو راجاؤں سے جنگیں بھی لڑیں اور ان میں فتح پائی۔

اس ملک کے نو مسلم راجے عمر بن عبد العزیز اور یزید بن عبد الملک کے عہدوں میں مسلمان رہے۔ مگر جب ہشام بن عبد الملک نے خلافت کی زمام سنبھالی تو یہ سب مرتد ہو گئے۔ ان کے ارتداد کا سبب ہم کسی اور مقام پر لکھیں گے۔

اسی کے بعد سندھ میں بنو مہلب خلیفہ یزید بن عبد الملک کے بعد سندھ بھاگ کر آ گئے۔ تو عمرو بن القاسم انہیں ہلال بن احوز تمیمی کو ان کی طرف ریل دیا۔ ان معرکوں میں ہلال نے مندرجہ ذیل افراد کو قتل کر دیا۔

مدرک ابن مہلب کو قندھار میں۔ اور مفضّل و عبد الملک و زیاد و مروان از بنی مہلب اور معاویہ ابن یزید (ان سب کو)

(بحوالہ فتوح البلدان)

۳۴- عیینہ ابن موسیٰ تمیمی

عیینہ ابن موسےٰ بن کعب تمیمی کے والد موسےٰ خلیفہ سفاح کے عہد حکومت میں انسپکٹر جنرل پولیس تھے۔ کسی وجہ سے موسےٰ کی جگہ مہلب ابن زہیر کا تقرر ہو گیا۔ تو موسےٰ اپنے بیٹے عُیینہ کو ہمراہ لے کر سندھ چلا آیا۔ اور جب موسےٰ سندھ سے روانہ ہوا تو عیینہ کو یہاں اپنی جگہ پر حاکم مقرر کر گیا۔ مگر خلیفہ منصور نے ۱۴۲ھ سنہ ۷۵۹ء میں عیینہ کو معزول کر دیا بایں وجہ کہ اس کے باپ موسیٰ نے مہلب ابن زہیر کو ایسے منصب پر مقرر کر دیا جو انسپکٹر جنرل پولیس کے قریب تھا۔ اور موسےٰ کی رحلت پر مہلب اس منصب پر مسلط ہو ہی گیا۔ مہلب کو خطرہ تھا کہ اگر عیینہ کے پاس گیا تو وہ میرا قصہ سن کر عُیینہ ہی کو اس کے باپ کا عہدہ تفویض نہ کر دے۔ تب مُہلب نے عیینہ کی طرف ایک گمنام خط میں یہ شعر لکھ مارا ؎

فارضك ارضك ان تأتنا
تنم نومة ليس فيها حلم

(تم جہاں ہو وہیں تمہارا رہنا بہتر ہے اور اگر تم ہمارے ہاں آئے تو ایسے نیند سو جاؤ گے جس نیند سے کبھی آنکھ نہ کھلے گی!)

مگر عیینہ حکومت کا باغی ہو گیا۔ یہ خبر خلیفۂ وقت منصور نے سنی تو خود لشکر لے کر روانہ ہوا اور بصرہ کے پل پر پڑاؤ کر کے عمر بن حفص (ہزار مرد نمبر ۱۴) کو سندھ اور ہند کا گورنر بنا کر ادھر روانہ کر دیا۔ عُیینہ نے عمر سے جنگ تو کی۔ مگر کچھ نہ پایا۔ ابن عمر ہزار مرد غالب آ گیا۔[1]

۱؎ تاریخ کامل

۳۵- لیث بن طریف الکوفی

یہ منصور عباسی کے مولی تھے اور مولی غلام ہوتا ہے۔ خلیفہ منصور نے انہیں سندھ پر گورنر مقرر کرکے بھجوادیا۔ یہ مدتوں یہاں رہے۔ اسی دوران ۱۶۵ھ ۷۸۱ء میں سندھ کے جاٹ باغی ہوگئے۔ منصور نے اطلاع پانے کے بعد ایک لشکر جرار جاٹوں کی مزاج پرسی کے لیے بھجوادیا جس نے ان کو سر کرلیا مگر خلیفہ ہارون بن مہدی نے ۱۷۱ھ ۷۸۶ء میں لیث کو معزول کردیا۔

۳۶- محمد بن عبداللہ علوی

(یہ مؤلف غلام سید عبدالحی کے مورث اعلیٰ ہیں)

السید الشریف محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن الحسن ابن حسن بن علی ابن ابی طالب ہاشمی قرشی مدنی المشہور بہ اشتر جو سندھ میں ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (جیسا کہ ان کے والد محمد بن عبداللہ ـــــ کے تذکرہ میں گزرا ہے) اور جب ان کے والد شہید ہوگئے۔ تو سندھ کے عامل ہشام بن عمرو تغلبی نے انہیں خلیفہ منصور عباسی کے پاس بھجوادیا۔ اور اس نے انہیں ۱۰۱ھ ۷۱۹ء میں مدینہ منورہ کے عامل کے پاس اس خط کے ساتھ بھجوادیا کہ یہ صحیح النسب ہیں۔

(بحسب روایت تاریخ کامل)

اور جمال الدین احمد ابن علی داؤدی نے کتاب عمدۃ الطالب میں لکھا کہ شیخ ابوالنصر بخاری نے کہا۔ عبداللہ بن اشتر سندھ میں قتل ہوگئے۔ اور ان کے قتل کے بعد ان کی کنیز اپنے بچے محمد کو لے کر سندھ سے روانہ ہوگئی اور یہ کہ حفص بن عمر المعروف بہ ہزار مرد امیر السندھ نے یہ خط لکھا تھا۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ نسب

کی صحت خط سے کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ واقعہ الوالیقظان اور یحییٰ بن حسن عقیقی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ پھر ابو النصر ممدوح نے فرمایا کہ اس بارے میں اور چھان بین کرنے پر اس بچے کا صحیح النسب ہونا ثابت ہو گیا۔

اور یہ جو جمال الدین نے جعفر صادق کی بات نقل فرمائی ہے تو اس میں یہ خامی ہے کہ امام جعفر سنہ ۱۴۸ھ/۷۶۵ء میں فوت ہوئے۔ اور واقعہ ہے سنہ ۱۵۱ھ/۷۶۸ء کا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا ہی نہ تھا۔

(واللہ اعلم)

محمد بن عبداللہ کی صلب سے ۵ فرزند متولد ہوئے۔

(۱) طاہر۔ (۲) علی (۳) احمد (۴) ابراہیم (۵) حسن اعور الجواد۔ اور محمد کے پس ماندگان میں عبداللہ اشتر بلا اختلاف ثابت ہیں۔ یہ حسن اعور الجواد بنو ہاشم میں مشہور جواد تھے۔ ابو محمد ان کی کنیت تھی یہ قبیلہ طے کے ایک فرد کے ہاتھ سے ۲۵۱ھ قتل ہوئے۔

ابن شعرانی نے اپنی کتاب النسابہ میں لکھا ہے کہ حسن معتز خلیفہ کے زمانے میں قتل ہوئے اور حسن اعور الجواد مندرجہ ذیل چار افراد سمیت زندہ رہے (۱) ابو جعفر محمد نقیب کوفہ۔ (۲) ابو عبداللہ حسین ایضاً نقیب کوفہ۔ (۳) ابو محمد عبداللہ (۴) قاسم شعرانی مذکور نے ابو العباس احمد بن حسن اعور الجواد کا بھی ان میں ذکر کیا ہے۔ نیز یہ کہ حسن اعور الجواد کے عقب میں مندرجہ ذیل تین افراد رہ گئے (۱) علی (۲) قاسم (۳) (احمد) جیسا کہ عمدۃ الطالب ——— میں بیان ہوا ہے۔

ان میں سے قاسم بن عبداللہ بن الحسن الاعور بن محمد بن عبداللہ اشتر کے پس ماندگان میں بے شمار اچھے افراد پیدا ہوئے۔ ان میں شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد بن یوسف بن علیٰ ابن حسن بن الحسین بن جعفر بن قاسم المتوفی در شہر

مدینہ در سنہ ۱۱۶ھ / ۷۲۸ء جو ہمارے مولف مرحوم کے مورثوں میں سے تھے اور جن کا تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بعد میں کریں گے۔

۳۷ - مروان ابن یزید مہلبی

جو خلیفہ یزید بن عبدالملک علوی کے زمانۂ خلافت میں بھاگ کر سندھ میں آنکلے۔ اور عمرو بن محمد بن قاسم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ جس کی پاداش میں عمرو نے انہیں قتل کر دیا۔ یہ واقعہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں رونما ہوا تھا۔

۳۸ - معبد بن خلیل تمیمی

سنہ ۱۵۷ھ / ۷۷۳ء میں خلیفہ منصور نے انہیں سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ جب یہ خراسان پہنچے تو منصور نے ایک تحریری فرمان میں انہیں وہاں کی تولیت تفویض کر دی۔ معبد وہاں سے سندھ روانہ ہوئے اور جو مقامات تاہنوز فتح نہ ہوئے تھے انہیں سرنگوں کر لیا اور سنہ ۱۵۹ھ / ۷۷۵ء میں خلیفہ مہدی بن منصور کے زمانہ میں سندھ ہی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۳۹ - مغلس العبدی

انہیں عبدالرحمٰن بن مسلم (ابو مسلم خراسانی) نے سندھ کا گورنر بنوا کر بھجوایا۔ طخارستان انہوں نے فتح کیا اور چلتے چلتے سندھ میں منصور ابن جمہور کلبی کے قریب جا پہنچے۔ منصور نے ان سے لڑائی ٹھان دی۔ ان کا لشکر بھاگ نکلا اور یہ قتل ہو گئے۔ (سنہ ۱۴۲ھ / ۷۵۹ء میں یہ واقعہ رونما ہوا)

۴۰ منصور ابن جمہور کلبی

منصور ان چھ افراد میں سے ہیں جنہوں نے ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ اموی کو قتل کیا۔ ولید کے باپ یزید نے ۱۲۶ھ/۷۴۳ء میں انہیں عراق کا گورنر مقرر کیا تھا منصور اہل دین میں سے نہ تھا اس نے خلیفہ یزید کی ماتحتی اس لیے گوارا کرلی کہ دونوں غیلانیہ کے بارے میں متحد الرائے تھے۔ منصور یزید کو اس کے فسق و فجور کی وجہ سے قتل کرانے میں شریک تھا۔ جب یزید نے منصور کو عراق پر عامل مقرر کر دیا تو اس سے کہا کہ میں ولید کے قتل کرانے پر اس لیے آمادہ ہوگیا کہ وہ مرد فاسق تھا اور لوگوں کے قتل کرنے میں بھی اسے تامل نہ تھا۔ اے منصور! مبادا! تم ولید جیسی عادات اختیار کرلو! منصور مختصر سی مدت تک عامل رہا تا آنکہ یزید نے اسے پہلے ہی سال میں معزول کر دیا۔ اسی اثنا میں عراق میں کئی قسم کے فتنے فسادات بھڑک اٹھے۔ تب منصور نے سوچا مبادا ان فتنوں کی وجہ سے میں مارا جاؤں۔ وہ اپنے بھائی منظور (نمبر ۴۱) کے ہمراہ ۱۲۷ھ/۷۴۴ء میں سندھ چلا آیا۔ وہاں کے عامل یزید بن عرار (نمبر ۴۸) سے لڑ کر اسے قتل کر دیا۔ اور خود سندھ کا گورنر بن بیٹھا۔

مگر جب عباسی دور شروع ہوا تو ابو مسلم خراسانی نے مغلس عبدی (نمبر ۳۹) کو سندھ کی سرحد پر گورنر مقرر کرا دیا۔ جس نے طخارستان فتح کر کے سندھ میں آکر منصور کو گھیر لیا۔ لڑائی ہوئی۔ مغلس کا لشکر بھاگ نکلا اور وہ قتل ہوگیا۔

یہ خبر ابو مسلم خراسانی نے سنی تو اس نے موسے بن کعب تمیمی کو علم اور ۱۲ ہزار شمشیر زن اس کی کمان میں دے کر منصور کے خلاف لڑنے کے لیے سندھ بھجوا دیا۔ ایک لشکر دریائے سندھ کے ادھر اور دوسرا ادھر تھا۔ آخر دونوں آمنے سامنے ہوئے منصور اور اس کا لشکر بھاگ نکلا۔ اس کا بھائی منظور قتل ہوا، منصور بھاگتا ہوا صحرا میں

میں جانکلا اور شدّت پیاس سے جان بحق ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ درد شکم کی وجہ سے مرا۔ خلیفہ نے یہ سنا تو اس کے عیال کے لیے سواری کا انتظام کر کے انہیں علاقہ خزر میں بھجوا دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۴ھ/۷۵۱ء کا ہے۔

(بحوالہ کامل ابن اثیر)

۴۱۔ منظور بن جمہور کلبی

یہ منصور مذکور (در نمبر ۴۰) کے حقیقی بھائی ہیں۔ سن ۱۳۰ھ/۷۴۷ء میں ان ہی کے ہمراہ سندھ میں آئے۔ انہی کے شریکِ حال ہو کر لڑائیاں لڑیں اور ۱۳۴ھ/۷۵۱ء میں قتل کر دیے گئے۔ موسیٰ ابن کعب تمیمی (نمبر ۴۲) ان کے قاتل ہیں۔

۴۲۔ موسیٰ ابن کعب تمیمی

انہیں ابو مسلم خراسانی (بعہد عباسیہ) نے عَلَم دے کر سرحد سندھ کی طرف بھیجا۔ تاکہ یہ منصور (نمبر ۴۰) ابن جمہور کلبی سے دو دو ہاتھ کریں۔ موسیٰ خلیفہ سفاح کے دور میں پولیس کا اعلیٰ افسر تھا۔ جب سفاح نے معزول کر کے مہلب بن زبیر کو اس آسامی پر تعینات کیا۔ وہ ۱۴۳ھ/۷۶۰ء میں دس ہزار عسکری اپنی کمان میں لے کر سندھ آئے۔ دریائے سندھ پر دونوں نے دونوں طرف مورچے بنائے۔ آخر دونوں فریق دریا کی ایک سمت پر آکر مقابل ہوئے۔ لڑائی کی منصور بھاگ کھڑا ہوا اور اس کا بھائی منظور جنگ میں کام آگیا۔ منصور بھاگم بھاگ ایک صحرا میں جا پہنچا اور پیاس کی شدت سے جان بحق ہو گیا۔

ادھر موسیٰ نے حکومت کی باگ خود سنبھال لی تھی۔ منصورہ میں آکر وہاں کی مسجد کو اور وسیع کیا۔ مخالفوں نے جنگ کی اور ان پر فتح پائی۔ اب وہ اپنے فرزند

عینیہ کو سندھ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے عراق روانہ ہوا (کامل) اور بروایت طبری ۱۴۱ھ ۷۵۸ء میں آسودۂ لحد ہوا۔

۴۳۔ موسیٰ ابن یعقوب ثقفی

(اس کتاب میں پہلے عالم)

موسیٰ ابن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی۔ فقیہ ۱۹۳ھ ۸۰۸ء میں وقت کے حکمران محمد بن قاسم ثقفی نے شہر اروڑ میں انہیں قضا اور خطابت دونوں عہدے سپرد کیے اور یہ دونوں عہدے ان کی اولاد میں کئی سو سال تک رہے۔ یہ لوگ صدر امام اجل بدر الملتہ والدین سیف السلتہ نجم الشریعۃ القاب سے پکارے جاتے۔

۴۴۔ ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندھی

بقول سمعانی در کتاب الانساب۔ "نجیح فقیہ عالم اور مغازی کی ایک کتاب کے مؤلف ہیں"۔ امام ذہبی نے بھی اپنی کتاب طبقات الحفاظ میں اس کی توثیق فرمائی ہے اور تہذیب التہذیب میں سمعانی نے لکھا ہے کہ نجیح اہلِ مدینہ کی ام سلمہ اور ام موسیٰ بن مہدی کا مولیٰ تھا۔ (اور مولیٰ ہے آزاد کردہ غلام

نجیح صاحبِ روایت ہیں اور ان حضرات سے انہوں نے روایت کی ہے۔

(۱) محمد بن عمر سے (۲) نافع سے۔ (۳) ہشام ابن عروہ سے۔ (۴) موسیٰ بن قیس اور ان سے اہلِ عراق نے روایت کی۔ (۵) ابن منکدر اور ان سے مندرجہ ذیل حضرات نے روایت کی۔ ان کے بیٹے محمد نے۔ (۲) عبدالرزاق نے (۳) ابو نعیم و محمد بن بکار اور منصور ابن ابو مزاحم وغیرہ نے۔

ابو [illegible] غالباً صاحب حلیۃ الاولیا - مترجم) ابومعشر سندھی ہیں۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ مثلاً ان کی روایت ہے کہ ثنا محمد بن قصدب یزید کعب[1] ومات فی ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء اور ان کی نمازِ جنازہ خلیفہ ہارون الرشید نے اسی سن میں پڑھائی۔ جب وہ مسندِ خلافت پر سرافروز ہوئے۔ ابومعشر مقبرہ کبیرہ میں دفن ہوئے۔ آخر میں ان کا حافظہ کچھ بدل سا گیا تھا اور زندگی کے آخری دو سال تک ایک ہی حال پر رہا۔ اب ان کی روایات میں مناکیر بکثرت آنے لگے اور ان سے احتجاج[2] ترک کر دیا گیا۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے "ابومعشر جو قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت کے غلام تھے، انہوں نے اس سے مکاتبت کی تو خلیفہ منصور کی بیٹی ام موسیٰ نے ان کی ولاء[3] خرید لی۔

---

[1] رواۃ حدیث میں یہ وجہ ہر ایک ناقد نہیں سمجھ سکتا۔ یہی سبب ہے کہ بعض احادیث پر ایسے ہی راویوں کی وجہ سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں اہل الرائے اور اہلِ حدیث میں یہاں بھی مناقضہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً الجرح علی امام حنیفہ مولانا شوق نیموی پٹنوی نے لکھا اور بخاری کی صحت کو تار تار کر دیا۔ جس پر مولانا ابوالقاسم بنارس نے قلم اٹھایا تو بخاری کی حمایت میں وہ کچھ لکھا کہ مولانا شوق کو اپنے لکھے پر نادم ہونا پڑا۔ اس بارے میں مقدمہ فتح الباری ابن حجر عسقلانی مافی الباب اتم اور اکمل کتاب ہے ...... من شاء اتخذ الی ربہ سبیلا (مترجم)

[2-3] مکاتبت اور ولاء دونوں غلام اور کنیز کے بارے میں مختص ہیں۔ مکاتبت ہے غلام کا اپنے آقا سے اپنی آزادگی کا مول تول طے کر لینا۔ کہ آپ کو یہ رقم اتنی مدت میں ادا کر دوں گا جس کے بعد وہ غلامی سے آزاد ہو گا۔ اور ولاء ہے غلام کی ذاتی ملکیت۔ جو مکاتبت کی تکمیل کے بعد بھی پہلے آقا ہی کی ہو گی۔ غالباً ابومعشر کی مکاتبت پر ام موسیٰ ہی نے انہیں خریدنا ہو گا اور ولاء خریدنے کا یہی مطلب ہوا۔ (باقی صفحہ ۱۱۵ پر ہے)

یہ جو امام ترمذی نے لکھا ہے کہ انہوں نے سعید بن الحبیب کو نہیں پایا۔ تو میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ سعید مقبری کے بارے میں صحیح ہے کیونکہ معشر نے اول الذکر سے اکثر روایات نقل کی ہیں۔

ان کی روایت کے بارے میں ابن معین انہیں لیس لقوی" اور امام احمد بن حنبل کان بصیراً المغازی مگر والی کے معاملہ میں غیر محتاط فرماتے ہیں۔ ابو زرعہ کے نزدیک صدوق ہیں اور امام نسائی کے نزدیک بھی "لیس[1] بالقوی" ہیں۔

مؤلف مولانا عبد الحئ کی رائے:- نسائی نے اپنی کتاب میں ان کی روایت نقل کی ہے۔ البتہ شیخین نے ان سے روایت نہیں کی۔

اب سوال یہ ہے کہ غلام کے پاس مال منال کہاں سے آسکتا ہے؟ یہ کہ جب وہ آزاد ہوا کمانا شروع کر دیا۔ اب وہ مر گیا۔ اور اس کا وارث کوئی نہ تھا۔ تب اس کا مال و منال اس مالک کو ملے گا جس نے اسے آزاد کیا۔ حدیث میں غلاموں کی آزادگی اور ولاء کا یہ مسئلہ بھی کتنا اقتصادی ہے۔ مگر دشمنان سنت تو یہی کہتے ہیں کہ حدیثیں چار سو سال بعد بنیں!

برین عقل و دانش بباید گریست (مترجم)

[1] لیس بالقوی۔ کان بصیراً بالمغازی۔ لا الیہم الاسناد اور صدوق وغیرہ راویان حدیث کے متعلق وہ اصطلاحات ہیں جن کا ترجمہ تو ہو سکتا ہے مگر مفہوم پوری طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیس کے معنی تو آپ جانتے ہیں "نہیں" کے ہیں۔ لیس جہاں یہ لفظ آجاوے سمجھ لیجیے کہ صاحب اعلیٰ درجے کے راوی نہیں۔ ہماری رائے میں فقہ و حدیث کی اصطلاحات کے بارے میں ایک علیحدہ باب ہونا چاہیے۔

(مترجم)

یہ گورے رنگ کے قد آور سے منش تھے۔ خلیفہ مہدی جب عراق گئے تو ان کی بارعب وجاہت کی وجہ سے انہیں ہمراہ لے گئے۔ ایک ہزار دینار انہیں دیئے اور حکم دیا کہ میرے ساتھ ساتھ چلو اور گرد و پیش والوں کو فقیہانہ گفتگو سے مستفیض کرتے رہو اور ان کی تصانیف میں کتاب المغازی ہے (بروایت ابن ندیم)۔ رحلت ان کی ماہ رمضان سنہ ۱۷۰ھ ۷۸۶ء میں ہوئی۔

۴۵۔ نصر بن محمد الخزاعی

نصر بن محمد اشعث الخزاعی۔ انہیں خلیفہ مہدی ابن منصور نے سنہ ۱۶۱ھ میں سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ اس سے پہلے وہاں روح بن حاتم گورنر تھے جنہیں معزول کر دیا گیا۔ نصر وہاں گئے تو چند روز بعد خلیفہ موصوف نے انہیں معزول کر کے محمد ابن سلیمان کا سندھ پر تقرر کر دیا۔ وہ خود تو سندھ نہ آئے بلکہ عبدالملک بن شہاب مسمعی کو سندھ بھجوا دیا جو اچانک نصر بن محمد پر ٹوٹ پڑے، پھر انہیں منصورہ سے ۶ فرلانگ پر رہنے کی اجازت دی۔ جس کے بعد نصر بن محمد کو ان کے پہلے منصب تولیت پر مقرر کر کے عبدالملک ۱۸۔ روز کے بعد بصرہ واپس لوٹ آئے اور نصر مستقل طور پر سندھ کے گورنر چلے آئے۔ اور سنہ ۱۶۴ھ ۷۸۰ء میں وہیں انتقال کیا (تاریخ کامل)

۴۶۔ وداع بن حمید ازدی

یزید ابن مہلب نے انہیں سندھ کے شہر قندابیل پر حکمرانی کا پروانہ دیا۔ اور خود یزید مسلمہ بن عبدالملک سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ تو وداع سے کہا میں دشمن سے لڑنے کے لیے جا رہا ہوں اور فیصلہ کن لڑائی کے بغیر لوٹوں گا نہیں۔ اگر میں کامیاب رہا تو خود تمہارے پاس قندابیل میں آؤں گا اور اپنے اہل و عیال کو وہاں کے

قلعہ میں محفوظ کر دوں گا۔ مگر جب یزید ہی مارا گیا تو اس نے آل مہلب کو بصرہ میں طلب کر لیا۔ جو اپنے جمیع مال و منال کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر قندابیل چلے آئے۔

تب اس نے مسلمہ ابن عبدالملک ہلال ابن احوز تمیمی کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا جو قندابیل کے قریب آکر ان تک پہنچے تو وداع نے انہیں شہر میں در آنے سے روک دیا۔ ان کا کاتب ہلال بن احوز تھا جس نے آل مہلب کو وداع کا راز نہ بتایا اور اسی عالم میں ان کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا۔ جب انہیں یہ علم ہوا تو مقابلہ کے لیے صف آرا ہو گئے۔ اس لمحہ وداع میمنہ اور ہلال میسرہ پر تھا۔ یہ دونوں ازدی قبیلہ سے تھے۔ دفعتہً ہلال نے ان کے لیے امان کا علم بلند کر دیا۔ یہ دیکھ کر وداع بن حمید اور عبدالملک بن ہلال ان پر ٹوٹ پڑے۔ پبلک ایک طرف ہو گئی۔ آلِ مہلب اپنی تلواروں کا جوہر دکھاتی رہی۔ یہاں تک کہ دو افراد ابو عُیینہ بن مہلب اور عثمان بن المخفل کے سوا تمام کام آ گئے۔ دونوں نے رتبیل میں ملاقات کی۔ اپنی عورتوں اور بچوں کو مسلمہ کے پاس بھجوا دیا۔

(تاریخ الامم والملوک للطبری)

۴۷ ھشام بن عمرو تغلبی

خلیفہ عباسی منصور نے انہیں سندھ پر گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ واقعہ یوں رونما ہوا کہ ایک روز منصور شہر گشت کے لیے نکلا تھا کہ ہشام نے جو ایک گھوڑے پر سوار تھا منصور کو دیکھ لیا اور خلیفہ نے بھی ہشام کو دیکھ لیا۔ منصور محل میں جا پہنچا تو ہشام نے حاضری کے لیے اطلاع کی اور منصور نے انہیں باریابی کا موقعہ دے دیا۔ ہشام نے عرض کیا۔ ابھی ابھی میری ایک رشتہ کی بہن سے ملاقات ہوئی ہے جو حسن و عقل اور دین ہر ایک خوبی میں اپنی آپ مثال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ کے عقد میں سونپ دوں۔ منصور نے سر جھکا کر فرمایا۔ مجھے ذرا سوچ لینے دیجئے۔ ہشام باہر آگیا تو منصور

نے حاجب سے واقعہ بیان فرمایا۔ اور کہا۔ اگر جریر کا یہ شعر نہ ہوتا کہ

ے لا تطلبن خئولۃ فی تغلب   فالزنج اکرم منھم الاخوالا

تو اپنی محبوبہ قبیلہ تغلب میں تلاش نہ کر۔ ننھیال میں فرنگی ان سے بہتر ہے
تب تو میں ہشام کی یہ بات منظور کر لیتا۔ مگر اب نہیں۔ تم ہشام سے کہو
آپ کی اس پیش کش کا شکریہ۔ فجزاک اللہ خیراً۔ میں آپ کو سندھ کا گورنر مقرر کرتا ہوں
اور حکم دیا کہ وہاں جاکر فوراً (مولف کتاب سید عبد الحئی صاحب کے مورث
اعلیٰ) اشتر یعنی عبد اللہ بن محمد علوی کو گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دو۔ اگر وہ خود کو گرفتار
نہ ہونے دیں تو ان سے مقابلہ میں بھی دریغ نہ کرنا۔

ہشام سندھ آگئے۔ مگر عہدہ سنبھالنے کے بعد انہیں عبد اللہ اشتر پر ہاتھ دھرنا
پسند نہ آیا۔ اس نے یہ اس راجا کی طرف لکھا۔ جس کے علاقے میں اشتر صاحب مقیم
تھے۔ ادھر خلیفہ کو یہاں کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں بتاکید اپنے حکم کی تجدید کی۔
تب ہشام نے اپنے بھائی سفیح کو اس مہم پر مقرر کیا جو اپنا لشکر لے کر کھمبائیت
کی راہ سے نکلا۔ تو دریائے سندھ کے کنارے اس نے غبار اٹھتا ہوا دیکھا۔
ہو نہ ہو عبد اللہ اشتر میری آمد کی خبر سن کر نکل آئے ہیں۔ ذرا دیر بعد دیکھا تو وہی ہیں
دریافت پر ان کے ہمراہیوں نے کہا کہ ہمارے صاحب شکار کے لیے نکلے ہیں۔ آپ
ان کی تکلیف کے درپے نہ ہوں۔ آخر یہ ابن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر سفیح ان
پر پل پڑے اور ان کے ساتھ ان کے ہمراہیوں کو بھی قتل کر دیا۔ اب ان کی لاش ملنا دوبھر
ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ ان کے رفقا نے ان کا سر القط کر کے دھڑ دریا میں بہا دیا ہے۔ ہشام
نے اس واقعہ کی اطلاع تحریراً خلیفہ کو دی جس پر اس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور
انہیں ملک سندھ میں یلغار جاری رکھنے پر مامور کر دیا۔ ہشام نے قریب ہی کے
ایک ہندو راجہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کا علاقہ چھین لیا۔

اور عمرو بن جبل کو لوارج نادنند (مقام) کی طرف جانے کا حکم دیا۔ ہشام نے کشمیر فتح کرکے بے شمار کنیز اور غلام گرفتار کر لیے۔ ملتان بھی سر کر لیا۔ اب اس نے قندابیل کا رخ کیا جس میں بے شمار عرب مغلوب آباد تھے۔ ہشام نے انہیں شہر سے نکال دیا۔ اس کے بعد ایک کشتی میں قندھار پہنچ کر وہاں کا گرجا گرایا اور اس جگہ پر مسجد تعمیر کرادی۔ اس نواح کے شہر بہت بارونق ہوتے گئے۔ باشندوں نے یہ ہشام کی برکت سمجھی۔ اب وہ بغداد آگیا تو سندھ کی گورنری سے معزول کر دیا گیا۔ بغداد ہی میں ۱۵۷ھ / ۷۸۰ء میں سپرد خاک ہوا۔ (کامل ابن اثیر)

۴۸۔ یزید بن عرار

۱۲۵ھ / ۷۴۲ء بزمانہ ولید بن یزید خلیفہ اموی سندھ کے گورنر مقرر ہوئے جب کہ ان کا قیام اسی ملک میں تھا۔ لوگوں پر ان کے حسن اخلاق کا بہت اثر تھا۔ اس نے دشمنوں سے مقابلہ کیا اور گرد و نواح کا علاقہ بھی زیر نگین کر لیا۔ کچھ لوگ اس کی علمداری سے بھاگ نکلے۔ یہاں تک کہ منصور بن جمہور کلبی نے دھاوا کیا جس میں وہ ۱۲۰ھ / ۷۴۷ء میں کام آیا۔

طبقہ ثالثہ

(تیسری صدی کے مشاہیر)

طبقہ ثالثہ

۴۹ - ابوعلی سندھی

مرد معمر ابوعلی سندھی علوم عقلیہ میں ماہر اور معتمد علیہ اشخاص میں تھا۔ ابو یزید طیفور بن عیسی البسطامی ان کی خدمت میں سن ۱۶۱ھ / ۷۷۷ء میں باریاب ہوا اور دونوں ہی مدتوں قرینِ مجلس رہے۔

بقول ابو یزید۔ میں انہیں عقلیات اور وہ مجھے توحید سکھاتے۔

فرماتے ایک روز ابوعلی ہاتھ میں ایک تھیلی لیے ہوئے آئے۔ اور اسے میرے آگے پلٹ دیا۔ یہ تو لعل و جواہرات تھے۔ میں نے دریافت کیا، کہاں سے مل گئے یہ!

فرمایا۔ ملحقہ وادی میں!

کس وقت ملے؟

میں اپنا پہلا کام ختم ہونے کے بعد میں اس طرف آنے کے ارادے سے چل کر وادی میں پہنچا تو ایک چراغ سا جاتا ہوا نظر آیا۔ وہ روشنی انہی جواہرات کی تھی۔ ابو علی نے یہ بھی فرمایا۔

(یہ واقعہ ابو نصر عبداللہ ابن علی السراج الطوسی نے اپنی کتاب اللمع میں نقل کیا ہے)

۵۰۔ ابن دھن ہندی

ہندوستان کے ممتاز اطبا سے تھا۔ بغداد کے اندر برامکہ کا شفاخانہ انہی کے نظم میں تھا۔ انہوں نے طب کی متعدد کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان میں صفوۃ النجح ہے۔ (ابن البشر نے اپنی فہرست میں اس کا ذکر کیا ہے)

۵۱۔ بشر بن داؤد مہلبی

بشر بن داؤد بن یزید ابن حاتم بن قبیصہ بن مہلب بن ابو صفرہ مہلبی ملک سندھ کے گورنر تھے۔ جب ان کے والد کا ۲۰۵ھ/۸۲۰ء میں انتقال ہوا تو یہ اسی ملک میں تھے۔ انہوں نے از خود یہاں کی ولایت سنبھال لی۔ مامون الرشید نے سنا تو انہیں بحال ہی رہنے دیا۔ مگر ان پر سالانہ ایک لاکھ درہم محاصل لاگو کر دیا۔ جس پر بشر نے برسوں عمل کیا۔ پھر یہ باغی ہو گئے اور رقم ادا کرنی بند کر دی۔ تب ۲۱۱ھ/۸۲۶ء مامون نے حاجب ابن صالح کو بھیجا اور بشر نے لڑائی سے بھاگ کر کرمان کا رخ کر لیا۔ تب مامون رشید نے غسان بن عباد کو ۲۱۳ھ/۸۲۸ء میں سندھ کی تولیت پر بھجوا دیا۔ وہ جب یہاں وارد ہوئے تو بشر کرمان سے لوٹ کر ان سے امان کے خواہاں ہوئے اور ان (غسان) کے ہمراہ ۲۱۶ھ/۸۳۱ء میں مدینۃ السلام آئے (کامل ابن اثیر)

۵۴۔ جعفر ابن محمد ملتانی

ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف ابن علی بن ابی طالب القرشی الہاشمی ۔ شہر ملتان ۔ یہ تذکرہ جمال الدین احمد بن علی داؤدی نے اپنی کتاب عمدۃ الطالب میں کیا ہے ۔ انہیں حجاز میں خطرہ نظر آیا تو ان کے نسبی ۱۳۰ افراد سمیت پہلے تو اپنے گھر میں چھپے رہے پھر موقعہ پاکر ملتان آپہنچے ۔ ان کے آنے پر شہر کے باشندے سہم گئے ۔ ان کے طرف داروں کی خاصی جماعت بن گئی ۔ آخر شہر پر قابض ہو گئے اور خود کو بادشاہ کہلانے لگے ۔ ان کے بعد ان کی اولاد در اولاد ۴۳۶ سال تک ملتان پر حکمران رہی ۔ ان کی اولاد میں بقول ابن خداع ۸۴ صاحبزادے تھے ۔ بقول بیہقی یہ ۸۰ تھے ، بقول شیخ شرف آبادی ۵۰۔۶۰ کے لگ بھگ تھی ۔ اور بقول ابوالحسن عمری ۴۰ — ۵۰ کے اندر تھے ۔ ابوالیقظان اس باب میں بہت آگاہ تھے ۔ وہ ان کی تعداد بہت زیادہ بتاتے ہیں ۔

ان میں بادشاہ بھی تھے ۔ علماء بھی تھے ۔ نسابٌ[1] بھی تھے ۔ ان میں اکثر اسماعیلی

---

[1] عربوں کے اندر سندھ و پنجاب کی سی قومیں نہ تھیں ۔ سید ۔ پٹھان ، شیخ ، ارائیں ۔ جٹ اور نہ کمین تھے ۔ وہاں قبائلی تقسیم تھی ۔ قریشی اور ان کی شاخیں ان میں ہاشمی بھی تھے ۔ بنو مخزوم تمیمی ، بجلی ، کلبی ، ثقفی ، عبدی ، عمانی ۔ طائی ۔ علافی ، یمنی وغیرہ ہزاروں اور لکھنے کا رواج نہ تھا ۔ امی ہی جو تھے ۔ نسب یاد رکھنا ضروری تھا ۔ اور یہ بھی ایک فن تھا جس کا تعلق قوت حفظ و اتقان سے تھا یا شاعر تھے ۔ اور انہیں شاعر کا نام محفوظ رکھنا پڑتا ۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی اعلیٰ درجہ کے نساب تھے ۔ ناقدین حدیث بھی سلسلہ اساتذہ کے نساب تھے کہ جہاں کسی نے سند میں استاد کا رد و بدل کیا محاسبہ میں آگیا ۔ اس کے لیے مدلس اصطلاح بنائی ۔ (مترجم)

مسالک کے پیرو تھے ۔ ان کی زبان اردو اور وہ انساب میں بہت ماہر تھے ۔ اور جو لوگ خواہ مخواہ خود کو ان سے متعلق کرتے وہ نہ روانی سے اردو بول سکتے اور نہ انہیں اردو سے کوئی واسطہ تھا ۔

۵۳ - داؤد بن یزید مہلبی

سنہ ۱۷۱ھ ۷۸۶ء میں داؤد بن یزید بن حاتم بن قبیصہ بن مہلب ابو صفرہ مہلبی ان کے باپ (یزید) نے اپنی موت کے قریب انہیں افریقہ کے شہر قیروان پر عامل مقرر کر دیا ۔ مگر خلیفہ ہارون الرشید نے سنہ ۱۷۲ھ ۷۸۸ء میں انہیں قیروان سے معزول کر کے سنہ ۱۸۴ھ ۸۰۰ء میں سندھ اور ہند پر گورنر مقرر کیا ۔ ان کے ہمراہ ابو الصمہ المتغلب تھے جو بنو کندہ کے مولیٰ تھے ۔ داؤد ہند میں آئے تو سرحد کی حفاظت کر کے اپنے فرامین جاری کر دیئے ۔ یہ حالت خلیفہ مامون الرشید کے آخری دور تک رہی ۔ داؤد خود بھی تا زیست اسی طرح یہاں پر حکمران رہے ۔ ان کا انتقال سنہ ۲۰۵ھ ۸۲۰ء میں عہد مامون ہی میں ہوا (کامل ابن اثیر)

۵۴ - صالح بن بہلہ ہندی

صالح ابن بہلہ ہندی، طبیب مشہور ۔ جو زمانۂ ہارون الرشید میں عراق کے اندر رہتے ۔ یہ روایت ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں ۔ اور قفطی نے اپنی تالیف اخبار الحکماء میں کی ہے

بقول قفطی "صالح بڑے نباض اور باخبر طبیب تھے ۔ ان کا یہ واقعہ عجیب ہے جو خلیفہ ہارون الرشید اور ان کے درمیان گذرا ۔

ہوا یہ کہ حسبِ معمول دستر خوان چنا گیا ۔ تو خلیفہ نے قاعدے کے مطابق مہتمم

مطبخ حکیم جبرائیل بن بختیشوع کو طلب فرمایا تاکہ وہ کھانا چکھ کر اپنا اطمینان کرلیا مگر وہ موجود نہ تھا۔ خلیفہ نے خفگی میں اسے سب و شتم شروع کر دی۔ اتنے میں جبرائیل نازل ہو گئے۔ تو خلیفہ نے دیکھتے ہی غیر حاضری پر جواب طلب کر لیا۔ اور لگے ملاحیاں سنانے۔ طبیب نے عرض کیا کہ اگر امیر المومنین! اپنے عم زادہ ابراہیم ابن صالح کی موت پر گریہ و بکا شروع کر دیں اور ملاحیاں سنانے سے درگذر فرمالیں تو یہ مناسب ہو گا یہ سن کر خلیفہ نے طبیب سے واقعہ دریافت کیا تو اس نے عرض کیا میں نے ابراہیم کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ تن میں کوئی سانس باقی تھی۔ اور یہ بھی عشاء کے وقت نہ رہی ہو گی۔ ہارون الرشید دھاڑیں مار کر رونے لگے اور دستر خوان بڑھانے کا حکم فرمایا۔

یہ حالت دیکھ کر جعفر بن یحیٰی نے کہا امیر المومنین! جبرائیل نے طب رومی نصاب کے مطابق پڑھی ہے اور صالح ابن بہلہ نے ہندوستانی طریق پر (ویدک) اگر جناب صالح کو طلب فرما کر انہیں ابراہیم کو دکھا دیں تو وہ ان کے اسباب مرگ سے تو آپ کو مطلع کر دے گا۔ رشید نے ایسا ہی کیا۔ اور صالح کے پیچھے پیچھے خود بھی ابراہیم کے پاس گیا۔ مشایعت میں جعفر بھی تھا۔ صالح نے ابراہیم کو دیکھا تو اس کے بدن سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ وہ جعفر کے پاس آیا تو جعفر رشید کے حضور باریاب تھا۔ صالح نے خلیفہ کو صالح کی حاضری سے آگاہ کیا۔ صالح نے امیر المومنین سے کہا۔ آپ امام وقت اور قاضی العہد ہیں۔ جب آپ کوئی حکم نافذ فرما دیں تو اس حکم کے فسخ کرنے کا کسی اور کو اختیار نہیں۔ میں آپ کو گواہ رکھتا ہوں اپنی ذات پر اور ان لوگوں کو بھی جو اس مجلس میں حاضر ہیں

که اگر ابراہیم ابن صالح آج رات اسی مرض سے مر گئے تو
راقم صالح بن بہلہ کے تمام غلام اللہ کی رضا کے لیے آزاد
ہوں گے۔ اور اس کے تمام مویشی فی سبیل اللہ محبوس ہوں
گے اور اس کا تمام مال و منال مساکین پر صدقہ ہو گا حتی کہ

اس کی منکوحات پر طلاق ثلاثہ ہو گی!

مامون نے کہا: واہ صالح! تم تو غیب پر حلف اٹھا رہے ہو!

صالح: ہر گز نہیں! امیر المومنین یہ غیب تب ہو سکتا ہے جب اس پر کوئی دلیل صاف نہ ہو۔ یا اس کا علم نہ ہو! چہ جائے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ دلائل اور علم واضح پر مبنی ہے۔

مامون یہ سن کر خوش ہوا اور کھانا طلب فرمالیا۔ خادم نے نبیذ حاضر کی۔ اور اس نے نوش کر لی۔ جونہی عشاء کا وقت ہوا۔ مدینۃ العام سے ہرکارہ ایک خط لایا جس خط میں اس کے عم زاد ابراہیم ابن صالح کے انتقال کی سنادنی تھی۔ مامون نے اس پر انا للہ پڑھا۔ اور جعفر بن یحییٰ کے سامنے حکیم صالح ابن بہلہ بلکہ ہندوستان کے اطباء پر لعنت شروع کر دی اور کہا:

افسوس! میرے عم زاد ابراہیم کے حلق سے موت کا کڑوا کسیلا پیالہ اتر ہی گیا اور میں نبیذ جیسا خوش گوار مشروب پی رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے نبیذ کا ایک قدح۔ پانی کا پیالہ اور قدرے نمک منگایا اور ان سب کو ملا کر استفراغ کی غرض سے گھونٹ گھونٹ حلق میں اتارنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ایسا ہو ہی گیا ——— ذرا دیر بعد مامون ابراہیم کے ہاں روانہ ہوا۔ ان کے خدام نے دیکھا تو ابراہیم کے کمرے میں فرش اور گاؤ تکیے رکھنے کی غرض سے لپکے۔ مگر رشید اپنی تلوار پر ٹیک لگا کر ایستادہ رہا اور زبان سے فرمایا کہ احباب کی مصیبت کے لمحہ میں سادہ فرش کی بجائے مکلّف نشستوں پر نہ بیٹھنا چاہیے یہ فرش فروش ہٹا دو! اور سادہ فرش پر بیٹھ گیا۔ تب سے بنو عباس میں یہ سنت جاری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی بساط سنت سنیّہ نہ تھی۔

اسی وقفہ میں صالح بن بہلہ طبیب مامون الرشید کے سامنے ایستادہ تھے اور جملہ قصار مجلس میں کسی نے یہ تک نہ کہا کہ امیر المومنین کے لیے آتش دان لایا جائے۔

اتنے میں صالح ہی نے زبان کھولی کہ:۔

اللہ! اللہ! اے امیر المومنین! اگر آپ مجھے میری منکوحہ کو طلاق کا حکم فرما دیں اور ایسا شخص اسے عقد میں لے آئے جس کے لیے وہ اس لمحہ حلال نہیں تو مجھے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ میں نے خود پر یہ عہد لازم کر دیا ہے۔

یا آپ میرا جملہ مال و منال ضبط کر لیں۔ اور میں عذر نہ کروں کیوں کہ میں اس پر قسم کھا چکا ہوں۔

اے امیر المومنین! میں قسم مؤکدہ بہ عذاب کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کے برادر زادہ کو دفن نہیں کیا جا سکتا۔ بخدا وہ نہیں مرے۔

اے امیر المومنین! مجھے ان کے پلنگ کے پاس جانے کی اجازت فرمائی جائے۔

مامون الرشید نے صالح کو یہ اجازت فرما دی۔ اس لمحہ تکبیر کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صالح باہر آیا تو وہ بھی تکبیر پکار رہا تھا۔ صالح نے خلیفہ سے کہا تشریف لائیے۔ میں آپ کو عجیب منظر دکھاتا ہوں۔ مامون اپنے خواص کے ساتھ بڑھا تو صالح نے اپنے جیب سے ایک پوٹلی سی نکال کر ابراہیم کے ایک ناخن اور اس کے گوشت کے درمیان اس پوٹلی کی سفوف کا ایک شمّہ برک دیا۔ ابراہیم نے دفعتہ صالح کا ہاتھ کھینچ کر اپنے بدن سے ملا لیا۔ صالح نے مامون الرشید سے کہا۔ امیر المومنین، جو درد ابراہیم کو محسوس ہوا۔ اسے مردہ بھی محسوس کر سکتا ہے؟

اے امیر المومنین اگر میں اس کا یہ مداوا اسے کفن میں لپٹنے کی حالت میں کرتا تو اس سفوف کی خوشبو سے اس کا قلب پھڑ پھڑا کر حقیقی موت کا سبب ہو جاتا۔ لیکن اچھا ہوا

جو اسے کفن سے علیحدہ کر دیا گیا تھا ـــــــ اب اسے حمام میں لائے اور دو مرتبہ غسل دلوایا جس سے اس کے بدن کی خوشبو کافور ہوگئی اور وہ پہلے کی مانند بھلا چنگا ہوگیا۔ اس نے اپنی پوشاک پہن لی اور اپنی اسی نشست پر جا بیٹھا جس پر وہ پہلے سے بیٹھا کرتا۔ حتیٰ کہ سو گیا۔ صالح نے یہ مداوا امیر المومنین کے بالمواجہہ کیا۔ آخر وہ بات چیت کرنے لگا۔

ابو سلمہ کہتے ہیں۔ مامون الرشید نے اسے پھر یہ طریقِ علاج کرنے کا حکم دیا۔ اور میں نے اسے اپنے معمولات میں شامل کر لیا۔

ذرا دیر بعد مامون اٹھ کر ابراہیم کے پاس گیا۔ میں بھی مشایعت میں تھا، ابراہیم نے صالح کو بلا کر نسوار طلب کی۔ جس کے استعمال سے ۶ ساعت کے بعد اس کے جسم میں پھریری سے اٹھی اور اس نے چھینک ماری۔ جس کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور مامون سے باتیں چھیڑتے ہوئے ادب سے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

اب مامون نے ابراہیم سے اسکی واردات جو دریافت کی تو کہا کہ

میں نیند میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک کتا نمودار ہوا جس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں اسے ہاتھ سے ہٹا رہا تھا تو اس نے میرے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر کاٹ کھایا۔ میں گھبرا اٹھا اس وقفہ میں بھی ابراہیم انگوٹھے کے درد کو محسوس کرنے لگا۔ اس نے وہ انگوٹھا مامون کو دکھایا جس کے ناخن میں صالح نے سفوف برک دی تھی۔

ابراہیم اس کے بعد برسوں زندہ رہا۔ اس نے حجاجی عباسیہ بنتِ خلیفہ مہدی سے عقد کیا۔ وہ مصر اور فلسطین پر یکے بعد دیگرے عامل مقرر ہوا اور مصر میں وفات پائی جہاں اس کی قبر بنی۔

۵۵۔ عبداللہ بن عمر الھباری

عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ابن منذر بن ربیع ھباری قرشی۔ اپنے والد عمر بن عبدالعزیز کی رحلت کے بعد سندھ کے حکمران رہے۔ برسوں اس منصب پر قبضہ رہا۔ اپنے خطبے میں خلیفہ عباسی کا نام پڑھتے۔ ان کے بعد ان کی اولاد مدت تک یہاں (منصورہ) میں حکمران رہی۔ یہاں تک کہ سلطان محمود سبکتگین غزنوی نے ان کا استیصال کیا۔

۵۶۔ عمر بن عبدالعزیز ھباری

جن کا نسب اوپر (۵۵) میں مذکور ہوا۔ سندھ کے اکثر شہروں پر قبضہ کیے رکھا ان کے جدِ اعلیٰ حکم بن عوانہ کلبی (دیکھئے ۲۵) کے ہمراہ ادھر آئے تو یہیں طرح اقامت ڈال دی۔ عمران بن موسیٰ برمکی کو انہوں ہی نے قتل کیا۔ جیسا کہ اوپر گذرا ہے (حاشیہ از مترجم) جب عنبسہ ابن اسحاق الضبی عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی طرف یہاں متعین ہوئے تو انہوں نے بھی اس کی بیعت کر لی۔ اور جب سنہ ۲۴۰ھ میں ہارون بن ابو خالد المروروذی قتل ہوئے تو عمر ممدوح نے یہ موقع دیکھ کر ملک پر قبضہ کر لیا اور منصورہ کی پبلک نے ان کی بیعت کر لی اور خلیفۂ متوکل علی اللہ عباسی نے بھی چپ سادھ لی۔ عمر نے بحسب روایتِ فتوح البلدان ۱۲ برسوں حکمرانی کی۔ ابن خلدون نے دوسری جلد میں لکھا ہے کہ عمر کے جدِ اعلیٰ منذر ابن ربیع عہد سفاح عباسی میں قرقیسیا میں تھے، جہاں سے انہیں اسیر کر کے لے جایا گیا۔

لیکن عمر تو خلیفۂ متوکل باللہ کے قتل کے زمانہ ہی سے قابض تھے۔ جن کے بعد ان کی اولاد نے بھی مدت تک دادِ حکومت دی۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بن سبکتگین غزنوی نے ان سے یہ دولت ماوراء النہر تک چھین لی۔ ان کا دار السلطنت شہر منصورہ تھا۔ اور

ان کے جد ھبّار (بہ تشدید الموحدہ) صحابی تھے جیسا کہ ابن درید نے اپنی کتاب الاشتقاق میں قلم بند کیا ہے۔

۵۷۔ عمران ابن موسیٰ برمکی

عمران بن موسیٰ بن یحییٰ ابن خالد البرمکی[۱] وہ اپنے والد موسےٰ کے ہمراہ سندھ ہی میں مقیم تھا۔ جب موسےٰ نے ۲۲۱ھ میں انتقال کیا تو عمران نے خود بخود حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور جب خلیفہ معتصم عباسی نے اس کا یہ اقدام سنا تو اسے سندھ کا گورنر مقرر کر ہی دیا۔ اب یہ قیقان کی طرف بڑھا۔ جہاں ہندو جاٹ آباد تھے۔ عمران نے انہیں سر کر لیا اور اس نواح میں ایک نیا شہر بیضاء نام کا آباد کیا جو اس کی لشکری چھاؤنی تھی۔ اس کے بعد عمران شہر منصورہ میں آیا اور تیار ہو کر شہر قندابیل کا قصد کیا جو محمد ابن خلیل نے غاصبانہ طور پر گھیر رکھا تھا۔ جنگ ہوئی اور ابن خلیل نے شکست کھائی۔ عمران نے شہر کے رؤسا کو وہاں سے نکال کر ساتھ لے لیا۔ اور انہیں شہر قصدر میں آباد کر کے قوم مید پر دھاوا بول دیا۔ جس کے تین ہزار دلاور قتل ہوئے۔ یہاں اس نے ایک پل بنایا جس کا سکر المید[۲] رکھا (سکر پل کے معنوں میں آتا ہے) اور دریائے الرور کی طرف لشکر لے کر بڑھا۔ اس نواح میں ہر طرف جاٹ پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے سب کو طلب کر کے انہیں یوں متمیز کیا۔

---

[۱] برمکی خاندان کشمیری النسل ہے۔ عربوں یا ایرانیوں نے یہ لفظ معرب یا مفرس کر کے اسے برمک بنا لیا۔ ہارون الرشید کے وزیر یحییٰ اور جعفر برمکی ہی تھے (عرب و ہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی)

[۲] شہر سکھر کا یہ نام اس پل کے نام کی یادگار ہے۔ (مترجم)

ہر فرد کے ہاتھ پر ٹھپا لگادیا۔ اور ہر فرد کو اپنے ساتھ ایک کتا رکھنے کا حکم دیا۔ جس سے ایک کتے کی قیمت (۵۰) درہم تک جا پہنچی۔ پھر اس نے مید قوم پر حملہ کر دیا۔ اب اس کی فوج میں جاٹ بھی تھے۔ اس نے سمندر سے ایک نہر نکال کر ان کی وادی میں پانی چھوڑ دیا۔ جس سے ان کے پینے کا پانی کڑوا ہو گیا۔ اتنے میں نزاری اور یمانی آپس میں گتھ پڑے اس جھگڑے میں عمران یمانی گروہ کے طرف دار ہو گئے۔ نزاریوں کی حمایت میں عمر بن عبدالعزیز ھباری (د/۵۶) نکل آیا جس نے عمران برمکی کو اس کی غفلت میں قتل کر دیا۔ (فتوح البلدان)

۵۸۔ عنبسہ ابن اسحاق ضبیؒ

عمران بن موسیٰ برمکی کے بعد خلیفہ معتصم عباسی نے عنبسہ ابن اسحاق ضبیؒ کو سندھ پر گورنر مقرر کیا۔ پبلک نے ان کی اطاعت کی۔ حتیٰ کہ وہ خلیفہ متوکل باللہ العباسی کے زمام حکومت ہاتھ میں لینے تک سندھ کے گورنر رہے۔ اور متوکل نے عنبسہ کو ۲۳۱ھ / ۱۰۴۲ء میں معزول کر دیا۔

دیبل کے بڑے مندر کا مینار گرا کر مندر کو محبس بنا دیا تھا۔ اور شہر میں جو دیوار منہدم تھی۔ اسی مینار کی سلوں سے ان کی دراڑیں مندمل کر دیں۔ ابھی یہ کام پورا نہ ہو پایا تھا کہ معزول ہو گیا۔ اس کی جگہ ہارون بن ابو خالد المرورودی، جس کی وجہ سے عنبسہ کو موت کا مزا چکھنا پڑا۔ (فتوح البلدان)

۵۹۔ عسّان ابن عباد الکوفیؒ

۲۱۳ھ / ۱۰۳۲ء میں مامون الرشید نے عسّانؒ کو سندھ کا حاکم مقرر کرنا چاہا۔ تو سر دربار اپنے عمائدین سے عسّان کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی۔ حضّار نے خلیفہ کا

رجحان دیکھ کر غسان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے۔ مگر ان میں احمد بن یوسف درباری نے زبان نہ کھولی۔ جس پر مامون نے کہا احمد! اس بارے میں تم بھی کچھ بتاؤ۔ احمد نے عرض کیا امیر المومنین! واقعی غسان کے محاسن اس کے معائب پر بھاری ہیں۔ آپ اسے جس کام پر متعین فرمائیں گے وہ پوری طرح تعمیل کرے گا۔ اور اس سے کوئی ایسی فروگذاشت نہ ہوگی جس پر معافی مانگنے کی نوبت آئے۔ مامون نے فرمایا۔ احمد تم نے بھی تو اس کی مدح میں بہت کچھ کہہ دیا۔ احمد نے ذیل کے عربی شعر کا اعادہ کر دیا۔

آپ کی مہربانی کے سلسلے میں میرے لیے کافی ہے کہ میں
اپنے دوست اور دشمن دونوں کے متعلق اپنی صحیح رائے آپ
کے سامنے پیش کر دوں!

مامون کو احمد کا انداز بیان بہت پسند آیا۔ اور اس نے غسان کو سندھ کی حکمرانی پر متعین کر ہی دیا۔

غسان سندھ پہنچے تو بشر معافی کے لیے حاضر ہوا۔ جسے ہمراہ لے کر غسان سنہ ۲۱۶ھ / ۸۳۱ء میں مدینۃ السلام بغداد میں مامون کے حضور باریاب ہوا۔

(بروایت طبری فی تاریخ الامم والملوک)

۶۰۔ منصور بن حاتم نحوی

منصور بن حاتم نحوی۔ آل خالد بن اسید کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں ان سے روایت کی ہے۔ انہوں نے دیبل شہر کے بت خانہ کا شکستہ گنبد دیکھا۔ یہ مندر بدھ کا تھا جو عنبسہ ابن اسحاق نے توڑا اور مسلمان حکمران نے اسے محبس (قید خانہ) بنا دیا۔ داہر اس کا قاتل اور جبریل بن طلحہ قندابیل کے مصور تھے۔

۹۱ - منکہ ہندی

ہندوستان کے ممتاز حکیم - طب میں کمال حاصل تھا اور معالجہ میں پورا ملکہ!
ریاضی اور معالجہ دونوں میں حکیمانہ انداز کا حامل - ہندوستان کے جملہ علوم سنسکرت وغیرہ
کے اندر ماہر ہونے کے ساتھ زبانِ پارسی پر بھی عبور تھا - سنسکرت کی مشہور کتاب در
مضمون سیاست شاناق الہندی کا فارسی میں ترجمہ کیا -

منکہ کا دور ہارون الرشید کا عہد تھا جب وہ عراق پہنچا تو ہارون صاحب فراش
تھا - اس کا معالجہ فرمایا - راقم (مؤلف نزہتہ) نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ منکہ شاگرد
تھا اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی کا اور اس نے فارسی میں سنسکرت کے لفظوں کی
لغت لکھی -

کتاب اخبار الخلفاء والبرامکہ میں لکھا ہے کہ ہارون الرشید ایک سخت مرض میں گھر
گیا - اس کے طبیب اور مصاحب اس مرض کے علاج سے عاجز رہ گئے تب ہارون الرشید
کے ایک مصاحب ابو عمر الاعجمی نے عرض کیا ہندوستان میں ایک مرتاض فلاسفر اور
طبیب ہے - منکہ نام - اگر امیر المومنین اسے طلب فرما کر علاج کرائیں تو امید ہے کہ
اس کے ہاتھ سے اللہ آپ کو شفا عطا فرمادے -

ہارون نے ایک درباری کو زادِ سفر دے کر بھیجا جو منکہ کو ہمراہ لے گیا - ہارون اس
کے علاج سے تندرست ہو گیا اور خلیفہ نے منکہ کو گوناگوں انعامات سے مالا مال کر دیا -

منکہ کچھ روز وہاں ٹھہرا - ایک روز وہ بازار سے گذر رہا تھا کہ اس نے ایک شخص
کو دیکھا جو چادر اوڑھے تھا اور چادر پر بے شمار بوٹیاں تھیں - ایک جگہ کھڑے ہو کر اس
نے کہا - میرے پاس ایک معجون ہے جس سے مندرجہ ذیل امراض رفع ہو سکتے ہیں -
سل، محلتی بخار - پشت کا درد، درد کمر، بواسیر - تولید ریاح - وجع المفاصل - آشوب چشم

وجع البطن ۔ مرگی ۔ دردِ شقیقہ ۔ سلسل البول ۔ فالج ۔ ارتعاش ——— حتی کہ اس نے تمام ان امراض کو آلاپ دیا جو انسان کو لاحق ہو سکتی ہیں ۔ اس کا بلکو اس سن کر منکہ نے اپنے ترجمان سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا جب ترجمان نے وہ بیان کر دیا تو منکہ نے مسکرا کر کہا ۔ عرب بادشاہ بڑا جاہل تھا کہ جب اس کے ہاں ایسا طبیب موجود تھا تو مجھے میرے وطن اور گھر بار سے کیوں علیحدہ کیا ۔ پھر سفر کے شدائد ! ۔ اگر یہ شخص غلط کہہ رہا ہے تو خلیفہ نے اسے قتل کیوں نہیں کرا دیا ۔ شریعت نے تو اس قسم کے لوگوں کا خون مباح کر رکھا ہے جس ایک فرد کے قتل سے بے شمار جانیں مامون ہو سکتی ہیں اور اگر اسے یونہی رہنے دیا جائے تو روزانہ دو چار افراد کو قبرستان بھجوا دے گا ۔ یہ تو دین میں بڑا فساد اور ریاست کی تباہی ہے ۔

منکہ کے تصنیفی کارناموں میں کتاب سیسر ہے (ہندی الفاظ کی عربی میں لغت اور عشر مقالات ہیں جو اس نے یحییٰ بن خالد برمکی کی فرمائش پر لکھے ۔ کتاب اسماء عقاقیر الہند ہے ۔ کتاب شاناق الہندی ہے ۔ سمیات میں جسے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا[1] ۔

---

[1] فہرست ابن ندیم ۔

۶۲۔ موسیٰ بن یحییٰ برمکی

م ۲۲۱ھ
۸۳۵ء

یحییٰ بن خالد بن مالک البرمکی - دولت عباسیہ کے اجل عظیم تھے۔ عسان بن عباد کے ہمراہ ہندوستان آئے اور جب عسان ۲۱۰ھ/۸۱۵ء میں مدینۃ اسلام پہنچے تو انہیں سندھ کے شہروں پر گورنر مقرر کر دیا۔ یہاں موسیٰ نے اپنے ماتحت عوام و خواص کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا۔ اور انہوں نے راجہ بالا ملک سے جنگ کی جس میں راجہ نے موسیٰ کو ۵ لاکھ تاوان کے عوض اس کی حکومت برقرار رکھنے کی استدعا کی اور راجہ نے یہ درخواست عسان ممدوح کے حضور لشکریوں کے بالمواجہ پیش کی مگر اس نے انکار کر دیا جس پر موسیٰ بہت متاثر ہوئے (فتوح البلدان) ——— وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن یحییٰ کو مامون الرشید نے سندھ پر متعین کیا تھا۔

بروایت یحییٰ بن اکثم ——— ابن خلکان نے یہ بھی لکھا ہے کہ مامون نے فرمایا یحییٰ ابن خالد اور اس کے بیٹے کے برابر میں نے فراست و بلاغت اور سخاوت و شجاعت میں کسی اور کو نہ پایا۔ ابن خلکان نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے مامون سے عرض کیا کہ ان کی بلاغت اور فصاحت تو ہم نے بھی دیکھی۔ مگر شجاعت؟ مامون نے فرمایا شجاعت ہی دیکھ کر تو میں نے اسے سندھ کا گورنر مقرر کیا۔

۶۳- ہارون بن خالد مروزی

م ۲۴۰ھ

خلیفہ متوکل عباسی نے انھیں ۲۳۲ھ میں سندھ پر گورنر مقرر کیا۔ اسی دوران میں قبیلہ یمانیہ اور نزاریہ میں کشمکش ہوگئی تو انہیں قتل کر دیا گیا۔ (کامل)

طبقۂ رابعہ

چوتھی صدی ہجری کے عُلمائے ہند و سندھ

طبقہ رابعہ

۹۴- ابراہیم بن محمد دیبلی

(ـــ دیبل سندھ میں مشہور شہر تھا جسے عرب مسلمانوں نے ازسرِنو آباد کیا)

شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی سندھی۔ سمعانی نے الانساب اور حموی نے فتوح البلدان میں انہیں محدث اور ـــــــــ عالم کہا اور یہ کہ انہوں نے موسےٰ ابن ہارون اور محمد بن علی الصائغ الکبیر وغیرہ سے روایت کی۔

۶۵- احمد بن عبداللہ دیبلی

شیخ احمد بن عبداللہ بن سعید ابو العباس دیبلی از غریب الوطنان و سیاحین سابقین در طلب علم فقرائے زہاد میں سے تھے۔ نیشاپور میں بعہد ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ حسن بن یعقوب حداوی کی خانقاہ میں وارد ہوئے۔ اور اندرون شہر نیشاپور میں ایک خاتون سے نکاح کر لیا۔ بیوی کو خانقاہ ہی کے ایک حجرے میں لے آئے۔ مگر رسم کے مطابق جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کر کے دولت کدہ میں لوٹتے۔ لباس میں صوف (اون کا لباس) استعمال فرماتے، بلشیتر برہنہ پا چلتے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل مقامات پر مندرجہ ذیل اساتذہ سے حدیث روایت کی :-

بصرہ میں	ابوخلیفہ قاضی سے حدیث سنی۔
بغداد میں	جعفر بن محمد بن ابراہیم فریابی سے
مکہ معظمہ میں	مفضل بن محمد جندی اور محمد بن ابراہیم دیبلی سے
مصر میں	علی بن عبدالرحمٰن اور محمد بن زبان سے
دمشق میں	ابوالحسن احمد بن عمیر ابن جوصا سے
بیروت میں	ابوعبدالرحمٰن مکحول سے
حران میں	ابوعروبہ حسین بن ابومعشر سے
تستر میں	احمد بن زہیر تستری سے
عسکر میں	مکرم عبدان بن احمد الحافظ سے
نیشاپور میں	ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور ان کے معاصرین سے۔

اور ان سے ؛

۱- حاکم ابوعبداللہ الحافظ نے حدیث سنی،

وہ ماہِ رجب سنہ ۳۴۳ھ (۹۵۴ء) میں نیشاپور ہی میں فوت ہوئے اور مقبرۃ الحیرہ میں آسودۂ لحد ہوئے۔ بروایت سمعانی در کتاب الانساب۔

۶۶۔ احمد بن محمد المنصوری

ابو العباس احمد بن محمد بن صالح المنصوری السندھی۔ قاضی شہرِ منصورہ وہ امام داؤد اصفہانی ظاہری کے مسلک پر تھے۔ (بروایت ابنِ ندیم در کتاب الفہرست) اس مسلک کی تائید میں کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے سمعانی نے مندرجہ ذیل ۳ کتابوں کے نام سپرد خامہ کیے ہیں۔

۱۔ کتاب المصباح کبیر

۲۔ کتاب المنیر

۳ کتاب النیری

صاحبِ ترجمہ نے اثرم اور اس کے طبقہ کے اربابِ روایت سے حدیث بیان کی۔ اور ان سے حاکم ابو عبد اللہ الحافظ صاحب مستدرک نے (بروایت معجم) مقدسی نے منصورہ شہر میں انہیں دیکھا اور اپنی کتاب "احسن التقاسیم" میں "یا اماماً فی مدینۃ" کے القاب سے ان کا ذکر فرمایا۔ انہوں نے اور بھی کئی کتابیں لکھیں۔

۶۷۔ خلف بن محمد دیبلی

الشیخ خلف بن محمد الموازینی دیبلی نزیل بغداد (بروایت سمعانی فی الانساب) میں ان سے علی بن موسیٰ دیبلی سے روایت کی اور ان سے روایت کی ابو الحسن احمد بن محمد بن عمران ابن الجندی نے۔

(فقط)

۶۸۔ بادشاہ سرباتک کذّاب قنوجی ہندی

ہند میں رتن ہندی اور سرباتک دونوں کذب سازی کے ماہر تھے۔ اور دونوں ہی نے صحبیت کا ادعائے باطل کیا۔ (مترجم)

سرباتک کذاب کا ذکر اسد الغابہ میں ابن اثیر۔ اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں کیا ہے اور دونوں ہی نے انہیں کذابین میں محسوب فرمایا ہے۔ سرباتک کی روایت کذب بقول ابن حجر ان حضرات سے مروی ہے۔ یسّر[1] ابن احمد اسفرائنی رفیق یحییٰ بن یحییٰ[1] نیشا پوری، مکّی بن احمد البرذعی اور اسحاق بن ابراہیم الطوسی —— بایں الفاظ کہ بقول سرباتک

جب میں نے سرباتک بادشاہ ہند کو اس کی ۹۹ سال کی عمر میں شہر قنوج کے اندر دیکھا تو اس سے سوال کیا۔ آپ کی عمر کتنی ہے ؟

سرباتک : ۷۲۵ سال! پھر یہ بکواس کیا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس اپنے دو داعی بھیجے۔ اسامہ[1] اور حلیب[2] اور میں مسلمان ہوگیا۔

ذہبی نے اپنی کتاب تجرید میں لکھا ہے کہ سرباتک کا یہ قول کذب صریح ہے۔ اور ابن اثیر نے اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد معذرت کی ہے۔

اسی طرح ابو حاتم احمد بن محمد بن حامد البلوی نے بروایت اسد الحنفی المطیّب[1] لکھا ہے کہ سرباتک سے میں نے اس کا یہ ہذیان سنا کہ میں نے رسول خدا کو ایک مرتبہ مکہ اور ایک ہی مرتبہ مدینہ میں دیکھا۔ آپ بے حد حسین اور متوسط القامۃ تھے۔

سرباتک کا انتقال ۳۳۳ھ / ۹۴۴ء میں ہوا جب کہ اس کی عمر ۸۹۴ سال کی تھی۔

(بروایت مظفر ابن اسد۔ فقط)

۶۹- شعیب ابن محمد دیبلی

کنیت ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب ابن بزیع ابن سوار الدیبلی المعروف بہ ابن قطحان دیبلی (بروایت سمعانی در انساب) وہ صاحبِ روایت تھے۔ مصر میں گئے۔ اور وہاں روایت کی ولقول ابوسعید ابن یونس "میں ان کی احادیث لکھتا گیا"۔

۷۰- ابو محمد عبداللہ المنصوری

ابو محمد کنیت، نام عبداللہ بن جعفر بن مرۃ منصوری المقری۔ سیہ فام اور صاحبِ[1] روایت تھے۔ انہوں نے حسن بن مکرم اور ان کے معاصر سے احادیث سنیں اور ان سے حاکم صاحب مستدرک نے روایت کی (انساب سمعانی)

۷۱- علی بن موسیٰ دیبلی

العالم المحدث۔ ان سے روایت کی خلف بن محمد الموزبینی دیبلی نے، غزلہ نے (انساب)

۷۲- عمر بن عبداللہ الصباری

کنیت ابوالمنذر نام عمر ابن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز صباری قرشی سندھی۔ سندھی بادشاہوں میں سے ہیں۔ اپنے والد کی رحلت کے بعد مستقل طور پر بادشاہ ہو گئے۔ مشہور مورخ مسعودی نے ۳۰۳ھ میں ان سے منصورہ میں ملاقات کی۔

---

[1] منصوری شہر منصورہ کے باشندے ہیں۔

اس کے دو فرزند (محمد اور علی) تھے۔ وزیر زیاد تھا۔ ۸۰ جنگی ہاتھی اور ریاست میں ایک
ہزار بستیاں تھیں۔ جب میں (مسعودی مورخ) ۳۰۳ھ کے بعد اس کے دارالخلافہ منصورہ
میں گیا تو ان کے سپرد دو بیٹوں اور وزیر زیاد نامی کے سوا ایک شخص حمزہ نامی کو دیکھا۔ گورا چٹا
بدن جس کے الم کے نیچے ہزاروں علوی از اولادِ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے اور
اتنی ہی تعداد میں عمر بن علی اور محمد بن علی کی اولاد و احفاد میں سے تھے ــــ اور منصورہ
والو الشوارب قاضی کے عزیزوں میں قرابت کا رشتہ اور ہم نسبی کا تعلق تھا۔ یہ اس بنا پر
کہ اس عہد میں منصورہ کے بادشاہ معبار بن اسود کی اولاد سے تھے۔ جو عمر بن عبدالعزیز قرشی
(مگر اموی نہیں) کی اولاد کے نام سے معروف تھے۔

مسعودی فرماتے ہیں کہ منصورہ کے بادشاہ کے ہاں اسی جنگی ہاتھی تھے۔ اور ہر ایک
ہاتھی کے ارد گرد ۵ سو پیدل سپاہی رہتے۔ ان میں سے ایک ایک ہاتھی اپنے لاؤ لشکر
ہمیت دشمن کے پورے گھڑ سوار لشکر سے جنگ آزما ہوتا۔

میں نے اس غول میں دو بڑے ہاتھی دیکھے۔ جو سندھ اور ہند کے بادشاہوں میں
نہایت نامور تھے۔ دونوں فوجی سامان سے آراستہ رہتے اور ان پہ نڈر جنگ آزما سپہ سالار
جو دشمن کے لشکر سے نبرد آزمائی کرتے۔ ایک ہاتھی کا نام منفرفلس اور دوسرے کا نام حیدر
تھا۔ اول الذکر کے متعلق عجیب وغریب حکایات ان شہروں کے اندر مشہور ہیں۔ ازاں جملہ
یہ کہ منفرفلس کا مہاوت مرگیا۔ جس سے اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ہر لمحہ چنگھاڑتا رہتا اور آنکھوں
سے آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹتا۔ ایک روز وہ خود بخود فیل خانے سے نکل پڑا۔ اس کے پیچھے
حیدرہ بھی نکل آیا اور دونوں کے بعد فیل خانے کے ۸۰ ہاتھی بھی ان کی کمان میں بڑھ رہے
تھے۔ منفرفلس چلتے چلتے شہر منصورہ ہی کے اندر ایک تپلی سی راہ پر اتر گیا۔ اتفاق سے
ایک عورت جو سامنے سے آرہی تھی ہاتھیوں کا دل بادل دیکھ کر ایسی ڈری کہ غریب منہ
کے بل زمین پر اوندھے گر گئی۔ اس کی چادر راستے ہی میں ایک طرف جا پڑی۔ منفرفلس

ہاتھی یہ سماں دیکھ کر راستے کے وسط میں ذرا دائیں طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نشست پر اس کے تمام ہمراہ ہاتھی بھی رک گئے۔ کیونکہ منعرفلس نے اس کے لیے اشارہ کیا تھا۔ دوسرے لمحے میں منعرفلس نے اپنی سونڈ سے عورت کو اٹھنے کے لیے بارہا جھنجھوڑا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ تب ہاتھی نے اس کی چادر اس پر پھیلا دی تو عورت نے حرکت کی اور راہ سے ہٹ کر ایک طرف ہو گئی۔ جس کے بعد منعرفلس چل پڑا اور اس کے پیچھے دوسرا دل بھی ا ۔۔۔ فقط

(مترجم: مولف علام نے منعرفلس کا ذکر اس سوز سے بیان کیا ہے جیسے وہ بھی کوئی عالم دین اور فقیہ تھا!)

۴۳۔ فتح بن عبداللہ سندھی

ابو النصر فقیہ فلسفی، مولی حسن بن الحکم۔ جنہوں نے آزادگی کے بعد کلام مرفقہ ابو علی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے پڑھے اور حسن بن سفیان وغیرہ سے روایت کی۔

از سمعانی۔ بروایت ابو العلاء احمد بن محمد بن الفضل ــــــــــ حدثنی عبداللہ الحسین ایک روز ہم ابو النصر کی مشایعت میں تھے۔ ان کے بے شمار حواریوں کے ساتھ کہ شریف شہر پلٹ کر کیچڑ میں جا پڑے۔ ابو النصر نے انہیں سونگھا تو ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فرمایا کہ تم منافق ہو گئے! آپ دیکھتے نہیں کہ آپ کی مشایعت میں کون کون ہے۔

۴۴۔ محمد بن ابراہیم ابن عبداللہ دیبلی مکی[1]

سمعانی فرماتے کہ وہ ابن عُیینہ حسن ابو عبداللہ سعید بن عبدالرحیم مخزومی سے تفسیر کی روایت

---

[1] بروایت سمعانی اور حموی

اور ابن المبارک سے عن ابو عبداللہ حسین بن حسن مروزی کتاب البر والصلہ کی روایت کرتے اور اسی کتاب البر کی روایت عبدالحمید بن صبیح سے بھی کرتے۔ اور ان سے مندرجہ ذیل راویوں نے روایت کی۔ ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی و ابوبکر محمد بن ابراہیم ابن علی ابن المقری۔

۷۵۔ محمدؒ بن محمد دیبلی

کنیت العباس ہے۔ نام محمد بن محمد ابن عبداللہ وراق دیبلی زاہدؒ۔ مرد صالح اور نعمت علم سے مالا مال تھے۔ مندرجہ ذیل اساتذہ سے حدیث سنی۔ ابو خلیفہ فضل بن الحباب الجمہی و جعفر بن محمد بن حسن فریابی و عبدان بن احمد بن موسے اعسکری و محمد بن عثمان ابو سعید لبصری وغیرھم۔ اور ان سے روایت کی حاکم صاحب مستدرک نے ماہ رمضان ۳۵۴ھ میں وفات ہوئی اور ابو عمرو بن نجید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

۷۶۔ المنبہ ابن اسد قرشی

کنیت ابو اللباب (یا ابو الدلہات قرشی) السامی۔

سندھ کے گورنر جن کا دارالسلطنت ملتان تھا۔ مسعودی نے ۳۰۳ھ میں انہیں دیکھا اور اپنی کتاب مروج الذہب میں لکھا کہ منبہ اولاد سے ہیں سامہ ابن لوئی بن غالب کی۔ ان کا لشکر بہت بڑا اور دلاور تھا۔ خود وہ مسلمانوں کی فصیل تھے۔

ملتان کے دارالسلطنت کے ملحقہ ایک ہزار دیہات ان کی مملکت میں تھے۔ شہر ملتان میں کفار کا صنم (بت) ملتان نامی تھا جس کی زیارت کے لیے سندھ اور

---

۵۷ سمعانی

بیرونِ سندھ سے زائرین چڑھاوے لے کر آتے۔ جس میں جواہرات، ہیرے اور معطرات تک ہوتے۔ اس بت کے لیے قماری نام کی لکڑی چڑھاوے میں آتی جس کے ایک اوقیہ[1] وزن کی قیمت ایک سو اشرفی (دینار) تھا۔ جب اس لکڑی پر مہر کی جاتی تو یہ شمع کی مانند لو دیتی۔ اسی قسم کے بے شمار گراں بہا تحائف و نذر لاتے آتے،

ایک موقعہ پر کفار نے ملتان پر دھاوا کیا تو مسلمان ان کے مقابلے میں دب گئے اور انہوں نے ملتان صنم کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا۔ کفار یہ سن کر واپس لوٹ گئے۔ مسعودی یہاں تیسری صدی ہجری کے بعد آیا۔ جب کہ یہاں کا حکمران منبہ ممدوح تھا۔

۷۷۔ ناصر الدین سبکتگین غزنوی

مشہور بادشاہ ہیں۔ نام سبکتگین اور لقب ناصر الدولہ غازی۔ غزنی سے نکاس ہوا۔ وہاں یہ بادشاہ الپتگین کے غلام اور افواج کے سپہ سالار تھے۔ الپتگین نے جن کا نام ابواسحاق ہے جب ۳۶۲ھ میں انتقال فرمایا تو ان کی اولاد اور اقارب میں کوئی ان کی گدی سنبھالنے والا نہ تھا۔ پبلک نے اس منصب کے لیے سبکتگین کو دیکھا تو عقل، دین اور مروۃ میں سربرآوردہ روزگار پایا۔ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ یہ اسے بھلا کو بھر سکتے ہیں۔ انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور ان کی اطاعت و وفاداری کے لیے حلف اٹھایا۔

سبکتگین نے عنانِ سلطنت سنبھالنے کے بعد عوام کو اپنے اخلاق کا گرویدہ کر لیا۔ حتی کہ مال و منال میں بھی وہ پبلک کے ہم پلہ ہی رہے۔ انہوں نے زرعی اراضی کا ایک حصہ خاصہ میں منتقل کر دیا (اور خاصہ ہے شاہی املاک) جس کے غلہ میں سے

---

[1] اناج کا پیمانہ

وہ ہر چوتھے روز پبلک کو ان کے لبسراوقات کے لیے تقسیم کرتا۔ تب تو اس کی منزلت عوام میں اور بھی زیادہ ہو گی۔

گرد و نواح کے بادشاہ از خود قبالۂ اطاعت لے کر پیش ہوئے۔ ان میں شہر لبُست کے بادشاہ بھی تھے جو ان کی اعانت کے لیے بھی وعدہ گذار ہوئے۔ سبگتگین اس بادشاہ کے ہمراہ اس کے دار القرار لبُست میں گیا۔ اس کے دشمنوں کو سرنگوں کیا اور یہ شہر بلا شرکت غیرے اس کی تحویل میں دے دیا۔ پھر اس نے بدنام خون خواروں کو گھیرا اور ایک ایک کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔

قصدار اب وہ شہر قصدار کی جانب بڑھا۔ جس کا سربراہ اسی لیے باغی ہو رہا تھا کہ سبکتگین کے وہاں آنے میں راستے کی صعوبت مانع تھی سبکتگین نے پہلے اس کی طرف خط بھیجا۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ آخر اسے گرفتار کر کے پھر ممنون الطاف خسروانہ فرما کر اس کا ملک اور مال سب واپس کر دیا۔ البتہ اس پر سالانہ خراج کی ایک رقم مقرر کر دی۔

پھر اس نے ایک لشکرِ جرار رکاب میں لے کر ہندوستان پر دھاوا بول دیا۔ اور متعدد کوہی قلعے فتح کر کے جا بجا مسجدیں تعمیر کرائیں۔ یہ واقعات ۳۶۷ھ کے ہیں۔

وہ ہندوستان سے فاتحانہ انداز کے ساتھ غزنہ لوٹا تو اس نے راجہ جے پال سربراہ پنجاب کی سرکشی کا حال سنا کہ اس نے سبکتگین کے مفتوحہ شہروں میں سے کچھ حصہ دبا لیا ہے۔ تو بادشاہ ممدوح نے لشکر جمع کیا۔ ہاتھیوں کا دل بنایا اور غزنہ کے قریب جا پہنچا۔

اور سبکتگین غزنہ سے ایک لشکر جرار لے کر چلا۔ جس کے ساتھ رضا کارانہ سپاہی بھی تھے۔ کئی روز تک فریقین لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ اتفاق رائے سے التوا کر دیا۔ پڑاؤ کے قریب ایک غار سی تھی جس میں سے پانی ابلتا اور ندی کی شکل دھار لیتا۔ یہ ندی اپنے اندر کسی قسم کی کثافت برداشت نہ کرتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو آسمان پر کالے بادل امنڈ آتے جھکڑ چلتے

بادل گرجتے۔ بجلیاں کوندنے لگتیں اور موسلادھار مینہ برس اٹھتا۔ یہاں تک کہ وہ نجاست طاس سے نکل کر باہر جا پڑتی۔ سبکتگین نے یہ سنا تو فوج کو یہی حکم دیا۔ تو وہی سب کچھ ہوا۔ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ سردی بلا کی ہوگئی۔ جے پال کی فوج میں مری پھیل گئی۔ واپس لوٹنا چاہا مگر پانی کے بہاؤ سے راستوں کے نشان مٹ چکے تھے۔

جے پال گھبرا گیا اور سبکتگین سے صلح کی درخواست کی۔ کئی بار ادھر ادھر کے سفیر آئے گئے۔ سبکتگین کے بیٹے محمود نے جے پال کی گذشتہ غداری کی بنا پر معاہدہ پر عمل تک اس کی طرف سے کچھ مال، اتنے ہاتھی اور اتنے آدمی یرغمال کے لیے طلب کر لیے۔ کہ جب تم ہمارے مفتوحہ شہر تحفظ داماں واپس کر دو گے تو یرغمال حوالے کر دیا جائے گا۔ بحسب قرارداد سبکتگین نے مال اور ہاتھی وصول کرنے کے لیے جے پال کے ساتھ مسلمانوں کا ایک دستہ اس کے ہمراہ کر دیا۔ جوں ہی جے پال ذرا دور جا پہنچا۔ کھلم کھلا مسلمان سپاہیوں پر قبضہ کر لیا۔ اور کہلا بھیجا کہ یہ ہمارے یرغمال کا معاوضہ ہے۔

سبکتگین نے سنا تو لشکر جرار لے کر ہندوستان کی طرف بڑھا اور جو شہر راستے میں پڑا۔ اسے برباد کرتا گیا۔ اس نے لمغان[1] پر اچانک حملہ کر کے اس کے قلعوں کو فتح کر لیا اور وہاں کے بت خانے مسمار کر کے اس نواح میں شعار اسلام جاری کر دیے۔ وہاں سے چلا تو راستے میں جو شہر آئے انہیں فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ وہ اپنے ذہن میں معینہ حدود تک پہنچ کر واپس غزنہ لوٹا۔

جے پال نے یہ سنا تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور ایک لاکھ عسکری سمیٹ کر سبکتگین سے جنگ ٹھان دی۔ سبکتگین نے مسلمان فوجیوں کے حوصلے بڑھا کر انہیں دشمن پر ریل دیا۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد ہندو ٹھیرو بھاگ اٹھے۔ جنہیں نرغہ میں لے کر قتل یا گرفتار کر لیا۔ اس شکست کے بعد ہندوؤں نے بھول کر بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا نام نہ لیا۔

[1] در نواح غزنہ قریہ ایست (مترجم)

جے پال کو پوری طرح سرنگوں کر لینے کے بعد جب سبکتگین سنبھل گیا تو افغانیہ اور خلجیوں نے بھی اس کی اطاعت کا قبالہ لکھ دیا۔ مگر اس کے بعد جب فائق اور ابوعلی میں اتحاد ہوگیا۔ تو ان دونوں نے سبکتگین کے باج گذار نوح ابن منصور سامانی والی بخارا کو بغاوت پر ابھارا۔ ان دنوں سبکتگین غزنہ میں تھا۔ تب نوح نے سبکتگین کو بخارا آنے کی دعوت دی۔ سفیر جب حاضر ہوا تو نوح کی غداری کا ذکر کرتے ہوئے اس خط کے جواب میں بخارا چلا گیا۔ اور پھر دونوں کے درمیان معاہدہ صلح ہوگیا۔ سبکتگین نے غزنہ واپس آکر ایک جرار لشکر جمع کیا اور اپنے فرزند محمود کو ہمراہ لے کر خراسان کا رخ کیا۔ اس موقعہ پر نوح بھی شریک تھا۔ دونوں ابوعلی اور فائق پر ٹوٹ پڑے۔ ہراۃ کے گرد و نواح کو پامال کر کے انہیں شکست دی۔ لشکریوں نے ابوعلی کی فوج کو قتل کیا۔ یا اسیر! اور ان کے اموال لوٹ لیے، اب وہ نیشاپور کی طرف لوٹا۔ اس مرحلہ پر نوح بخارا آگیا اور سبکتگین ہراۃ کی وادی میں کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد نیشاپور پہنچا۔ ابوعلی اور فائق نے جرجان کا رخ کیا۔ سبکتگین نے نوح کو نیشاپور کا حکمران مقرر کیا۔ محمود کو خراسان کا انتظام سونپا۔ اس کا لقب سیف الدولہ اور اپنا لقب ناصر الدولہ تجویز فرمایا۔

نوح بخارا کی جانب سبکتگین ہراۃ کی طرف اور محمود نیشاپور کی سمت روزانہ ہوئے یہ واقعات ۳۸۴ھ میں رونما ہوئے۔ پھر سبکتگین غزنہ جانے کے ارادے سے بلخ کی طرف چل دیا۔ جہاں اس نے کچھ رہائشی مکان بنو لیے۔ اسی اثنا میں وہ بیمار ہوگیا۔ اور مرض نے طول کھینچا تو غزنہ روانہ ہوا۔ مگر راستے میں دنیا کی تمام منزلیں طے کر چکا تھا۔ رفیق اعلیٰ سے ملاقی ہوا۔ میت غزنہ لا کر سپرد خاک کی گئی۔

سبکتگین کی حکومت ۲۰ سال تک رہی۔ وہ بہت بڑا عادل اور نامور مجاہد تھا جس نے کئی جنگیں لڑیں۔ بامروت اور خوش عقیدہ تھا وہ اپنا وعدہ پورا کرتا۔ اللہ نے اس کے اہل میں برکت کی اور ان کی بادشاہت مدتوں برقرار رکھی۔ سامانی اور سلجوقی وغیرہ تمام بادشاہ

ان کے باج گذار رہے۔ تاریخ وفات ۲۸۷ھ ہے (بروایت کامل)

اے صاحب! جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں منافق ہو گیا ہوں اور آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں۔ انھوں نے بھی میرا مال دیکھ لیا! ابوالفضر نے ان سے کہا۔ شریف صاحب! آپ جانتے ہیں ایسا کیوں ہوا؟ —— اس لیے ہوا کہ ہم آپ کے جد کی پیروی کرتے ہیں (یعنی صلحائے عرب کی) اور آپ نے ہمارے اجداد کی پیروی کی (یعنی ہمارے کافر اجداد کی)

طبقۂ خامسہ

(۵ ویں صدی ہجری کے سربرآوردگانِ روزگار)

طبقۂ خامسہ

۷۸- ابراہیم ابن مسعود غزنوی (م ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء)

لقب الملک المؤید۔ نام ابراہیم ابن مسعود بن محمود بن سبکتگین غزنوی۔ مردِ صالح۔ محافظِ سلطنت، رضی الدین ابو المظفر۔ اپنے بھائی فرخ زاد کے بعد ۴۵۱ھ میں عنانِ حکومت سنبھالی۔ برگزیدہ اخلاق اور جہاد میں ممتاز تھا۔ وہ شہر بھی فتح کر لیے جن پر ان کے باپ دادا غلبہ حاصل نہ کر سکے۔

عبادت میں ماہِ رجب اور شعبان دونوں کے روزے رکھتا اور جب حکومت کی باگ ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے خراسان کے سلجوقی بادشاہ داؤد بن میکائیل بن سلجوق

سے یہ معاہدہ کیا کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے۔ اس معاہدہ کے بعد اس نے ۴۷۲ھ ۱۰۷۹ء میں ہندوستان کا رخ کیا۔

- اور قلعہ اجودھن جو لاہور سے ۱۲۰ فرسخ پر تھا۔ فتح کیا۔
- پھر قلعہ روپال سرنگوں کر لیا۔
- اب وہ درّہ نور کی جانب بڑھا۔ جہاں کے باشندے خود کو افراسیاب ترکی کی نسل سے بتاتے اور خراسان کو اپنا سمجھتے۔ اتفاق کی بات کہ آج سے پہلے کوئی بادشاہ ان سے معترض نہ ہوا تھا۔ ابراہیم نے پہلے انہیں قبولِ اسلام کی دعوت دی۔ جب ان کے غرور نے ٹھکرا دیا۔ تو فریقین میں ٹھن گئی۔ جس میں درّہ والے شکست یاب ہوئے۔

اور ابراہیم انہیں سر کرنے کے بعد درہ "بر" کی طرف ہوا
روانہ ہوا جس کی راہ میں کئی چھوٹے چھوٹے پتھریلے ٹیلے تھے۔ جنہیں وہ پامال کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور یہ مقام بھی فتح کر لیا۔ ابراہیم عدل گستر، مجاہد۔ سخی، مرد عاقل اور مصیب الرائے تھا۔ کہا کرتا کہ اگر میں اپنے باپ کی جگہ پر ہوتا تو میرے دادا محمود کے مفتوحات میں سے چپہ بھر زمین نہ نکلتی لیکن اب میں ایسے علاقے لوٹانے سے قاصر ہوں جن پر دوسرے بادشاہ قابض ہو چکے ہیں۔ اور ان کی مملکتیں ہمارے ممالک محروسہ سے زیادہ وسیع اور لمبی ہیں۔

ابراہیم کا خط بہت عمدہ تھا۔ وہ سال تمام میں پورا کلام مجید لکھتا اور گوناگوں صدقات کے ساتھ مکہ مکرمہ بھجواتا۔

ابراہیم کا انتقال ۴۸۱ھ یا ۴۹۲ھ میں ہوا (انا اللہ ۔ مترجم)

۷۹- احمد بن ینالتگین غزنوی

یہ احمد بھی محمود ابن سبکتگین کے غلاموں سے تھا۔ مجاہد اور دیانت دار آقا نے اسے

خزانچی مقرر فرمادیا۔ وہ زمانے میں کبھی سلطان کی خدمت میں کمربستہ رہتا۔ محمود کی رحلت کے بعد اس کے جانشین مسعود نے اسے اپنا مشیر خاص بنا کر ۴۲۲ھ/۱۰۳۰ء میں ہندوستان کی طرف بھجوادیا۔ تو سب سے پہلے احمد نے بنارس پر حملہ کیا اور اس کے ملحقہ شہر فتح کر کے پوجاریوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان شہروں کی پناہ گاہیں مسمار کرنے کے ساتھ انہیں لوٹا باشندوں کو اسیر کر لیا اور جب احمد بنارس شہر میں ایک سمت سے در آیا تو اس کے ہمراہی مسلمان سپاہیوں نے عطاروں اور جوہریوں کی دکانوں کا صفایا کر دیا۔ اس تاخت کا علم اندرون شہر کے باشندوں کو نہ ہوا تھا۔ کہ بنارس بہت بڑا شہر تھا لیکن جونہی رات نے اپنا دامن پھیلایا تو شہر کے باشندے حملہ سے آگاہ ہو گئے۔ کسی نے تمام شب آنکھ نہ جھپکی۔ تڑکا ہوا تو ہر متنفس جان بچانے کے لیے بھاگا —— بنارس سے لوٹ کا سونا اور چاندی مجاہدین نے تول لگا کر تقسیم کیا۔ اس سے قبل بنارس میں کبھی مسلمانوں نے حملہ نہ کیا تھا۔

لاہور کا رُخ بنارس سے ایکدم احمد نے لاہور کی طرف رخ پھیر لیا۔ اس کی فوج میں بے شمار ترک سپاہی بھی تھے۔ لاہور کے قاضی — ابوالحسن شیرازی نے از رہِ حسد و کینہ امیر اعلیٰ کو اطلاع دی کہ آپ کے سپہ سالار (احمد) نے بنارس کی لوٹ کا بہت تھوڑا مال آپ کو بھجوایا ہے۔ مسعود اس خبر سے تلملا اٹھا اور اس نے فوراً ایک جرار لشکر جس میں ترک اور ہندی بھرتی تھے، ایک حجام کی سپہ سالاری میں احمد پر ریل دیے۔ یہ حجام فارسی زبان کا عالم اور محمود غزنوی کے زمانے ہی سے قدر اندازی میں ممتاز تھے۔ مسعود نے اس کی دلاوری اور تدبر کی وجہ سے اسے خراسان کے دورِ حکومت ہی میں ہندو سپاہیوں کے دستہ کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ الغرض نائی صاحب تشریف لائے۔ احمد سے بڑی سخت لڑائی ہوئی اور فتح یاب ہوئے۔ احمد اس شکست پر ملتان جا پہنچا۔ اس کا اپنا لشکر بھی تھا اور وہاں کے بادشاہوں سے بھی مدد کا طلب گار ہوا تب

اس نے ایک بادشاہ سے کشتی طلب کی۔ تاکہ وہ دریا سندھ عبور کر سکے۔ لیکن اس حکمران کی نیت خراب تھی۔ اس نے راستہ کی مشکلات سے احمد کو آگاہ نہ کیا کہ وسط دریا میں ایک جزیرہ تھا جسے احمد نے ساحل دریا سمجھ لیا اور وہ اپنے ہمراہیوں سمیت کشتی سے اتر پڑا۔ ادھر یہ حکمران تاک میں تھا۔ ادھر ان کی رسد ختم ہو گئی۔ تو انہوں نے سواری کے جانور ذبح کر کے کھائے۔ یہ ختم ہو گئے تو دریا میں مچھلیاں پکڑنے کے لیے کودے اور موجوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اتنے میں جاٹ ڈکیٹ حملہ آور ہوئے جن سے ملتان کے حکمران نے ۵۔ سو درہم انعام کا وعدہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے بے شمار سپاہیوں کو احمد سمیت موت کے گھاٹ اتار کر اس کے بیٹے کو قید کر لیا۔ یہ واقعہ ۴۲۵ ہجری (۱۰۳۳ء) میں ہوا۔ جیسا کہ ابن اثیر نے بھی کامل میں بیان کیا۔ اور کئی موقعوں پر غلطی کھائی یہ کہ

۱ - محمود نے احمد کو ہندوستان کا حکمران مقرر کیا۔

۲ - محمود کے جانشین مسعود نے احمد کی لیاقت اور جرأت کی وجہ سے اسے بحال رکھا۔

۳ - احمد نے ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) میں شہر نرسی پر حملہ کیا۔

۴ - اور جب مسعود خراسان کی طرف گیا تو اس کے دور پہنچنے پر احمد نیالگتین نے جو اس وقت ہند میں تھا، بغاوت کر دی۔ جس پر مسعود ہند کی طرف لوٹ آیا۔ اور اس کے ساتھ پر فریب معاہدہ کر کے اس کے دشمنوں کو اس کی اطاعت کا پابند کرنے کے بعد پھر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔

۵ - اور جب پہلے کی مانند وہ ہند سے دور نکل گیا۔ تو احمد نے پھر سرکشی شروع کر دی۔

۶ - جس پر مسعود نے اس کی سرزنش کے لیے لشکر جرار بھیجا۔

۷ - اس لشکر نے احمد کے بیٹے کو گرفتار کر لیا جس کے صدمے سے احمد نے خودکشی کر لی۔

یہ واقعات ۴۲۶ھ (۱۰۳۴ء) میں رونما ہوئے۔

مگر ابن اثیر کی یہ سب داستان غلط ہے اور صحیح قصہ بلیہقی ہی کا ہے۔ کیونکہ بلیہقی ان حوادث کے زمانے میں جب کہ مسعود حکمران تھے۔ غزنہ میں تھے اور اپنی تاریخ میں وہ ہر واقعہ لکھتے گئے جو ان کے سامنے گذرا یا ان کے کانوں نے سنا۔ کیونکہ عوام میں غلط واقعات نہیں پھیلتے۔

۸۰۔ اریاق الحاجب غزنوی

اریاق غزنوی محمود کے غلام اور امیر کبیر تھے۔ برسوں محمود کی خدمت میں رہے۔ اور قدر اندازی سیکھی۔ محمود نے انہیں ہندوستان کے لشکر میں بھجوا دیا۔ جہاں وہ برسوں لاہور میں نائب سلطان کی حیثیت سے رہے۔ انہوں نے کئی شہر فتح کیے اور ملک پر غالب رہے۔ استبداد (سختی) سے کام لیا تو محمود نے انہیں غزنہ میں حاضری کا پروانہ بھیجا۔ انہوں نے برائے نام عذر کر کے ٹالنا چاہا۔ تو محمود نے ان کی سہل انگاری کو پالیا لیکن وہ اسی عرصہ میں موت کا نشانہ ہو گئے۔

ان کی وفات پر محمود نے محمد کو طلب کیا۔ مگر وہ حاضر نہ ہوا۔ پھر اس نے مسعود کو لاہور بھجوا دیا۔ تو محمد نے بھی اپنے مقدم اریاق کی مانند استبداد شروع کر دیا۔ محمود نے یہ سن کر اسے چھاؤنی بلخ میں بھجوا دیا۔ اور اس کے حاضر دربار ہونے کی تدبیر سوچنا شروع کر دی۔ جس پر محمود کے وزیر احمد بن حسن مہمندی، مسعود کو امان دلوانے کی غرض سے بلخ گئے۔ ان کی متابعت میں لشکر بھی تھا جس میں ترک اور ہندی سپاہی تھے۔ اریاق حاجب نے ان کی آؤبھگت میں سبقت کی لیکن اس دوران میں حاجب خود لہو و لعب میں ڈوب گئے۔ جس کی وجہ سے اس نے وزیر کی طرف سے کسی قسم کے کھٹکے کا احساس نہ کیا۔ ایک روز اسی حالت میں وزیر موصوف حاجب کو گرفتار کر کے غزنہ لے گیا۔ یہاں سے غزنہ پہنچا تو قلعہ میں محبوس کر دیا۔ پھر اسے غور میں لے جایا گیا (بحسب روایت بلیہقی)

۸۱۔ ابوالفرج الرونی لاہوری

علامہ اجل الکامل ابوالفرج بن مسعود الرونی (یا الرونی) لاہوری۔ شاعر نغزگو۔ جن کا تذکرہ بدالیوانی نے اپنی کتاب منتخب میں کیا ہے۔ یہ کہ "ابوالفرج شاعری میں مرجع ومقصد تھے۔ سعد بن سلمان لاہوری کے علاوہ ان کے سینکڑوں شاگرد تھے۔ سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی ان کی بہت قدر کرتے"۔

فارسی اشعار میں ان کا دیوان بھی ہے"۔

عوفی لباب الالباب میں فرماتے ہیں کہ "وہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہیں پروان چڑھے اوحدالدین محمد بن محمد الوری مشہور شاعر نے شعر گوئی میں ان کا تتبع کیا۔ ان کا دیوان پڑھا اور فرمایا۔ ؎

اندران مجلس کہ من داعی لشعر ابوالفرج
تا شنیدستم دلوعی داشتستم بس تمام!

نیز گفتہ

لغل اسپ تو ہلال ست وسنا مش کوکبست
آفتا لبست او اسپش آسمانہا را امداد!!!
آسمانے پر کواکب بر زمین ھر گز کہ دید!
کافتاب او یکے باشد ہلال او ھزار!!!

سالِ وفات ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء (بحسب روایت کتاب شمع انجمن)

۸۲۔ ابوالمنصور بن علی غزنوی

شیخ الفاضل ابومنصور بن ابوالقاسم علی النفری الغزنوی مشہور بہ معتمد السلطنت، غزنہ میں

برسوں سلاطین غزنویہ کی خدمت میں رہا۔ پھر سلطان مسعود بن محمود غزنوی نے اسے ۴۲۶ھ / ۱۰۳۴ء میں ہندوستان میں فتوحات کے لیے بھجوایا۔ تب اس کے ہمراہ مسعود ممدوح کا فرزند امیر مجدود بھی تھا۔ جس نے اسے سرکاری دفتر نظامت کا میر منشی مقرر کر دیا۔ وہ تازیست لاہور ہی میں رہا۔ (بحوالہ بیہقی)

۸۳- ابوالنجم ایاز غزنوی

امیر ایاز غزنوی جو سلطان محمود کے غلاموں سے تھا۔ اس نے افضل الدین محمد کاشانی کے حضور زانوئے تلمذ کیے۔ سلطان محمود اور ایاز کی حکایتیں اس قدر عام ہیں کہ ان کا اعادہ ضروری نہیں!

سلطان محمود کی رحلت کے بعد اس کا بیٹا محمد والی حکومت ہوا۔ اس لمحہ میں مسعود بن محمود اصفہان میں تھا۔ وہ یہ خبر سن کر خراسان آیا اور یہاں سے غزنہ کا ارادہ کیا تو ایاز سلطان محمد ممدوح سے منحرف ہو کر مسعود کے ساتھ ہو گیا۔ لیکن جب مسعود نے اپنے والد محمود رحمۃ اللہ کی وفات کی خبر سنی تو غزنہ کا قصد کیا۔ اسی اثر سے ایاز نے محمد کو چھوڑ کر مسعود کا دامن تھام لیا اور اس کی مشایعت میں غزنہ کی طرف چل دیا۔ ایک مدت تک اس کی خدمت میں رہا۔ لیکن جب مسعود نے اپنے فرزند مجدود کو ہندوستان لشکر دے کر بھیجا تو ایاز اتابک کو ۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء کو اس کے ہمراہ جانے کا حکم دیا۔ ایاز نے اسی ملک میں اقامت فرمائی۔ کئی شہر فتح کیے اور لشکر کثیر بھرتی کر لیا۔ بالآخر لاہور ہی میں ۴۴۹ھ / ۱۰۵۷ء میں آسودۂ لحد ہوا (تاریخ ابوالنصر اور ابوالفداء)

۸۴- حسین زنجانی

فقیہہ زاہد شب زندہ دار تھے۔ فخر الدین لقب تھا اور لاہور سے نسبت تھی۔ مشہور

مشایخ سے تھے۔ انہوں نے علوم اور طریقت دونوں شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے حاصل کیے اور برسوں ان کے ملازم خدمت رہے۔ پھر ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کو اپنا وطن قرار دیا۔ جس روز شیخ علی بن عثمان ہجویری صاحب کتاب کشف المحجوب لاہور ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے شیخ زنجانی نے اسی روز داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ (بروایت فوائد الفواد حسن سنجری)

۸۵۔ ابوالفتح (ابوالفتوح) داؤد بن نصیر بن حمید ملتانی

ملتان کے مذہبی پیشوائے اعلیٰ (امیر) تھے۔ عقاید خبیثانہ تھے۔ ان کے معاصر نے انہیں ملحد قرار دیا۔ اپنے ملک کے باشندوں میں اپنے عقاید کا پرچار کیا تو عوام نے اسے قبول کرلیا۔ یہ دیکھ کر سلطان محمود غزنوی نے ان پر حملہ کرنے کا تہیہ کرلیا لیکن راستے میں کئی دریا حائل تھے جن میں سیلاب امنڈھ آتا۔ تب سلطان علیہ الرحمۃ نے راجہ انندپال سے ملتان کے راستہ کی خواہش ظاہر کی۔ تو راجہ نے جواب تک نہ دیا۔ یہ دیکھ کر محمود نے پہلے انندپال پر حملہ کردیا اور فرمایا ہم بیک وقت دو غزوے کرتے ہیں۔ یہ حملہ ملتان کی طرف سے تھا۔ سلطان انندپال کے ماتحت شہروں کو برباد کردیا۔ باشندے موت کے حوالے، مکانات نظر آتش اور اموال چھین لیے۔ اسے سرنگوں کرنے کے بعد ملتان کا رخ کیا۔ تو ابوالفتح نے یہ سننے کے ساتھ ہی اپنی کمزوری محسوس کرلی۔ اور اپنا تمام مال ومتاع سراندیپ بھجوادیا۔ ملتان خالی تھا۔ سلطان اس پر بھی شہر پر قبضہ کرنے سے نہ رکا اور بقیہ باشندوں پر بیس ہزار درہم تاوان عائد کردیا۔

(بحوالہ تاریخ کامل)

مگر فرشتہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ابوالفتح نے خود میں سلطان محمود کے مقابلہ کی ہمت نہ پائی (اپنے ناپاک عقیدہ کے باوجود) تو اس نے انندپال کو محمود

کی راہ روکنے کے لیے تیار کیا۔ محمود لے سے شکست دے کر ملتان کی طرف بڑھا تو ابوالفتح قلعہ بند ہو گیا اور ساتویں روز محمود سے بیس ہزار درہم سالانہ تاوان پر صلح کر لی!

۸۶- روزبہ پسر عبداللہ لاہوری

شیخ ابوعبداللہ روزبہ پسر عبداللہ نکتی لاہوری۔ عہد سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے ممتاز عالم بحسب قول محمد عوفی در "لباب الالباب" ــــ، اور یہ کہ وہ فارسی میں بہت اغز گو شاعر تھے۔ انہوں نے مسعود کے متعلق جو مدحیہ قصائد لکھے ان کا ایک نمونہ یہ ہے۔

بنرگس منگری چوں جام زریں
بزیر جام زریں چشمہ چشمہ!
تو گوئی چشم معشوقست مخمور!
زناز وے سکوئی گشتہ کرشمہ!

۸۷- سعد بن سلمان لاہوری

شیخ فاضل سعد ابن سلمان ہمذانی لاہوری، اپنے عہد کے ممتاز الافاضل تھے۔ سلطان مسعود نے انہیں ۴۲۶ھ میں اپنے فرزند مجدود کے ساتھ ہندوستان بھیجا اور مستوفی الممالک کا خطاب ارزانی فرمایا۔ سعد نے لاہور کو اپنی اقامت گاہ قرار دیا (بروایت بلیہقی)

سعد نے شاہان غزنویہ کی ساٹھ سال تک خدمت کی اور کارہائے نمایاں دکھلائے اس نے شاہی خاصہ میں بے شمار مال و زر اور دفینے داخل کیے۔ جن کے ساتھ سعد کے بیٹے مسعود نے سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی کی شان میں ایک قصیدۂ مدحیہ میں کہا ہے۔

شصت سال تمام خدمت کرد پدر بندہ سعد بن سلمان
گہ باطراف بودے از عمال گہ بدرگاہ بودے از اعیان

۸۸۔ عطا ابن یعقوب غزنوی

کنیت ابو العلاء عطاء بن یعقوب الغزنوی الکاتب معتمد حکومت۔ علامہ اجل المعروف بہ ناکوک۔ ان کا تذکرہ محمد عوفی نے لباب الالباب میں۔ ابو الحسن علی بن حسن باخرزی نے دمیۃ القصر میں، یاقوت حموی نے معجم الادباء میں کیا ہے۔

بروایت عوفی: جس زمانے میں سلطان ابراہیم ابن مسعود کا لشکر ہندوستان میں آیا عطاء لاہور کے جیل میں ۸ سال سے محبوس تھا۔ اس کے دو دیوان ہیں عربی اور فارسی میں یاقوت نے قاضی معین الدین محمد بن محمود غزنوی مصنف کتاب سر السرور کے حوالے سے اپنی کتاب معجم میں عطاء کا مدحیہ کلام عربی نقل کیا ہے جو معانی و بلاغت کا خزانہ ہے مگر اس کا نقل کرنا بے سود ہے[۱]۔ فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے

بہ بند او فتادم چو آدم ز جنت!!!
بتاویل و تلبیس بہتان منکر

نہ گندم چشیدہ نہ آوردہ عصیاں
نہ من قول ابلیس را کردہ باور

اگر گندمے بدھے جرم آدم
ہمہ جرم من از جوئے ہست کمتر

بلائے من آمد ہمہ دانش من!
چو روباہ را موو طاؤس را پر را

وی در مدح ابراہیم بن مسعود قصیدہ طویلہ گفت

بے گنہ ماندہ ہشت سال بہ ہند
چو گنہ گار در عذاب الیم!

[۱] مترجم

دل چو کانون دیدہ چون آتش!
کار نا مستقیم و حالِ مستقیم

چہ کنی حالِ خویشں را ــــ پنہاں
چہ زنی طبلِ خیرہ زیر گلیم!

حالِ خود شاہ را بگوئے و مپرس
و توکل علی العزیز الرحیم!

ملک تاج بخش قلعہ ستاں
باظفر بو المظفّر ابراھیم

زخم او کوہ را دو پارہ کند
عدل او موئے را کند دو نیم

خشم او کل من علیہا فان
عفو یحیی العظام وھی رمیم

فتح با رائیتش قریب و قرین!
جود با حضرتش قدیم و مقیم

کشف المحجوب میں ہے کہ عطا کا فارسی دیوان اور منہاج الدین در تصوف دو تصانیف ہیں۔

۸۹- حضرت علی ہجویری

(علی بن عثمان ابن علی الجُلاّبی ہجویری غزنوی ــــ لاہوری)

علم و عرفان دونوں میں فخر الاماثل والاقران تھے انکے شیوخ میں ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی ہیں جن کی خدمت میں برسوں گذار دیے۔ بعد از فراغ مشہور اسلامی شہروں کی سیر

کی۔حج بیت اللہ اور زیارۃ روضۂ نبوی سے متمتع ہوئے۔جس کے بعد سلسلہ اکتساب جاری کیا۔اور شیخ ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن قشیری، شیخ ابوسعید ابن ابوالخیر مہنوی، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی اور دوسرے مشاہیر ومحدثین کی خدمت میں برسوں رہے۔

اب ہندوستان کو قدوم میمنت لزوم سے مفتخر فرمایا۔اور اپنی سکونت کا شرف لاہور کو بخشا۔

تصانیف کشف المحجوب جو اہلِ علم واصحاب معرفت دونوں کی نزدیک معتبر ہے۔اس کتاب میں حضرت نے تصوف کے لطائف وحقائق جمع کردیے ہیں۔جیساکہ مولانا جامی نے اپنی کتاب نفحات الانس میں شیخ ممدوح کے علم ومعرفت کی توصیف کے بعد لکھا ہے

شیخ رحمتہ اللہ کا انتقال ماہ ربیع الاول ۴۶۵ھ میں لاہور میں ہوا۔یہیں آسودہ لحد ہوئے۔ان کا مزار زیارت گہ عام ہے۔

مترجم:۔یہ مرقد شہر لاہور کے قبلہ رخ ہے اور ان دنوں اس محلہ کا نام شیخ کے لقب داتا صاحب سے موسوم ہے۔حال ہی میں محکمۂ اوقاف نے مزار کے ملحقہ مکانات کے کرائے نذرانوں اور سرکاری امداد سے وہاں کئی اصلاحی اور رفاہِ عام کے شعبے قائم کردیے ہیں۔ایک سکول اور ایک شفاخانہ بھی ہے۔

آوارہ گرد اوباشوں کی نگرانی، اور عفیفات زائرات کی حفاظت ہے۔

۹۰- قاضی علی شیرازی

شیخ فاضل ابوالحسن علی شیرازی اپنے دور کے ممتاز عالم دین تھے۔

۹۱۔ مجدود بن مسعود غزنوی لاہوری

سلطان محمود غزنوی کے پوتے اور باپ ان کے سلطان مسعود لاہوری ہیں۔ مولد ہے شہر غزنہ۔ بالغ ہوئے تو والد مرحوم نے انہیں ۴۲۶ھ ۱۰۳۴ء میں لاہور بھجوا دیا کہ اپنے دادا حضرت محمود اور ان کے تابعین کے مفتوحہ ملک کی عنان سنبھالیں۔ تازیست انہوں نے یہ خدمت سرانجام دی اور اپنے اخلاق سے لوگوں کے دل ہاتھ میں لے لیے (فرشتہ) ۴۳۵ھ ۱۰۴۳ء میں لاہور ہی میں انتقال فرمایا۔ یہ زمانہ ان کے بھائی مودود کی حکومت کا تھا۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ انہوں نے ہانسی ضلع حصار میں رحلت فرمائی اور یہیں آسودۂ لحد ہوئے۔

۹۲۔ علامہ البیرونی

مشہور عالم الافلاک۔ بیرون (ان کا وطن) سندھ میں تھا۔ یہ کچھ عرصہ خوارزم میں رہے تو خوارزمی کہلائے۔ ہیئت و نجوم میں نہ صرف مشرق بلکہ مغرب بھی ان کا خوشہ چین ہے۔

ان کا نام محمد بن احمد اور کنیت ابوریحان ہے۔ عہد قدیم کے ممتاز فلاسفہ میں سے ہیں۔ دواسازی میں ماہر اور مندرجہ ذیل علوم پر پوری طرح دست گاہ تھی۔ یعنی حساب (علم ہندسہ) ہیئت، نجوم، فلسفہ، موسیقی جیسا کہ ابن اصیبعہ نے طبقات الاطبا میں لکھا البیرونی معاصر تھے شیخ الرئیس ابن سینا کے۔ دونوں کے درمیان مباحثات و مراسلات رہتی۔ میں نے شیخ الرئیس کی وہ تحریر دیکھی جس میں ممدوح کے ابوالریحان کی طرف چند جوابات تھے جن کے بارے میں موصوف نے ان سے دریافت کیا تھا۔ اور یہ تمام سوالات حکمت کے لیے مفید تھے۔

ابوالریحان کچھ مدت خوارزم میں رہے اور اس سے منسوب ہو گئے۔ پھر وہ

ہندوستان آگئے۔ اور چند سال تک یہاں قیام فرمایا۔ یہاں کے حکماء سے ان کے علوم پڑھے۔ خود ان کو یونانی فلسفہ پڑھایا۔ ان کے معاصر میں کوئی فرد ان کا ہم پلہ تھا۔ نہ علم الافلاک میں نظیر تھے۔

انہوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں :۔

۱ : کتاب الجماہر فی الجواہر :۔ جس میں جواہرات کے اقسام اور ان کے متعلقات پر بحث ہے۔ اور یہ (کتاب) البیرونی نے بادشاہ مودود ابو الفتح ابن مسعود غزنوی کے لیے لکھی۔

۲ ۔ آلاثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ :۔ (فارسی میں اس کا ترجمہ ایران میں ہو چکا ہے) علم نجوم اور اقوام و ملل کے آغاز سنین اور علوم تاریخ کے اکثر شعبوں پر ہے۔ یہ انہوں نے شمس المعالی قابوس کے لیے لکھی۔ اس میں مختلف قوموں کے مروجہ سنین اور ان سنین کے اندر اصولی اختلافات کے مبادی پر بحث ہے۔

۳ ۔ تجرید الشعاعات والانوار ۔ ایضاً قابوس مذکور کے لیے۔

۴ ۔ کتاب الاحجار ۔ جس میں بڑے پتھروں کے خواص مذکور ہیں۔

۵ ۔ کتاب مقالید الھیأۃ

۶ ۔ کتاب الشموس الشافیۃ للنفوس

۷ ۔ کتاب الصیدلنۃ فی الطب ۔ ادویات مفردہ کے خواص اور ان کے ناموں کی معرفت اور اس بارے میں متقدمین کا اختلاف رائے۔

۸ ۔ کتاب الاستیعاب فی تسطیح الکرہ (یعنی زمین کے چپٹا ہونے کے ثبوت میں)

ل۔ افسوس قدیم مکاتب کے ختم ہو جانے سے ان علوم اور مضامین کے سمجھنے والے بھی ختم ہو گئے۔ دان الرزیۃ کل الرزیہ ما حال بیننا وبینھم (مترجم)

۹ ۔ کتاب العمل بالاصطرلاب

۱۰ ۔ کتاب القانون المسعودی ۔ جو سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے لیے لکھی جس میں حکیم بطلیموس سے مطابقت مقصود ہے ۔

۱۱ ۔ کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم علی طریق المدخل در ۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء ابوالحسن علی بن ابوالفضل الخاصی کے لیے لکھی ۔

۱۲ ۔ کتاب التنبیہ علی صناعۃ التمویہ

۱۳ ۔ کتاب العجائب الطبعیۃ والغرائب الصناعیۃ

۱۴ ۔ مقالہ فی تلافی عوارض النزلۃ فی کتاب دلائل القبلۃ

۱۵ ۔ رسالہ فی تہذیب الاقوال

۱۶ ۔ کتاب اظلال

۱۷ ۔ مقالہ فی استعمال الاصطرلاب والکرّۃ

۱۸ ۔ کتاب الزیج المسعودی ۔ سلطان مسعود مذکورہ کی خاطر اختصار کتاب بطلیموس القلوذعی

اس کا ذکر مصنف نے اپنی تالیف ۲۷ میں کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل اصد عاجز رہ گئے ۔ دائرۂ عظمیٰ کا احاطہ دائرہ صغریٰ سے متعین کرنے میں (تب یہ کتاب سپرد خامہ ہوئی)

۱۹ ۔ شرح دیوان ابوتمام

۲۰ ۔ کتاب مختار الاشعار والآثار (مثل بیاض در فارسی و اردو اپنی پسند کے اشعار کا جمع کرنا ہے)

۲۱ ۔ عجائب الہند ۔ درباره بلادِ ہند ۔ اس میں مصنف کے ذوق علم ہندسہ و فلکیات) نیز متعلقہ جغرافیہ — اور ہندوؤں کے فرقوں کا ذکر ہے ۔

مصنف علامہ البیرونی کے بادشاہاں دیدہ واز صحبت آنہا چشیدہ کے لیے قصائد ہیں۔ ازاں جملہ یہ دو شعر ہیں۔

ولما مضوا واعتضت عنهم عصابة
دعوا بالتناسی فاغتنمت التناسیا!
وخلفت فی غزنین لحماً کمضغة!
علی وضم للطیر للعلم ناسیا!

یہ اشعار حموی نے معجم البلدان میں نقل کرتے ہوئے لکھے ہیں کہ میں نے یہ قصیدہ اپنی کتاب معجم الادباء میں نقل کر دیا ہے۔

۹۳۔ حضرت سلطان محمود غزنوی

یمین الدولہ امام عادل المظفر غازی محمود بن سبکتگین غزنوی مشہور بہ سلطان ۳۵۷ھ شب عاشورہ محرم کو پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ مغفورہ کے میکے سندھ کے شہر زابل میں تھے باپ کے سائے میں پروان چڑھے اور ان ہی کی مشالیت میں غزوات کی شرکت نصیب ہوئی انہوں نے انفراداً بھی باپ کی زندگی میں بھاری بھاری جنگوں میں فتحیں پائیں۔

سبکتگین رحمۃ اللہ نے انہیں نیشاپور کی حکمرانی عنایت فرمادی۔ امیر نوح ابن منصور سامانی نے انہیں سیف الدولہ کا خطاب دیا۔ وہ نیشاپور ہی میں تھے کہ ان کے والد مغفور نے ۳۸۷ھ میں غزنہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ محمود نے اپنے بعد فوری طور پر اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا جس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی مالی عطایا کی بارش شروع کر دی لیکن جونہی سبکتگین کی رحلت پر محمود مطلع ہوئے تو انہوں نے اسمٰعیل کو عمدہ پیرائے میں لکھا کہ:۔

باپ میرے حق میں نیابت کی تلقین فرمایا کرتے۔ آپ کو تو

اس لیے وصیت فرمائی کہ اس لمحہ میں آپ ان کے پاس تھے، مگر میں دور ——— تھا۔ اگر میری موجودگی میں ان کی وفات ہوتی تو ایسا نہ ہو سکتا تھا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں بھائی مالی ترکہ تقسیم کر لیں اور ملکی حصہ داری میں آپ تو بدستور غزنہ پر حکمران رہیں اور میں خراسان کی باگ ڈور سنبھالے رہوں۔ اور ہم دونوں باہمی مشاورت سے امور بادشاہت اور مصالح وقتی پر غور کرتے رہیں۔ تاکہ دشمن ہم پر غرانے کی جرأت نہ کریں۔

لیکن اسماعیل نے محمود کے ساتھ کسی معاملہ میں اتفاق نہ کیا۔ آخر محمود نے ہرات آکر اپنے بھائی کے ساتھ پھر وفا و کتابت کی بنا رکھی۔ مگر اسمعیل کو لالچ نے گھیر رکھا تھا۔ اس نے کسی بات پر کان نہ رکھے۔ اس پر محمود نے غزنہ پر ہلہ بول دیا۔ گھمسان کا رن پڑا اور غزنہ فتح ہو گیا۔ اسماعیل نے امان طلب کی۔ محمود نے شاہی خزانوں کی چابیاں طلب کر لیں۔ اور غزنہ پر اپنا کوئی اور نائب مقرر کر کے خود بلخ روانہ ہوا۔

یہاں آنے پر خراسان کے بادشاہ کا ایک نائب جو ماوراء النہر کے علاقے پر متعین تھا۔ برسرِ پیکار ہوا۔ تو محمود نے اسے شکست دے کر پورے خراسان کو زیرِ نگین کر لیا۔ جس سے سامانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ ۳۸۹ھ ۹۹۸ء کا واقعہ ہے۔ یہاں سے محمود کے القاب میں سلطان، امین الملۃ اور یمین الدولۃ کے اضافات ہوئے۔

سجستان کی طرف

اس وقفہ میں سجستان کا حکمران خلف بن احمد تھا۔ سلطان محمود نے اپنے بیٹے طاہر کو قہستان پر مامور فرما رکھا تھا جو اسی نے فتح کیا تھا۔ تب طاہر کو بوشنج کی طرف بھجوا دیا اور وہ اس پر قابض ہو گیا۔ خود سلطان خلف بن احمد کی جانب بڑھا جس نے اصبہند شہر میں پہنچ کر خود کو قلعہ بند کر

لیا۔ محمود نے اس پر سخت نگرانی رکھی۔ خلف نے ماتحتی کا قبالہ پیش کرنے کے ساتھ تاوان میں رقمِ خطیر پیش کی۔ تب سلطان نے اسے نجات دی۔

ہندوستان کی طرف رُخ

اس سے قبل ہند کے راجاؤں نے اپنے ماتحت مسلمانوں پر ہر قسم کے مظالم کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ جس کے کفارہ کے لیے محمود نے ادھر کا رخ کر لیا۔ یہ ۳۹۲ھ کا تذکرہ ہے۔ وہ پہلے پشاور آیا اور جے پال کو شکست دے کر اسیر کر لیا۔ جس میں شاہی خزانے کے بیش بہا جواہرات اور نقود اس کے ہاتھ آئے۔ اب وہ آگے بڑھا اور فتح کا جھنڈا لہراتا ہوا اندرون ہند میں آپہنچا ہندوستان کے اکثر راجگان مدافعت کے لیے یکجا ہو گئے۔ مگر محمود کی تقدیر میں فتح اور ان کی قسمت میں ناکامی تھی۔ وہ شکست کھا گئے اور معدودے چند افراد کے سوا بے حساب ہندو پبلک قتل ہوئے۔

پھر اس نے بہاطیہ پر حملہ کر کے خون ریز جنگ کی جس میں بے حساب غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے۔ اور اسی شہر پر ۳۹۵ھ ۱۰۰۴ء میں یہاں ہی کا ایک مسلمان ناظم مقرر کر دیا گیا۔

اب وہ ملتان پر ابوالفتح داؤد بن نصیر بن حمید قرمطی کی مزاج پرسی کے لیے آمادہ ہوا کیونکہ ابوالفتح نے اپنے خبیث عقیدے کی وجہ سے مسلمانوں کے عقاید بھی خراب کر دیے تھے۔ یہ واقعہ ۳۹۶ھ کا ہے۔ پہلے سلطان نے ہندو راجہ آنند پال کی طرف سفیر بھیجا کہ وہ انہیں اپنی راج دھانی میں سے ملتان کا راستہ دے۔ مگر راجہ نے اس کا جواب کچھ نہ دیا۔ تو محمود نے ابوالفتح سے پہلے انند پال ہی کا صفایا کرنے کی ٹھان لی۔ اس کے مقبوضہ شہروں میں قتل عام کر کے ان پر قابض ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر انند پال نے اپنی جان بچانے کی غرض سے کشمیر کی راہ لی۔ اور محمود کے لیے ملتان کا راستہ صاف ہو گیا۔ اس حملہ میں شہر کے باشندوں پر تلوار چلی نکلی اور بالآخر شہر فتح ہو گیا۔ مگر ابوالفتح نے بیس ہزار دینار سالانہ کے تاوان کے عوض

میں محمود سے صلح کر لی۔ اب سلطان غزنہ روانہ ہوا کہ ۳۹۷ھ میں یہاں کا ایک ہندو راجہ سکھ پال جو مسلمان ہو چکا تھا، مرتد ہو کر بغاوت کر اٹھا تو سلطان نے پھر ادھر کا رخ کیا۔ جونہی وہ سکھ پال کے قریب پہنچا، راجہ میدانِ مقابلہ میں آکر بھاگ نکلا۔ سلطان اس کی راجدھانی پر قبضہ کر کے وہاں ایک مسلمان کو حکمران مقرر کر کے غزنہ لوٹ گیا۔ مگر جلد ہی ایک اور جنگ کے لیے ۳۹۸ھ میں ہندوستان روانہ ہوا۔ پہلے نگرکوٹ فتح کیا اور وہاں سے بیش قیمت جواہرات اور سونے چاندی کے ظروف اور بے حد و حساب نقود سمیٹے۔ نگرکوٹ سے اندرون ملک ہند کا رخ کیا تو یہاں کے راجاؤں نے خود میں مقابلہ کی طاقت نہ پاکر صلح کی درخواست کی۔

تھانیسر جو قریب دہی پر مبنی تھی۔ اس لیے سلطان کو ۴۰۵ھ میں پھر یہاں آنا پڑا۔ پہلے تھانیسر فتح کر کے وہاں کے بت خانوں کو تہس نہس کیا نفیس

کشمیر جواہرات اور سونے چاندی کے انبار سمیٹے۔ اور کشمیر کا رخ کر لیا۔ یہاں اس کے لشکری سردی سے گھبرا کر محاصرہ کرنے سے جواب دے بیٹھے۔ یہ واقعہ لوہ کوٹ کا ہے۔ سلطان غزنہ لوٹ آیا۔ مگر ۴۰۹ھ

لوہ کوٹ

قنوج میں وہ پھر واپس ہندوستان آیا۔ اور قنوج کے گرد و نواح کو پامال کرتے ہوئے وہاں کے قلعہ پر ہلّہ بول دیا۔ جو نہایت محفوظ اور ناقابلِ تسخیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سر کرا ہی دیا۔ اور یہاں کا راجہ مرعوب ہو کر صلح کا طلب گار ہوا۔

میرٹھ: یہ لیجیے میرٹھ کی نوبت آگئی اور وہ بھی فتح ہو گیا۔

مہابن اور متھرا اب مہابن اور متھرا کی باری تھی۔ یہ بھی سرنگوں ہو گئے۔ یہاں کے بت اور اصنام ریزہ ریزہ کر دیے گئے۔ اور

ان شہروں سے بہت سا زر و سیم ہاتھ آیا۔

اسی طرح اور اور شہر بھی اس نے فتح کیے۔

سلطان نے ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء میں غنیمت کا تمام مال یک جا کیا۔ اور کالنجر کی طرف عنان توجہ پھیر دی۔ جس کی راہ میں قسم قسم کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ دریائے گنگا کو عبور کر کے کئی شہر فتح کر کے اموالِ غنیمت میں اور اضافہ کیا۔ ان شہروں میں بھی بے شمار ہندو موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ حتیٰ کہ ۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء میں کالنجر سے پہلے قلعہ گوالیار فتح کر لیا۔ مگر کالنجر کے راجہ سے تاوان لے کر اس سے آگے بڑھ گیا۔ اور غزنہ جا پہنچا۔

۴۱۶ھ/۱۰۲۵ء میں وہ پھر لوٹا اور سومنات پر حملہ کر کے اسے سر کر لیا۔ یہ بہت بڑا شہر تھا۔ اور سمندر کے کنارے پر واقع۔ وہاں کے بڑے بت کا نام بھی سومنات ہی تھا۔ سومنات کے مندر کا کچھ حصہ نذرِ آتش کر کے اس کا ایک حصہ غزنہ لے گیا جس سے غزنہ کی مسجد جامع کا صدر دروازہ بنایا گیا۔ سومنات میں محمود کو سونے کی زنجیر بھی ملی جس کے ساتھ دو من وزن کا گھنٹہ بھی تھا۔ نیز وہاں کے بتوں کے نذرانے جو سونے اور چاندی کے تھے۔ ان خزائن کی قیمت بیس لاکھ دینار تھی۔ (اور ایک دینار مساوی اشرفی کے ہے۔ مترجم) سلطان نے یہ تمام نقود و نائس سمیٹ کر ۴۱۷ھ میں غزنہ کی راہ لی، جہاں پہنچ کر اس نے بغداد کے دیوانِ اعلیٰ کی طرف خط لکھا۔ اس میں ان فتوحات کی تفصیل تھی۔ جس خط پر دیوان نے محمود کو الامام القادر باللہ العباسی "یکہیف الدولہ والدم" کا لقب دیا۔

سلطان محمود کی سیرۃ پر مؤلفات

۱۔ تاریخ یمینی از ابوالنصر محمد بن عبد الجبار العتبی الفاضل۔

۲۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ۔ از تاج الدین سبکی جس میں مولف نے سلطان کے مناقب

دل کھول کر قلم بند کیے ہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شروع میں سلطان حنفی تھا۔ مگر جب اس نے صلاۃ القفال کا قصہ پڑھا تو شافعی ہو گیا۔

۳۔ امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک جوینی اپنی تالیف مغیث الخلق فی اختیار الاحق میں لکھا ہے کہ صلوٰۃ القفال کا واقعہ محمود کے بالمواجہہ گذرا۔ اور یہ ماجرا مشہور ہے۔ اس لیے اس کا ذکر کرنا لاحاصل ہے۔

۴۔ ابن خلکان نے کتاب وفیات الاعیان میں سلطان کا تذکرہ نہایت عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔

۵۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں محمود کے غزوات اور فتوحات تفصیل وار لکھے ہیں۔

۶ ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں مجملاً " " " " " " " " " " " " " " " " "

ان کے سوا بھی بے شمار اہلِ قلم نے مختصر طور پر محمود کے غزوات اور فتوحات تفصیل وار لکھے ہیں۔

۷۔ راقم مؤلف (سید عبد الحئی) نے اپنی تالیف جنۃ المشرق میں نہایت بسط سے لکھے ہیں۔

سلطان محمود صاحبِ تصنیف تھا

انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ ازاں جملہ تفرید ہے جس کا تذکرہ کشف الظنون میں ہے۔

اور امام مسعود بن شیبہ سے منقول ہے کہ سلطان محمود اکابر فقہاء سے تھا۔ اس کی کتاب التفرید غزنہ کے گرد و نواح میں متداول ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل ہیں جو نہایت تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ احناف کی مشہور کتاب تاتار خانیہ میں التفرید کے مسائل نقل کیے گئے ہیں۔ سلطان نے جب دیکھا کہ امام شافعی کا مسلک ظاہر حدیث کے قریب ہے اس نے علماء کو جمع کر کے گفتگو کی اور اپنا مسلک تبدیل کر لیا۔

سلطان محمود صاحب عقل ودانش، متدین اور دین دار تھا۔ وہ علم اور اس کے ماخذ جانتا تھا۔ علمائے عہد نے اس کی خاطر سے مختلف فنون میں کتابیں لکھیں اور اس کی زیارت کے لیے دور سے آتے جن کی تعظیم کی جاتی تھی۔ اور ان کے ساتھ احسان کا ہاتھ بڑھاتا تھا۔

سلطان محمود نے بے شمار جنگیں لڑیں۔ رعایا کے ساتھ مالی احسان کیا۔ اور ان کے معاملات میں حسن سلوک سے پیش آیا۔ جہاد سے کبھی منہ نہ موڑا۔ کسی مصنف نے سلطان کی اس خوبی پر حرف گیری نہ کی۔ البتہ بعض حاسدوں نے اس کے مال سمیٹنے پر نکتہ چینی کی۔ اس کی فتوحات مشہور ہیں جن سے اس کے رضائے الٰہی میں خود کو دھکیلنے کا سبق ملتا ہے۔

اس نے طوس میں علی بن موسےٰ اور ہارون الرشید کا مقبرہ بہت اچھے طریق سے تعمیر کرایا۔ یہ وہی عمارت تھی جسے اس کے باپ سلطان سبکتگین نے مسمار کرا دیا تھا۔ طوس کے باشندے اس مقبرہ کے زائرین کو تکلیفیں دیتے مگر سلطان محمود ان کو منع کرتا۔

حلیہ سلطان محمود متوسط القامتہ۔ چہرے پر ملاحت برستی۔ آنکھیں چھوٹی اور بالوں کی رنگت سرخ تھی۔

مزاج میں تلخی اور اسہال کا سدا مریض تھا۔ دو سال اس مرض میں مبتلا رہا۔ مگر وہ نہایت مضبوط ارادے کا تھا۔ شدت علالت میں بھی پلنگ پر دراز نہ ہوا۔ کبھی رخسار تلے ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہتا۔ اطباء نے اسے آرام کا مشورہ دیا۔

عادات وہ صبح وشام خواص وعام کے ساتھ مجلس میں آتا۔ اور ان سے دریافت کرتا کیا میں سلطانی ترک کر دوں۔ مدتوں اسی طرح کہتا رہا۔ یہاں تک ایک روز بیٹھے بیٹھے اس کی روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ ۱۱۔ ویں صفر یا ربیع الثانی ۴۲۱ھ کا سانحہ ہے جو غزنہ ہی میں رونما ہوا (بحوالہ تاریخ کامل)

۹۴۔ شہاب الدین مسعود بن محمود غزنوی

م ۴۳۱ھ

کنیت ابو سعد۔ مشہور عالم سلطان محمود غزنوی کے فرزند۔ اپنے والد کی زندگی ہی میں اسلحہ سنبھال لیے۔ طبرستان بلد الجبل اور اصفہان وغیرہ فتح کیے۔ امام قادر باللہ نے خراسان میں ان کی بیٹھک کی اور ناصر الدین کا خطاب دیا۔ اور ان کے والد کے تمام عسکری ان سے متعلق ہو گئے۔ جب سلطان محمود کا غزنہ میں انتقال ہوا۔ تب وہ اصفہان میں تھے جن کی نیابت باپ کی وصیت کے مطابق محمد کو تفویض ہوئی۔ وہ یہ خبر سن کر خراسان روانہ ہو گئے۔ اور اپنے بھائی محمد کی طرف خط لکھ دیا کہ والد مرحوم نے آپ کو جو کچھ دیا ہے میں اس میں سے کوئی شے نہیں چاہتا۔ میرے لیے یہی علاقے کافی ہیں۔ جو میں نے طبرستان وغیرہ میں خود فتح کیے ہیں۔ آپ میرے ساتھ موافقت سے پیش آتے رہیے۔ مگر خطبہ میں میرا نام پہلے آنا چاہیے۔ محمد نے اس خط کا جواب نہایت نامناسب دیا۔ آخر تو محمد بے تدبیر شخص تھا اور لذات و تعیش میں گھرا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ وہ مسعود پر حملہ آور ہوا۔ مگر اس کے بعض عسکری مسعود کے طرفدار تھے اس کی شجاعت اور بڑے ہونے کی وجہ سے۔ محمد اس کے لشکر پر پل پڑا۔ کئی شہر سر کر لیے۔ مگر اس کے عسکری اسے مسعود سے ڈراتے کہ مسعود خود بھی مضبوط الجثہ ہیں۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر ان عسکریوں نے اسے گرفتار کر کے قلعے میں بند کرا دیا اور مسعود حکمرانی کے لیے مقرر ہو گیا۔ ۴۲۲ھ میں اس نے اپنا لشکر تیز اور مکران کی طرف ریل دیا۔ اور یہ علاقہ فتح کر لیا۔ اور اسی سن میں اس کا ہندوستانی نائب اریاق الحاجب باغی ہو گیا۔ ادھر مسعود نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی حتیٰ کہ البغ جا پہنچا۔ یہاں احمد بن حسن جہندی وزیر اریاق باریاب ہوا۔ مسعود نے اسی کا پرتپاک استقبال کیا۔ مگر وہ تو نائو نوش میں مصروف ہو گیا۔ اسکی غفلت دیکھ کر مسعود نے اسے گرفتار کر کے اور ہندوستان کی سر براہی پر احمد نیالتگین الحاجب کو مامور کر دیا مگر ۴۲۵ھ میں احمد نے بھی سرکشی کر لی جس پر مسعود نے ایک لشکر جرار بھیجا اور احمد اس لڑائی میں مارا گیا۔ تب مسعود نے اپنے بیٹے محدود کو ہندوستان پر عامل کر کے بھیجا۔ ۴۲۶ھ میں ایک عام لڑائی ٹھن گئی جس میں مسعود جرجان روانہ ہوا اور فتح کے بعد یہ علاقہ اپنے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا ۴۳۰ھ میں مسعود نے خراسان کا رخ کر لیا اور بنو سلجوق کے ساتھ جنگیں ہوئیں۔ (جن کا تذکرہ طویل ہے) ۴۳۱ھ اس نے خراسان کے بعض قلعے فتح کر لیے۔ آخر وہ غزنہ لوٹ آیا اور اپنے بیٹے مودود کو ایک لشکر جرار دے کر

نو سلجوق کے لیے خراسان بھجوا دیا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد اس کا ارادہ ہندوستان آنے کا ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے اس
اپنے بے وفا بھائی محمد کی آنکھوں میں گرم سلائی پھرواکر اس کا تمام خزانہ اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس کا ارادہ ہندوستا
آکر سلجوقیہ کے خلاف تیاری کرنا تھا۔ وہ ادھر چل پڑا مگر دریائے سیحون عبور کرنے کے بعد اسے کچھ خزانے مل گئے
یہاں انوشتگین آپہنچا۔ اس نے کئی لٹرکے جمع کیے اور خزانہ میں جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ سمیٹ کر اپنے قبضے میں
لیا۔ اب اس نے محمد کو بلایا اور اس کی امارت کا اعلان کیا۔ یہاں مسعود کے ساتھ صرف اس کا لشکر تھا۔ فریقین میں
گھمسان کا رن پڑا۔ اس لڑائی میں مسعود کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ شکست کھا کر رباط ماریکلہ میں جا کر چھپ
گیا۔ مگر تھوڑے سے عرصے کے بعد وہ پھر باہر آکر سامنے ہوا اور اس دفعہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور محمد نے اسے قلعہ
کیکئی میں نظر بند کر دیا لیکن محافظوں کو مسعود کے احترام کا حکم دے دیا۔ اور ملک کی سربراہی کے لیے اس کے بیٹے
محمد کو نامزد کیا۔ مگر یہ صاحبزادہ مخبوط الحواس تھا۔ اس کے ساتھ اپنے عم زاد یوسف اور ابن علی خوشاوندی وغیرہ کو مسعود کے
قتل پر آمادہ کر کے اسے شہید کرا دیا ــــــــ مسعود دلیر، شجاع اور علما کا قدر دان تھا۔ جنہوں نے اس کے لیے
کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً مسعودی در ریاضی ابوالریحان نے۔ کتاب مسعودی در فقہ قاضی ابو محمد ناصحی نے۔ خیرات اس
کا مشغلہ تھا۔ مساجد کی تعمیر اسے مرغوب تھی اس نے جو عمارتیں تعمیر کرائیں، دور دور سے لوگ دیکھنے کے لئے آتے
وہ شعراء کو بیش بہا انعامات دیتا۔ ایک شاعر کو تو ایک ہزار دینار بخش دیے اور دوسرے شاعر کو ایک ہزار درہم فی شعر
اس کا خط نہایت عمدہ تھا۔ بادشاہی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یعنی اصفہان۔ رے۔ ہمدان، طبرستان۔ جرجان
خراسان خوارزم۔ بلاد راون، کرمان، سجستان، سندھ۔ رخج۔ غزنہ، پنجاب۔ اس کے کارناموں پر بہت سی کتابیں ہیں۔

۹۵۔ نوشتگین بن الحاجب الکوفی

سلطنت غزنویہ کے معتمد تھے۔ سلطان کے بیٹے عبدالرشید نے ۴۴۱ھ میں انہیں ہندوستان
کی حکمرانی تفویض فرمائی۔ اور لاہور بھیجا۔ اس نے نہایت عمدہ انداز میں نیابت کی اور کردار قابل ستائش دکھایا
نگرکوٹ دوبارہ اسی نے فتح کیا۔

(بحسب بیان فرشتہ)

طبقۂ سادسہ

(۶-ویں صدی ہجری کے اکابرِ ہند)

طبقہ سادسہ

۹۶ - احمد بن زین ملتانی

م ۵۵۷ھ
۱۱۸۱ء

منصب شریف پہ فائز۔ نام احمد ابن زین ابن عمر ابن عبد اللطیف چشتی ملتانی۔ از احفاد اسمٰعیل بن جعفر بن محمد علوی۔ مولد ہندوستان ہے۔ سن رشد میں بغداد گئے اور زودراء کے اساتذہ سے اکتساب کیا۔ شیخ سہروردی شہاب الدین عمر بن محمد اور ان کے اہل حلقہ کو بغداد ہی میں پایا۔ اور ان سے ان کے علوم حاصل کیے۔ بغداد سے واپسی کے وقت قریۂ چشت میں شیخ مودود چشتی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پیر مودود صاحب کے

کشف وکرامات کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ ۵۷۶ھ میں آسودہ لحد ہوئے ۔ قبر ملتان میں ہے ۔

(از تاریخ الاولیا)

۹۷ - احمد بن محمد تمیمی المنصوری

م سنہ ؟

ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری ۔ از ساکنین شہر منصورہ (سمعانی) عراق میں سکونت اختیار کی ۔ نہایت ظریف الطبع عالم تھے ۔ فارس میں ابوالعباس ابن اثرم ۔ اور ۔ بصرہ میں ابوروق سے روایت سنی ۔

۹۸ - بختیار بن عبداللہ الہندی

م ۵۳۲ھ
۱۱۴۲ء

ابوالحسن صوفی الزاہد (سمعانی) قاضی محمد بن اسمٰعیل یعقوبی قاضی بوشنج شیخ صالح صاحب سیرۃ اعلیٰ کے آزاد کردہ تھے ۔ (سمعانی) نیز یہ کہ وہ آزاد کردہ غلام تھے میرے والد امام رحمۃ اللہ کے ۔ ان کی متابعت میں عراق و حجاز کا سفر کیا ۔ اور ان کے علوم سے بہرہ مند ہوئے ۔ مرد صالح تھے ۔ بغداد میں انہوں نے ابومحمد جعفر بن احمد بن الحسین السراج والوالفضل محمد بن عبدالسلام بن احمد الضاری والوالحسین المبارک ابن عبدالجبار الطیوری سے اور ہمدان میں ابومحمد عبدالرحمٰن بن احمد بن الحسن الدونی سے ۔ اور اصفہان میں ابوالفتح محمد بن احمد الحداد اور ان کے طبقہ سے سنا ۔ خود ان سے کم لوگوں نے سنا ۔

ان کا انتقال مرو میں ہوا ۔

۹۹- بختیار ابن عبد اللہ الہندی

م ۵۴۱ھ / ۱۱۴۶ء

کنیت ابو محمد بختیار ابن عبد اللہ الہندی الفصّاد (سمعانی) آزاد کردہ اور وقت کے امام تھے سمعانی کے والد کے) ان کے ہمراہ عراق و حجاز میں گھومے پھرے اور وہاں کے اصحاب روایت سے بکثرت احادیث سنیں بغداد میں مرد صالح ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج اور ابو الفضل محمد بن عبد السلام ابن احمد الضاری و ابو الحسین مبارک ابن عبد الجبار الصنوری سے احادیث سنیں۔ ہمذان میں ابو محمد عبد الرحمن بن احمد بن حسن الددنی۔ اور اصفہان میں ابو الفتح محمد بن احمد حداد اور ان کے ہم پلہ (طبقہ) سے احادیث سنیں۔ سمعانی نے ان سے چند احادیث سنیں۔ مرو میں ان کا انتقال ہوا۔

۱۰۰- معز الدولہ بہرام شاہ غزنوی

م ۵۱۲-۵۴۷ھ / ۱۱۱۸-۱۱۵۲ء

بادشاہ عدل گستر، کریم النفس معز الدولہ بہرام شاہ ابن مسعود بن ابراہیم بن مسعود ابن محمود ابن سبکتگین غزنوی۔ مولد شہر غزنہ۔

جب ان کے والد شاہ مسعود نے ۵۰۸ھ / ۱۱۱۴ء میں داعی اجل کو لبیک کہا تو ان کی گدی پر ان کے فرزند ارسلان شاہ قابض ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے بھائیوں کو جیل میں بند کر دیا۔ مگر بہرام شاہ بھاگ کر خراسان چلا آیا۔ جہاں سنجر ابن ملک شاہ حکمران تھا۔ سنجر نے بہرام شاہ کے لیے لشکر جمع کیا اور اس کی معیت میں غزنہ کی طرف بڑھا۔ جنگ ہوئی اور ارسلان نے شکست اٹھائی۔ دونوں فاتح شہر غزنہ میں داخل ہوئے۔ اور ملک شاہ نے بہرام کو اس کے دادا کے تخت پر بٹھا کر اس کے اور اپنے دونوں کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

سنجر اس منزل سے لوٹ کر خراسان آگیا۔ ادھر ارسلان شاہ ہندوستان جا پہنچا۔ اور اس کے پرانے ساتھی اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ تب وہ بامیان کی طرف بڑھا۔ بہرام شاہ نے یہ سنا تو اس کی اطلاع سنجر کو دی۔ جس نے اس کے پاس ایک لشکرِ جرار بھجوا دیا۔ ارسلان شاہ غزنہ کے نواح میں ایک مہینہ پڑاؤ کرنے کے بعد لڑائی کے بغیر واپس لوٹا۔ کیونکہ اس کے ہمراہی ڈر رہے تھے۔ اور وہ جبالِ اوغنان میں آنکلا۔ بہرام شاہ جو اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے ارسلان کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۱۲ھ / ۱۱۱۸-۱۱۱۶ء میں رونما ہوا۔

اس کے بعد بہرام شاہ نے اپنے آبائی ملک میں صلاحیت کے ساتھ حکومت کی۔ علماء اس کے پاس آتے تو وہ ان سے بہت اچھا سلوک کرتا۔ وہ ہندوستان بھی آیا۔ اور یہاں کی خرابیاں دور کیں۔ یہاں سے اپنے نائب محمد ابن باصلیم کو گرفتار کر کے جیل میں دھکیل دیا۔ مگر اس کے توبہ تلا پر اسے آزاد کر کے پھر وہ علاقہ اس کی سپردگی میں دے کر غزنہ کی طرف کوچ کیا۔ جس کے بعد محمد ممدوح نے افاغنہ اور خلجیوں کا لشکر جمع کر کے ہندووں پر حملے کیے۔ بہت سے شہر اور قلعے سرنگوں کر لیے اور دوبارہ بغاوت پر اتر آیا۔

بہرام شاہ نے یہ سنا تو ایک لشکرِ جرار لے کر ادھر لوٹا۔ محمد کو شکست دے کر اس کے بیٹے سمیت اسے قتل کر دیا۔ اور اپنا نائب حسین بن ابراہیم علوی کو مقرر کر کے غزنہ چلا گیا۔ اس کے غزنہ لوٹنے پر ۵۲۵ھ / ۱۱۳۰ء میں سنجر شاہ نے اس پر حملہ کر کے شکست دی۔ مگر بعد میں بہرام کو امان دے کر اپنے ملک کی راہ لی۔

۵۴۰-۴۳ھ / ۱۱۴۸-۱۱۴۵ء میں جب سیف الدین سوری غوری نے غزنہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تو بہرام شاہ نے سوری کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہندوستان کا قصہ کر لیا۔ اور وہاں سے ایک بے کراں لشکر جمع کر کے غزنہ پر چڑھائی کر دی اور غزنہ فتح کر کے

سیف الدین کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس سانحہ کی خبر غور کے بادشاہ علاء الدین نے سنی تو غزنہ پر تاخت کے لیے لشکر جمع کیا۔ مگر بہرام شاہ اس کے آنے تک آسودہ لحد ہو چکا تھا۔

اخلاق و اطوار بہرام شاہ اخلاق ستودہ سے بہرہ مند اور عقیدہ میں عمدہ تھا علماء کا محب، ان کی تعظیم و تکریم میں پیش پیش۔ ان کے لیے داد و دہش میں فراخ دل۔ ایک بڑے کتب خانہ کا جمع کنندہ جو کتاب اس کے حضور میں پڑھی جاتی۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیتا۔ اہل قلم نے اس کا یہ ذوق دیکھ کر بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ ازاں جملہ کلیلہ دمنہ کا عربی سے فارسی میں ترجمہ ہے۔ سنائی نے "الحدیقہ" ۵۲۵ھ میں لکھی۔ سنائی کا نام ابوالمجد مجدود ابن آدم الغزنوی ہے۔

بہرام شاہ کی بادشاہت ۳۵۔۳۶ سال تک ممتد رہی۔

رحلت بقول ابن اثیر ۵۴۸ھ اور بروایت فرشتہ ۵۴۷ھ میں ہوئی۔

۱۰۱۔ سالار حسین علوی

سالار حسین بن ابراہیم علوی دولت غزنویہ کے رکن تھے۔ بہرام شاہ غزنوی نے انہیں محمد باہلیم کو قتل کرنے کے بعد ہندوستان کی حکمرانی عطا فرمائی۔ جہاں یہ مدتوں برسر اقتدار رہے۔

۱۰۲۔ حسین بن احمد العلوی ہانسوی

شجرہ شریف:۔ نام حسین بن احمد بن حمزہ ابن عمر بن محمد ابن محمد العلوی المکی ثم الہندی الہانسوی المشہور بنعمۃ اللہ الولی۔ از اولاد الامام علی رضا العلوی۔ ہندوستان آئے اور شہاب الدین (؟) نے انہیں ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں قلعہ ہانسی پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا، جہاں یہ شہید کر دیے گئے۔ اور ان کے روضہ پر امراء نے مسجد تعمیر کرا دی جس مسجد کے کتبے

پر یہ عبارت کندہ ہے۔

هذا المسجد علی بن اسفندیار فی عشر ذی الحجة سنة ثلاث وتسعین وخمس مائة ۵۹۳ھ / ۱۱۹۶ء

۱۰۳- خسروشاہ الغزنوی

م ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء

خسروشاہ ابن بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم ابن مسعود بن محمود ابن سبکتگین الغزنوی الاہوری از شاہاں غزنوی۔ جو علوم دین سے بھی آگاہ تھے۔

۵۴۸ھ / ۱۱۵۳ء میں علاء الدین غوری نے جب غزنہ پر قبضہ کر لیا۔ تو یہ ہندوستان چلے آئے ان کے باپ نے انہیں لاہور پر تعینات کیا تھا۔ یہ اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق لاہور ہی میں رہے آئے۔

اور ان کی وفات جو ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء میں بتائی گئی ہے تو یہ غلط ہے بلکہ یہ سلطان علاء الدین غوری کے عہد تک زندہ رہے۔ جس نے بہرام شاہ اور خسرو دونوں کو گرفتار کر کے ہندوستان کے ایک قلعے میں قید کر دیا۔ (کامل) لیکن صواب یہ ہے کہ خسرو نے لاہور میں ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء میں وفات پائی۔ اس نے صرف سات سال حکومت کی۔ (طبقات ناصری)

۱۰۴- خسرو ملک لاہوری

ملک ان کے نام کا جزو ہے۔ یعنی خسرو ملک بن خسرو شاہ (۱۰۳) ابن بہرام شاہ غزنوی لاہور سلطان الہند و خاتم الملوک الغزنویہ علوم میں بھی متبحر تھے۔ اپنے والد خسرو کی رحلت کے بعد ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء میں بادشاہت کی عنان اپنے ہاتھ میں سنبھالی اور برسوں تخت مملکت کو زینت بخشی۔

علمائے کرام سدا ان کے دربار میں جمع رہتے اور مالی سرپرستی سے بہرہ مند ہوتے۔

۵۰۷ھ (۱۱۱۳ء - ۱۱) میں بادشاہ شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ تو یہ سن کر خسرو شاہ نے دریائے سندھ پر مورچہ لگا دیا۔ شہاب الدین نے یہاں سے ہٹ کر پشاور اور اس کے گرد و نواح پر قبضہ کر لیا۔ اب وہ دوبارہ غزنہ کی طرف لوٹا اور یہاں پہنچ کر کچھ دن آرام کی غرض سے پڑاؤ کر کے ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ء) میں ایک لشکرِ جرار لے کر لاہور کی طرف بڑھا اور شہر کا محاصرہ کر کے خسرو ملک کی طرف قاصد بھیجا کہ وہ "لاہور فتح کیے بغیر نہ رہے گا" مگر خسرو نے اسے تسلیم نہ کیا ـــــ شہاب الدین نے شہر کا محاصرہ جاری ہی رکھا جس سے اہلِ شہر کو اپنے بادشاہ کی کمزوری کا احساس ہونے لگا۔ آخر انہوں نے خود حاضر ہو کر شہاب الدین سے امان کی درخواست کی۔ وہ شہر میں در آیا تو اس نے غیاث الدین کو خسرو ملک کے بھائی کی طرف بھیجا۔ تب خسرو ملک اپنے بیٹے بہرام شاہ کو ہمراہ لے کر حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے غیاث الدین کو حکم دیا کہ ان دونوں کو فلاں قلعے میں قید کر دیا جائے ـــــ بالآخر ۵۹۸ھ (۱۲۰۱ء) میں دونوں قتل کر دیے گئے (طبقات ناصری)

۱۰۵۔ طغا تگین الحاجب

امیر ـــــ غزنوی۔ دولت غزنویہ کا معتمد۔ سلطان علاء الدولہ مسعود ابن ابراہیم بن مسعود غزنوی نے اسے ہندوستان پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ لاہور آ کر اس نے قیام کیا اور مدتوں رہا۔ اس کے بعد اور کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ارسلان شاہ نے محمد باہلیم (۱۱۱۱ء) کو ۵۰۸ھ میں ہندوستان سونپ دیا۔ غالباً صاحبِ ترجمہ صرف ایک سال ہی ہند میں رہا۔ اس کے بعد معزول ہو گیا اور اسی سال رحلت کی۔

محمد بن قاسم بن ہندو شاہ استر آبادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ مسلمان بادشاہوں میں سلطان محمود غزنوی کے بعد سب سے پہلے اس نے دریائے گنگا عبور کر کے اس

پار کے شہر فتح کیے اور غنیمت حاصل کی۔ جس کے لیجا وہ بخیریت تمام لاہور واپس لوٹ آیا۔

۱۰۶۔ عبدالصمد ابن عبدالرحمٰن لاہوری

کنیت ابوالفتح۔ الشعبی اللاہوری۔ عالم محدث، ابوالحسن علی بن محمد بن الحکم لاہوری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سمعانی نے سمرقند میں سنی (الانساب)

۱۰۷۔ علی بن عمر لاہوری

م ۵۲۹ھ ۱۱۳۴ء

الشیخ ابوالحسن علی بن عمر بن الحکم اللاہوری عالم محدث۔ ادیب و شاعر اور بجید حافظہ سے بہرہ مند۔ اشعار میں بلاغت۔ روایت سنی ابو علی مظفر بن الیاس ابن سعد السعیدی الحافظ سے۔ (سمعانی) یہ روایت سمعانی سے ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ البغدادی نے بیان کی جب کہ ابوالفتوح عبدالصمد (۱۰۸) سمرقند میں تھے۔

۱۰۸۔ عمر بن اسحاق الواشی

شیخ الامام ابو جعفر عمر بن اسحاق الواشی اللاہوری۔ اپنے عہد کے مشہور علما سے تھے۔ اور ممتاز شاعر۔ عوفی نے لباب الالباب میں ان کے ذکر میں یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

دوش در سودائے دلبر بودہ ام

بالبِ خشک و رُخِ تر بودہ ام!

در خمارِ عبہر مخمورِ او

دیدہ باز از غم چو عبہر بودہ ام!

وز غم چشم و تفِ دل ہر زماں!
گوئی اندر آب و آذر بودہ ام!
ہم چو بحر و کاں ز آب و خونِ خشک
پر ز دُر و پُر ز گوہر بودہ ام!

۱۰۹- عمرو بن سعید لاہوری

م ۵۸۱ھ / ۱۱۸۵ء

شیخ عمرو بن سعید لاہوری - فقیہ محدث (بروایت حموی) حافظ ابو موسیٰ مدینی و محمد ابن ابوبکر اصفہانی دونوں نے ان سے روایت کی۔

۱۱۰- سید کمال الدین ترمذی

م ۶۰۰ھ / ۱۲۰۳ء

بن عثمان بن ابوبکر بن عبداللہ ابن ابوطاہر ابن زید بن الحسین بن احمد بن الحسین ابن عمر بن یحییٰ بن الحسین ذو العبرۃ الحسینی العلوی الترمذی اپنے عہد کے مشہور اکابر سے تھے۔ ۵۸۸ھ / ۱۱۹۲ء میں شہاب الدین غوری کے ہمراہ ہندوستان آئے اور کیتھل میں مقیم ہو گئے۔ اور یہیں انتقال فرمایا۔ ان کی نسل بے شمار بڑھی۔ یہ لوگ سید ترمذی خود کو بتاتے تھے۔

۱۱۱- محمد باہلیم الحاجب

امیر محمد باہلیم الحاجب غزنوی۔ دولت غزنویہ کے رکن۔ ارسلان شاہ ابن مسعود غزنوی نے انہیں ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء میں ہندوستان بھجوایا۔ مگر ارسلان شاہ جب ۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء

میں مارا گیا اور اس کا جانشین بہرام شاہ ہوا۔ وہ ہندوستان آگیا۔ تو محمد باہلیم نے بغاوت کردی۔ سلطان نے اسے گرفتار کرا دیا۔ در ۵۱۲ھ/۱۱۱۹ء۔ اس کے توبہ تلاؔ پر رہا کر کے دوبارہ اسے عساکر ہندی پر تعینات کر کے خود غزنہ لوٹ گیا۔ ابن باہلیم تاک ہی میں تھا۔ اس نے افاغنہ اور خلجیوں کی فوج بنالی۔ ہندوؤں کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھرتا رہا اور ملک کے کئی شہر اور قلعے دبا لیے۔ ناگور میں اس نے پہاڑ میں خود ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ جس میں اپنے اہل و عیال کو رکھا۔ اور بہرام شاہ سے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ یہ سن کر بہرام شاہ ہندوستان آیا اور معرکہ آرائی میں باغی اپنے بیٹوں سمیت قتل ہوا۔

۱۱۲- محمد بن عبدالملک جرجانی

شیخ الامام ظہیر الدین محمد بن عبدالملک جرجانی لاہور کے مشایخ مشہور سے تھے۔ (بقول عوفی) اعلم العلماء در زہد و تقویٰ میں فخر اماثل۔ ان کے معاصر میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ شعر بھی کہتے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

گردشِ روزگار پر عبر است
نیک داند کسے کہ معتبر است

چرخ پر شعبدہ است و پُر نیرنگ
ہمہ نیرنگہاش کارگر است

بد و نیک زمانہ مختلط است!
غم و شادیش ہر دو منتظر است

ہست حمالِ آب دریا ابر
خاک را حقہ ہائے پُر درر است

بازششیر برق تیغ کشیاد! چوں یلاں کوہسار باکمراست
اندریں روزگار ناساماں! ہر کہ باعاشقیست باہنراست
ہم چو روباہ ہست کشتہ دم ہم چو طاؤس مبتلائے پراست
اختر و آخشیج بے مہرآند اگر ایں مادر است وآن پدراست
ازچنیں مادرو پدر چہ عجب گر موالید مانده دربدراست

....

۱۱۳ - محمد بن عثمان جوزجانی

م ۵۵۹ھ

— ابن ابراہیم ابن عبد الخالق جوزجانی - ملقب بہ سراج الدین بن منہاج الدین لاہوری صاحب ترجمہ جملہ علوم میں متبحر تھے - خصوصاً فقہ و اصول فقہ و دیگر فنون عربیہ میں فرد یگانہ - لاہور ان کا مولد اور سمرقند پرورش گاہ ہے - اپنے دور کے اکثر اساتذہ سے پڑھا پھر امرا اور بادشاہوں کے دربار میں انسلاک حاصل کیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء میں انہیں لاہور چھاؤنی کا قاضی مقرر فرمایا - اس کے بعد بہاء الدین سام بن محمد بامیانی نے انہیں بامیان بلاکر قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ اس نے بامیان کے دوازدہ مدرسوں کا نظام اور ان کے متعلق جملہ مناصب خطابت و حسابات وغیرہ پر فائز کیا - عوفی نے

لباب الالباب میں ان کے علم وفضل کی بہت تعریف کی ہے ۔ اور ان کے یہ اشعار زیب اوراق فرمائے ہیں :

دل رابرخ خوبِ تومیل ودفا داست
جاں دیدہ برامید لبت بکشاد است!
بے چشم آب زن حاک دات خواہد بود!
گر عمر وفا کند قرار ایں داد است!

منہاج بن عبدالوہاب قزوینی نے اپنی تالیف تطلیقات[1] لباب الالباب میں لکھا ہے کہ جب تاج الدین نے شہ سیستان سے لڑائی کی تو انہیں ناصر الدین اللہ خلیفہ عباسی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا اور ایک مرتبہ غیاث الدین غوری نے بھی ۔

موت :۔ جب وہ بغداد سے لوٹے تو مکران آکر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۱۱۴- محمود بن محمد لاہوری

م ۵۲۰ھ
۱۱۲۶ء

کنیت ابو القاسم لاہوری - عالم فقہ وحدیث اور دونوں علوم کا درس فرماتے ۔ اسفرائین گئے تو المظفر سمعانی سے فقہ میں مہارت حاصل کی ۔ اور ان حضرات سے حدیث سنی ۔ سمعانی مذکور سے ۔ ابو الفتح عبدالرزاق ابن حسان المنیعی سے ۔ ابو النصر محمد بن محمد الماہانی سے ۔ اور نیشاپور میں ابو بکر بن خلف شیرازی سے ۔ بلخ میں ابو اسحاق ابراہیم بن عمر بن ابراہیم اصبہانی سے ۔ اسفرائین میں ابو سہل احمد بن اسمٰعیل بن بشر نہرجانی سے، اور اسی شہر میں

---

[1] از طبقات ناصری مصنفہ عثمان بن محمد بن عثمان جوزجانی در تصنیف خویش طبقات ناصری وعوفی در لباب الالباب (متن)

سنہ ۵۵۴ھ / ۱۱۵۹ء میں ابوسعد نے ان سے حدیث سنی ۔ (بروایت حموی از معجم البلدان)

سمعانی صاحب الانساب نے بھی اسفرائین میں ان سے چند احادیث سنیں ۔ ان دنوں ان کی سکونت اسفرائین ہی میں تھی ــــ صاحب ترجمہ عقل و فہم کمال سے بہرہ مند بھی تھے ۔

۱۱۵ ۔ مخلص بن عبداللہ المہذب[1]

ابوالحسن مخلص ابن عبداللہ مہذب[1] غلام آزاد کردہ تھے ۔ بادشاہ ابوجعفر دامغانی کے ۔ اور باشندے تھے بغداد کے ، وہاں پر انہوں نے ابوالغنائم محمد بن علی نرسی اور ابوالقاسم بزّار ۔ اور ۔ ابوالفضل حنبلی وغیرہ سے احادیث سنیں اور سمعانی نے ان کی روایت کردہ چند احادیث کی املا کی ۔

[1] مہذب بالتشدید عبداللہ کا لقب ہے ۔ یہ آزاد کردہ غلام تھے ۔ (سمعانی)

۱۱۶ ۔ علاؤالدین مسعود غزنوی

م ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء

سلطان علاءالدین مسعود بن ابراہیم بن مسعود غزنوی عالم دین اور عدل پسند بادشاہ تھا ۔ سنہ ۴۵۱ھ / ۱۰۶۱ء میں غزنہ میں پیدا ہوئے ۔ اور اپنے والد کی وفات کے بعد سنہ ۴۹۲ھ / ۱۰۹۵ء تک تخت حکومت دی ۔ یہ زمانہ مستظہر باللہ احمد بن المقتدر خلیفہ عباسی کا تھا ۔ اس نے اپنی حکومت میں انعام بخشش کے دریا بہا دیے ۔ مظلوموں کی دادرسی کی ۔ منڈی میں ایک طرف والی اور سابقہ بیات کی لپوشیدہ[1] خرید و فروخت بند کرادی ۔ ہندوستان میں مرکزیت کو مضبوط کیا ۔ پھر طغانگین

---

[1] بیع کردہ شے سامنے نہیں اور بیع کر دی گئی ۔ (مترجم)

الحاجب کو ہندوستان میں جہاد و غزوات کے لیے مقرر کیا۔ جو دریائے گنگا پار کر کے ان شہروں پر قابض ہوا۔ جن پر پہلے مسلمان قبضہ نہ کر سکے۔ اس کی مدت حکومت ۱۷ سال تک ممتد رہی۔ ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور ۷۵ سال تک باغ دنیا کی بہار دیکھی۔ (طبقات ناصری)

۱۱۷۔ سید سالار مسعود غازی

سالار مسعود ابن ساہو بن عطاء اللہ غازی المجاہد الشہید فی سبیل اللہ جن کی ہندوستان میں شہرت عام[1] ہے۔ امام محمد بن حنفیہ علوی کی صلب سے ہیں۔ ہندوستان بھر میں غزوات کیے۔ شہر بھرائچ (یہ شہر ضلع سلطان پور میں ہے) میں کافروں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور وہیں دفن کیے گئے۔ بعد میں ایک مسلمان بادشاہ نے ان کی قبر پر بہت اونچا قلبہ تعمیر کرا دیا۔ جہاں پبلک دور دراز تک سے ہر سال امنڈھ کر آتی ہے چونکہ وہ کنوارے ہی مر گئے۔ اس لیے عوام ہر سال میلے پر ان کا بیاہ رچاتے ہیں۔ کوئی

---

[1] ان کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ ہمارے صوبہ پنجاب میں ایک قوم جو شیخ کہلاتی ہے ہر سال ان کے نام کا میلہ کرتی ہے جس میں بانسوں پر ریشمی رومال اور چھوٹے موٹے گدے لٹکے ہوتے ہیں۔ شیخ جی ڈھول تو بجاتے ہی رہتے ہیں مگر کبھی کبھی ایک آدھ ڈھولا بھی آلاپ دیتے ہیں۔ لاہور میں یہ میلہ لوہاری دروازے سے باہر باغ میں بھرتا ہے۔ مگر سینما نے دلیسی میلوں کا دیوالہ نکال دیا ہے۔ سر سید مرحوم کی رحلت کے بعد لکھنو کے رسالہ پیام یار میں مصرعہ طرح آیا تھا۔ سید کی سرگزشت کو حالی سے پوچھیے۔ تو ایک صاحب نے اس پر یہ گرہ لگائی ؎

غازی میاں کا حال ڈفالی سے پوچھیے

اور سید کی سرگزشت کو حالی سے پوچھیے۔

نہ کوئی عورت دلہن کا پورا سنگھار کرکے حجلۂ عروسی میں در آتی ہے (اور ع درمیانِ جان و جاناں ماجرائے — مترجم)

مزار پر نذر و نیاز کے انبار لگ جاتے ہیں۔ کپڑوں کے علم بھی چڑھاوے میں آتے ہیں۔ جو ان کی تربت پر اور اردگرد نصب کردیے جاتے ہیں۔ (بروایت ابن بطوطہ)

سالار غازی کے واقعات میں مصنفوں نے جی کھول کر سخن آفرینی کی گئی ہے۔ کہ محمد تغلق بادشاہ بھی اس جری صالح کے مزار کی زیارۃ کے لیے بہرائچ آئے جس نے بے شمار شہر فتح کیے تھے۔ مگر اژدہام کی وجہ سے ان کی قبر تک رسائی نہ ہوئی۔

محمد قاسم ابن غلام علی بیجاپوری نے اپنی تصنیف تاریخ فرشتہ میں محمد شاہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ "سید سالار قرابت دور تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اور ان کی قبر پر محمد شاہ نے عالی شان قبہ تعمیر کرادیا۔" مولانا عبدالحیٰ مولف کتاب فرماتے ہیں — "بیجاپوری کا یہ ارشاد عجیب ہے۔ محمد قاسم مذکور نے تو ہندوستان میں آکر غزوات میں نہیں لڑے تھے۔ اور اس قسم کا تذکرہ ان کے متعلق کسی سیرۃ نویس نے بھی نہیں کیا۔"

شیخ عبدالرحمٰن امیٹھوی نے مرأۃ مسعودی میں جن افراد کے حالات ان کے عہد سے لحد تک قلم بند فرمائے ہیں۔ اس میں غازی سالار کی ہر ہر بات کا ذخیرہ کر دیا ہے۔ ان کی لغزش کا یہ حال ہے کہ ان کا مولد اجمیر اور سالِ ولادت ۲۱ ماہ شعبان ۴۰۵ھ ہے۔ اور انہیں سلطان محمود غزنوی کی حقیقی بہن ستر معلیٰ کا لختِ جگر بنا دیا۔ یہاں تک کہ سالار مسعود کے والد سلطان محمود ممدوح کے برادر نسبتی اور ان کے حکم سے اجمیر کے حکمران تھے۔ غازی سالار اجمیر ہی میں پروان چڑھے اور سید ابراہیم علوی سے پڑھنے کے بعد اپنے

۱؎ تاریخ فرشتہ۔ بیجاپوری نے لکھی ع چہ خوش گفتہ است۔ سعدی در زلیخا۔ مترجم۔

مامون سلطان محمود کے ہاں غزنہ جا پہنچے۔ اس لمحہ ان کے ہمراہ دس ہزار سپاہی بھی تھے۔ خود سلطان ہنود سے لڑتے لڑتے دہلی۔ قنوج، مانک پور وکڑہ وسترکھ اور دوسرے شہر فتح کرتے ہوئے بہرائچ پہنچے۔ تو کفار کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ یہ واقعہ سنہ ۴۲۴ھ میں رونما ہوا۔

۱۱۸- مسعود بن سعد لاہوری

سعد الدولہ مسعود بن سعید ابن سلمان لاہوری۔ فاضل اجل وصاحب کمال تھے۔ ہمدان میں پیدا ہوئے (عوفی) مگر ان کا مولد ومنشا تو شہر لاہور ہے۔ جیسا کہ صاحب ترجمہ نے اپنے قصائد میں لکھا ہے۔ وہ سلطان ابراہیم غزنوی کے عہد میں سن رشد کو پہنچا۔ شعر کہنے پر مائل ہوا۔ اور علم وفضل کے اعتبار سے بے شمار علوم وفنون پر حاوی ہوا۔ اس کی شہرت سن کر سلطان سیف الدولہ محمود بن ابراہیم غزنوی نے اسے اپنے معتمدین میں شامل کر لیا۔

یہ اس دور کا واقعہ ہے جب بادشاہ ممدوح ہندوستان میں اپنے باپ کا نائب تھا۔ اس نے مسعود کو بہت بڑے منصب پر فائز کیا۔ مگر مسعود عیش وعشرت میں ڈوب گیا۔ شعراء نے اس کی مدح میں نہایت عمدہ قصائد کہے جن پر وہ ان کے لیے خوب داد ودہش سے پیش آتا۔ وہ برسوں اسی رو میں بہتا گیا۔ یہاں تک اس کے سرپرست سلطان ابراہیم موصوف کو احساس ہوا اور سنہ ۴۷۲ھ میں مسعود کو تو مجلس میں جھونک دیا گیا۔ اور اس کے یاران محفل (ندماء) میں سے کسی کو قتل کرا دیا اور کسی کو جیل میں بھجوا دیا۔ سلطان نے مسعود کا مال بھی افتادہ زمینوں میں سے برآمد کرا لیا۔ مگر خود وہ کسی طرح بچ بچا کر سلطان مسعود کے حضور فریاد کے لیے غزنہ میں باریاب ہوا۔ اس لیے سنا تو مسعود مجرم (صاحب ترجمہ) کو قلعۂ سو میں نظر بند کر دیا اور کچھ عرصہ بعد یہاں سے نکال کر قلعہ دھک میں جھونک دیا۔ یہ مدت سات سال تک کی ہے۔ پھر اسے قلعہ نائے میں لے جایا گیا۔ یہاں وہ تین سال تک مقید رہا۔ آخر اس نے اپنی رہائی کے لیے نہایت دردانگیز اور رقت افزا

قصائد لکھے جن سے پتھر بھی پگھل جا سکتے تھے اور سلطان کے حضور پیش کر دیے گئے حتی کہ وہ دس سال بعد ابوالقاسم الخاص کی سفارش سے رہا ہو کر ہندوستان آیا اور گھر میں بیٹھ کر دن گذارنے لگا۔

اور جب سلطان مسعود ممدوح کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شیر زاد (عضد الدولہ) نے ہندوستان کی زمام حکومت سنبھالی۔ تو اس نے ابوالنصر ہبۃ اللہ فارسی کو اپنے مفتوحہ ملک کی نیابت تفویض کی۔ جس نے ابوالنصر علی کو جالندھر اور اس کے ملحقات کی سربراہی بخشی یہ سن کر مسعود بن سعد لاہوری (صاحب ترجمہ) ابوالنصر علی کے حضور باریاب ہو کر اس سے حکومت میں کسی منصب کی درخواست کی جو اس نے منظور کر لی۔

اور وہ برسوں اس نعمت سے بہرہ مند رہا۔ لیکن جب ابوالنصر علی ہی کو معزول کر دیا گیا تو اس کی رفاقت و نیابت کے جرم میں مسعود ابن سعد کو قلعہ رنج میں جھونک دیا گیا۔ جہاں وہ نو سال تک اس مصیبت میں مبتلا رہا۔

اب اس نے پہلے کی مانند عمائدین حکومت کی مدح میں پھر قصائد گوئی شروع کی۔ مگر اس پر کوئی متوجہ نہ ہوا۔ آخر ثقۃ الملک طاہر بن علی ابن مشکان وزیر نے اس کی سفارش کا بار اٹھایا تو سلطان مسعود بن ابراہیم نے اسے قلعہ سے رہا کیا اور وہ پھر لاہور آکر گھر میں زاویہ نشین ہو گیا۔ اس کے حبسیات کے یہ دو شعر سنیے۔

رسید عید و من از روئے حور دلبر دور
چگونہ باشم بے روئے آن بہشتی دور!
ہر آنکہ گوید کائے دوست! عید فرخ باد!
نگار من بہ لہا ور و من بہ نیشا پور!!!

عوفی نے کہا ہے کہ عربی فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں اس کے دیوان تھے۔ جنہیں سنقات نے کھا گا۔

۱۱۹- شال کوب حمید الدین مسعود ابن سعد لاہوری

م ـــــہ

شیخ فاضل حمید الدین مسعود بن سعد لاہوری یعنی ۱۱۸ کے فرزند المشہور بہ شال کوب (عوفی) شعرائے مغلقین سے تھے۔ عوفی لکھتے ہیں: میں نے بعض اکابر سے لاہور میں ان کا یہ قطعہ سنا جسے وہ ترنم میں پڑھتے تھے اور قلم کی تعریف ہے ؎

حبذا ملک ہمایوں تو کآب چشمش

بے گماں دارد خاصیت آب روان

ہست اسرار نہاں در دل او بسیارے

تا نبری سرش پیدا نہ کند سر نہان!

دو زبان باشد نمام و درین نیست شکے

نیست نمام چہ گر ہست مرا درا دو زبان

گہ گہے زار سود گریہ چوں ابر بہار

از غم آں کہ تنے دارد چوں برگ خزاں

بخورد مشک پس از دیدہ فرو بار درد

مشک خوارے نہ بدیدم کہ بود در باران

۱۲۰- ابو نصر ھبۃ اللہ الفارسی

۱۱-۵۰۹ھ
۱۷-۱۱۱۵ء

قوام الملک نظام الدین ابو نصر ھبۃ اللہ الفارسی

شاہان غزنویہ کے ممتاز اراکین سے تھے۔ کئی شہر فتح کیے جن کے باشندوں کو اپنی

سخاوت سے نام کر لیا۔ اس نے لاہور میں ایک بہت بڑا زاویہ (خانقاہ) تعمیر کرایا۔ بقول عوفی سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی (م ۴۸۱ھ/ ۱۰۸۸ء) نے اسے وزارت اعلیٰ پر فائز فرمایا مگر جس روز انہیں یہ منزلت حاصل ہوئی اسی روز علیل ہو گئے اور قبر میں جا سوئے۔ قزوینی نے قصائد مدحیہ مسعود ابن سلمان لاہوری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوالفرج نے سلطان ارسلان شاہ ابن مسعود بن ابراہیم غزنوی کے عہد حکومت میں ۵۰۹-۱۱ھ/ ۱۱۱۵-۱۷ء میں وفات پائی۔

محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے عوفی کی کتاب لباب الالباب پر جو حواشی لکھے ہیں اس میں کہا ہے کہ "ابوالفرج کی مدح میں مسعود بن سلمان لاہوری نے جو قصائد سپرد خامہ فرمائے ہیں۔ ان کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوالفرج نے ارسلان شاہ بن مسعود ابن ابراہیم غزنوی کے دور میں ۵۰۹ھ/ ۱۱۱۵ء یا ۵۱۱ھ/ ۱۱۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ مسعود کے اشعار یہ ہیں۔

بولفرج فارسی ملکا! جان تو سپرد
زیر الثریٰ اے مجلس عالی خبر آن نداشت

جاں داد در ہوا ت کہ باقیت باد جان
اندر خود نثار سزا آں پاک جان نداشت

شصت و سہ بود عمرش چون عمر مصطفیٰ
افزوں ازیں مقامے اندر جہاں نداشت

نمونۂ کلام ابوالفرج

دریغا! گوہر فضلم کہ در صندم و بال آمد
بچشم جاہلان الحلم ہمہ سنگ و سفال آمد

چوں کلکس اندر بنان تن بہ بیکن خاطر نحوی
مراتب را خبر داوی کہ ہاں عز و جلال آمد

چوز خم تیغ من دیدی شہ ہندوستان در ہند
بدستور از عماں گفتی کہ سام پور زال آمد
نماز با امداد ے مرلفامی را کمر بستم !!!
نماز شام فرزند مرا لنجے زوال آمد !

۱۲۱ - یوسف ابن ابوبکر الگردیزی

م ۱۲ - ربیع الاول ۵۳۱ھ / ۱۱۳۸ء

السیہ الشریف، ان کے مورث اعلیٰ شیخ جمال الدین بن یوسف گردیزی ثم ملتانی ہیں اور گردیز ہے نواحی غزنہ میں !

صاحب ترجمہ عابد و زاہد شب زندہ دار اور فقیہہ تھے ۔ گردیز ان کا مولد ہے اور ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء سن ولادت ۔ انہوں نے اپنے دادا شیخ ابویزید بسطامی سے پڑھا ۔ اور تکمیل کے بعد ملتان چلے آئے ۔ یہاں تدریس و تبلیغ شروع کر دی اور ان سے بے شمار افراد نے اکتساب کیا ۔ ان کے کرامات اور کشف عام تھے ۔ ملتان ہی میں آسودہ لحد ہوئے ۔

۱۲۲ - یوسف ابن محمد دربندی

امیر فاضل یوسف ابن محمد دربندی جمال الفلاسفہ کے لقب سے ملقب اور دین میں ثقہ (درست گو) تھے ۔ لاہور وطن بنا لیا ۔ اپنے دور کے نخبتہ الافاضل تھے سلاطین غزنہ کے وفادار رہے ۔ اور زمانہ خسرو ملک ابن خسرو شاہ غزنوی میں مراتب اعلیٰ پر ممتاز ہوئے ۔ آخر کار انہوں نے جیفتہ الدنیا سے منہ پھیر لیا اور لاہور میں گوشہ نشینی اختیار کر لی ۔ ان کا مرکز لاہور میں زیارت گاہ عوام ہے ۔ شعر بھی کہتے ۔ مدائح اور غزل ان کے عہد شباب کی یادگار ہیں ۔ ازاں جملہ ! ــــ

جاناں جفا مکن کہ جفارانہ در خوریم!
آں بہ کہ در زمانہ وفا را بپروریم

تاکے برائے وصل تو دل در فنا نہیم
تاکے زدست ہجر تو خوں در جگر خوریم

در ما چہ دیدہ کہ ہمے ننگری تو بیش!
بگذار تا بروئے تو یک بار بنگریم

مترجم :- مولف علام نے متذکرہ مقامات کی جغرافیائی حد بندی کہیں نہیں فرمائی
ایک دربند ہے ضلع ہزارہ میں برلب دریائے اباسین بجانب شمال - جس سے ادھر دریا
پار قریہ امب ہے - یہ دونوں مواضع موجودہ نواب محمد فرید خاں کی سلطنت میں ہیں - مگر
اب یہ ریاستیں سرکار پاکستان میں ضم ہو گئی ہیں - نواب صاحب ممدوح تنولی قوم سے ہیں
اور ان کی رعایا بھی تنولی ہی تھی - اور دوسرا دربند شہر ایران میں ہے - لاہور میں انتقال فرمایا -
جہاں ان کا مزار زیارت گہہ خاص و عام ہے (لباب الالباب عوفی

طبقہ سابعہ

در مشاہیر علمائے دین صدی ہجری

طبقہ سابعہ

حرف الف

۱۲۴- شیخ ابوبکر بن یوسف سجزی

عالم الکبیر علامہ ابوبکر بن یوسف ابن حسین سقرانی الامام سراج الدین سنجری۔ فقہ واصول فقہ اور عربی کے امام سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں برسوں دہلی میں فیضان درس جاری رہا۔ بلکہ سلطان ممدوح کے عہد سے قبل کے ارباب سلطنت کے زمانوں میں بھی۔ بے شمار افراد ان کے فیضان سے مستفید ہوئے۔ سلطان غیاث الدین بلبن اکثر وبیشتر ان کی ملاقات کے لیے آتے۔ خصوصاً نماز جمعہ کے بعد اور ان کی مجلس سے محظوظ ہوتے[1]

[1] تاریخ فرشتہ۔

۱۲۴- شیخ احمد بن علی ترمذی

سید شریف احمد بن علی بن حسین بن محمد بن الحسن بن موسیٰ بن علی بن الحسین بن علی بن الحسین السبط علی۔

سلام باشد براد و بر جیداد

ہندوستان آنے والے سادات میں سے تھے۔ شہر ترمذ میں پیدا ہوئے۔ جب ان کے والد آسودۂ لحد ہو گئے تو یہ سن رشد کو پہنچ چکے تھے۔ آپ ترمذ سے لاہور تشریف لے آئے۔ ان کی اولاد و احفاد میں سے اکثر نے علم کی مسند کو زینت بخشی۔ یہ خاندان ترمذی کہلوانا۔

۱۲۵- احمد بن محمد ہانسوی م (۶۷۵ھ / ۱۲۵۶ء)

شیخ صالح احمد بن محمد بن منظفر بن ابراہیم خطیب ملقب بہ جمال الدین نعمانی ہانسوی۔ مشائخ چشتیہ سے ہیں۔ شیخ فریدالدین مسعود اجودھنی سے اجازۂ طریقت حاصل ہوا۔ اور شیخ ممدوح نے انہی کی وجہ سے ہانسی میں ۱۲ سال تک قیام فرمایا۔ وہ جب کسی کے لیے خلافت کا اجازہ تحریر فرماتے تو مرید کو یہ سند دے کر جناب جمال الدین صاحب ترجمہ کے پاس بھیجتے۔ اگر وہ اپنی مہر اجازہ پر ثبت کر دیتے تو ان کے شیخ بھی یہ اجازہ مرید کے حوالے فرما دیتے اور فرماتے الجمال جمالی (کہ جمال میرا حسن ہے)

تصانیف: ان کا ایک کتابچہ عربی میں بعنوان ملہمات اور ایک فارسی کا دیوان ہے۔ نمونہ کلام ہے

تا حکم سماع را بدانی در حال — در حرمت و حلتش سخن گفت جمال

اصحاب نفوس را حرام است حرام — ارباب قلوب را حلال است حلال

۶۷۵ھ / ۱۲۵۶ء میں انتقال فرمایا (بحوالہ اخبار الاخیار)

۱۲۶۔ کمال الدین احمد جمینی

م ۶۷۱ھ / ۱۲۷۲ء

شیخ عالم اجل محدث ۔ امام ذھبی نے اپنی کتاب "العبر فی خبر من عبر" میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ ۶۷۱ھ میں ہندوستان کے اندر فوت ہوئے ۔

۱۲۷۔ نجم الدین ابوبکر

صدرالملک نجم الدین ابوبکر دہلوی کا شمار سیاست دانوں میں ہوتا ہے ۔ علاؤالدین مسعود شاہ نے انہیں ۶۴۰ھ میں عہدہ وزارت سونپا اور ناصرالدین محمود بن التمش نے انہیں ۶۵۱ھ میں معزول کیا ۔ دوسری مرتبہ وزارت پر یک شنبہ ۲ ربیع الاول ۶۵۲ھ میں فائز ہوئے اور چہار شنبہ ۱۸ رمضان ۶۵۵ھ کو معزول ہوئے ۔ منہاج الدین جوزجانی نے طبقات میں ان کا ذکر کیا ہے ۔

۱۲۸۔ ابوبکر طوسی

شیخ صالح ابوبکر طوسی حیدری اپنے دور کے مشہور مشایخ میں سے ہیں ۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی وارد ہوئے اور دریائے جمنا کے کنارے پر خانقاہ تعمیر کرائی ۔ فقرا کے لیے لنگر جاری کر دیا ۔ سماع کے رسیا ، قلندری طریقہ کے پیرو مگر شریعت کے پابند تھے ۔ جمال الدین ہانسوی ان کے علم و فضل اور کمال کے معترف اور اکثر ان کی ملاقات کیلئے آتے تھے (اخبار الاخیار در متن)

۱۲۹۔ ابو غفارہ حسینی رضوی خوارزمی

لقب جمال الدین ۔ معارف الہیہ کے ممتاز عالم ۔ ان کے والد فتنہ تاتار میں خوارزم سے ہندوستان آگئے اور لاہور میں اقامت فرمائی ۔ اور وہ اپنے والد کی وفات کے بعد ارشاد و ہدایت پر متوجہ ہو گئے ۔ صالح ، خلیق اور شیریں زبان تھے ۔ لاہور ہی میں داعئی اجل کو لبیک کہا ۔ (خزینۃ الاصفیاء در متن)

۱۳۰۔ شرف الدین دماوندی لاہوری

اپنے عہد کے فخر الاقران تھے۔ عوفی نے لاہور میں ان سے ملاقات کے بعد اپنی کتاب لب الالباب میں بضمن ابو جعفر عمر بن اسحاق واشی ان کا ذکر کیا ہے۔

۱۳۱۔ اسحاق بن علی بخاری دہلوی

م ۶۹۰ھ
۱۲۹۱ء

ملقب بہ بدر الدین۔ علمائے کبار سے تھے اور نسباً بواسطہ عمر اشرف (بن علی بن حسین السبط) حضرت علی کی اولاد سے ہیں۔ شہر دہلی مسقط الرأس ہے۔ عہد رشد میں اپنے والد اسحاق سے پڑھا اور شہر کے مدرسہ معزیہ میں مدتوں مسند تدریس کو زینت بخشی، پھر بخارا کا سفر کیا۔ واپس آکر پاک پٹن حاضر ہوئے اور بابائے فرید کے محاسن سنے تو خدمت سامی میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ان کے وفور علم کی وجہ سے انہیں اپنے پاس قیام پر آمادہ کر لیا۔ اور اپنی دختر محترمہ ان کے حبالۂ عقد میں منسلک کر کے خرقۂ خلافت بھی مرحمت فرما دیا۔

وہ بڑے فقیہہ، عالم، زاہد، سخی۔ شاعر اور جملہ فنون علم میں متبحر ہونے کے ساتھ معارف سے بھی آگاہ تھے۔ خشیت سے گریہ و بکا طاری رہتا۔ آنسوؤں کی لڑی بندھی رہتی۔ باباصاحب نے انہیں اپنے بعض مقربین مثلاً حضرت کلیری (برص) کی مانند ارشاد و دعوت کے لیے باہر بھیجنا چاہا تو انھوں نے اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں رہنے پر اصرار کیا۔ حتی کہ پاک پٹن ہی میں آسودۂ لحد ہوئے۔

ان سے کتابی ملفوظات میں بابا فرید صاحب کے فرائین اور عربی میں ایک کتابچہ منظوم علم صرف میں ہے۔

۱۴۲- قاضی اسمٰعیل بن سندھی الوری

شیخ فاضل فقہ نسباً ثقفی سندھی الوری۔ الور میں خطیب تھے۔ اپنے ابائی توریث میں قضاۃ وخطابت دولوں سے مستمند ہوئے۔ علوم عقلیہ میں بھی ماہر تھے۔ ان کے بشرے سے صلاحیت وتقویٰ کا سراغ مل جاتا (تاریخ سندھ)

علی بن حامد نے اپنی کتاب تاریخ سندھ میں لکھا ہے "میں نے الور میں ان کی ملاقات کی اور تاریخ سندھ وغزوات وفتوحات مسلمین پر ان کے پاس چند اجزا دیکھے۔ جو عربی میں تھے (یہ قاضی جدود کے قلم سے لکھے ہوئے تھے۔ اور میں نے ان کی اجازت سے یہ اجزا فارسی میں قلم بند کردیے")

۱۴۳- ایوب ترکمانی مارہروی دہلوی

نام ایوب اور کنیت ابوالیوب۔ مرد صالح۔ اونی لباس پہنتے۔ مارہرہ سے دہلی آکر حوض سلطانی سے متصل قصر میں کچھ مدت معتکف رہے۔ سلطان معزالدین بہرام شاہ ان کے تبحر وتقویٰ کی وجہ سے اتنا معتقد ہوا کہ ان کے اشارات پر عمل کرتا (طبقات ناصری — درمتن)۔

حرف "ب"

۱۳۴- شیخ بدر الدین غزنوی دہلوی

م ۶۵۷ھ
۱۲۵۸ء

ممتاز شیوخ چشت سے تھے۔ بچپنے ہی میں لاہور وارد ہوئے۔ اساتذہ علم و فن سے پڑھا اور دہلی تشریف لے گئے۔ یہاں فتنۂ تاتار کی خبر دل میں اپنے والدین کی خبر وفات سنی تو اعصلئے سفر توڑ کر دہلی میں اقامت کا ارادہ کر لیا۔ حضرت قطب الدین اوشی سے طریقت کا درس شروع کیا حتی کہ مرتبہ شیخیت پر فائز ہو گئے۔

ان میں سے امام الدین م ۶۸۰ھ ۱۲۷۸ء نے اکتساب باطنی میں فوزیت حاصل کی۔ دہلی میں اپنے شیخ حضرت اوشی کی عمر میں وجد کی حالت میں رفیقِ اعلیٰ سے ملاقی ہوئے (خزینۃ الاصفیا درمتن)

۱۳۵- شیخ بدالدین علوی دل مئوی

م ۶۴۶ھ
۱۲۴۸ء

ممتاز مشائخ چشتیہ سے تھے۔ حضرت ہارونی سے اکتساب فرمایا اور ہندوستان آکر دل مئو (متصل رائے بریلی) میں قیام فرما ہوئے۔

ان کا مزار یہیں ہے۔ اور زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

تاریخ وفات بدرتم ہے۔ جو راقم مؤلف نزہتہ الخواطر نے لوح تربت پر لگے ہوئے کتبے سے پڑھی (مہر جہاں تاب) (درمتن)

۱۳۶ - شیخ بدرالدین بدایونی

کنیت ابوبکر۔ ہندوستان کے مشہور اصحاب خرقہ میں سے ہیں"۔ یہ نعمت انہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی نے عطا فرمائی۔ شیخ خود بھی حسنؒ رسن تاب" کی مانند تھے۔ اپنے بھائی سے اکتساب کیا۔ دہلی سے بدایوں تشریف لائے۔ اور آزوقہ حیات کیلئے اپنے بھائی کی مانند ہاتھ سے رسی بٹ کر بسر کرتے۔

ضیاء الدین نخشبی نے کہا ہے "میں ان کی عیادت کے لیے گیا تو ان کی زبان پر یہ شعر رواں تھا ؎

این تن چو غبار یست میانِ من و تو

آمد وقتیکہ از میاں برخیزد

۷۰۱ھ میں انتقال فرمایا (مہر جہاں تاب)

۱۳۷ - شیخ بدرالدین سمرقندی

شیخ العالم فقیہہ وقت بدرالدین فردوسی سمرقندی دہلوی۔ ہندوستان کے مشہور مشایخ سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شیخ سیف الدین باخرزی سے مدتوں ان کی خدمت میں رہ کر اجازہ حاصل کیا۔ یا شیخ نجم الدین کبریٰ سے بغیر واسطہ باخرزی ممدوح۔ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے باخرزی کو دیکھا تو ضرور مگر ان سے اجازہ نہیں بلکہ باخرزی نے ان سے اجازہ حاصل کیا اور کوہ مستفید تھے نجم الدین الکبریٰ ممدوح سے جو صاحب طریقہ تھے (مناقب الاصفیاء در متن) (آپ) بدرالدین شیخ قطب الدین بختیار اوشی کے زمانہ میں دہلی آئے۔ سیرۃ اور صورت دونوں میں صاحب کمال اور غنا (سماع) کے نہایت رسیا تھے یہاں تک کہ جب کبھی سماع کے دوران میں اپنے کسی ہم طریقت پر متوجہ ہوتے تو وہ بھی کیفیت

سے مستمع ہوکر وجد کر اٹھتا۔

فرقہ فردوسیہ میں سب سے پہلے وہی ہند میں آکر سکونت فرما ہوئے اور شیخ رکن الدین دہلوی کے صاحبوں نے آپ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔

ان کا انتقال شیخ نظام الدین محمد بدایونی دہلوی کے زمانے میں ہوا اور خزینۃ الاصفیا میں ان کی تاریخ وفات پر جو ۷۱۲ھ مرقوم ہے تو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (اخبار الاخیار درمتن)۔

۱۲۸۔ مولانا برہان الدین البزّار دہلوی

فاضل علامہ مسلکاً حنفی از ساکنین دہلوی۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی کے اندر آپ کی مسند تدریس آراستہ تھی۔ بہت بڑے فقیہ تھے اور سلطان ممدوح ان کی بے حد تعظیم کرتا۔ (بحوالہ برنی درمتن)

۱۲۹ - مولانا برہان الدین نسفی

الشیخ العالم الکبیر برہان الدین نسفی۔ فقہ و اصول و فقہ و عربی کے عالم اجل۔ دہلی میں ان کی مجلس درس آراستہ تھی۔ جہاں بے شمار افراد میں علماء و مشائخ بھی ان سے مستفیض ہوتے۔ ان کی طرف سے شریک درس ہونے کے ۳ شرائط تھے۔

۱ ۔ دن رات میں ایک وقت تناول وہ بھی بھوک بجھانے تک

۲ ۔ درس کی حاضری میں التزام ورنہ ایک دن کی غیر حاضری پر ہمیشہ کے لیے شراکت ختم۔

۳ ۔ راستے میں ملاقات پر صرف سلام مسنون۔ نہ کہ ہاتھ پاؤں کی چوما چامی۔[لہ]

لہ فوائد الفواد۔

حرف "ت"

۱۳۸۔ تاج الدین الدز المعزی

امیر کبیر تاج الدین الدز الترکی المعزی ۔ سلطان شہاب الدین غوری کے غلاموں میں اولیت کے درجے پر تھا ۔ سن و سال و خدمتِ آقا و منزلت میں بھی تمام غلاموں سے بڑا ۔ بادشاہ کے اہل و عیال بھی اسے کام کاج سونپ دیتے ۔

شہاب الدین کی رحلت در ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵ء کے بعد الدز نے غزنہ پر قبضہ کی ٹھان لی ۔ شاہی خزائن و اسلحہ اور گھوڑوں پر قابض ہو ہی گیا ۔ وہ اس کے تمام رموز و دفینوں سے واقف تھا ۔ اس لیے کہ حضر و سفر میں اپنے آقا کے ہمراہ ہی رہتا ۔ اس مہم پر باقاعدہ کامیابی کے لیے اس نے ترکوں خلجیوں اور غزنہ کے باشندوں کا لشکر بے کراں جمع کر لیا ۔ جسے لے کر وہ غزنہ پر چڑھائی کے لیے گیا ۔ جہاں شہاب الدین کے ہمشیر زادہ بہاء الدین کا بیٹا علاء الدین ابن بہاء الدین اس کی مدافعت کے لیے تیار تھا ۔ اس مقابلہ میں تاج الدین نے شکست کھائی اور اپنی جاگیر بامیان کی طرف چلا گیا ۔ جہاں وہ چار روز ٹھہرا اور ان دنوں میں سلطان غیاث الدین محمود بن محمد بن سام بن الحسین غوری سے اپنی وفاداری کا دم بھرتا رہا ۔ مگر خطیب سے خطبہ میں غیاث الدین یا کسی اور کا نام نہ کہلواتا بلکہ صرف خلیفہ اقدس کہلواتا اور شہاب الدین مقتول کے لیے دعائے رحمت کہلواتا ۔

اور جب اس کے بامیان میں قیام کا چوتھا دن تھا تو اس نے غزنہ کے نائب حکومت امیر داؤد پر قبضہ کر لیا ۔ جس سے دوسرے روز اکابر ۔ قضاۃ اور فقہا نے مشورہ کر کے خلیفہ

وقت کے سفیر مجد الدین ابو علی ابن ربیع فقیہہ شاہی کو طلب کر لیا جو اس وقت بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں مصروف تدریس تھے۔

اس سے قبل غزنہ ہی میں شہاب الدین مقتول کی طرف یہ سفیر آیا تھا اور اس سفیر کے غزنہ میں قیام کے دوران ہی میں شہاب الدین کو قتل کیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر تاج الدین الدز نے سفیر ممدوح اور قاضی غزنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ "میں دار السلطنت میں منتقل ہو کر خود کو بادشاہ کہلانا چاہتا ہوں۔ مگر ان امور کے لیے میرا آپ کی خدمت میں غزنہ آنا ضروری ہے۔ تاکہ آپ دونوں کے بالمواجہہ عوام کے سامنے اس امر کی توثیق ہو جائے" اور یہ پیغام بھجوانے کے بعد الدز صاحب غزنہ کی طرف روانہ ہو ہی گئے۔ اس وقعہ میں وہ ماتمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ وہ شہر میں آکر شہاب الدین مقتول کی نشست گاہ کی بجائے ایک اور جگہ براجمان ہوئے۔ الدز کا یہ وطیرہ دیکھ کر وہ ترک عوام جو تاج الدین کے ہواہ خواہ تھے۔ سوچنے لگے کہ ہمارا یہ رہنما تو غیاث الدین کی شاہی کا طوق ہمارے حمائل کرنا چاہتا ہے۔

اور غیاث الدین نے الدز کی طرف یہ خط لکھا "موقعہ آگیا ہے کہ تم میرے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرا کے اپنی سربراہی سے بھی یک طرف ہو جاؤ"۔

الدز کا جواب

۱۔ آپ مجھے بادشاہ کے القاب سے مخاطب کیا کیجیئے۔

۲۔ غلامی سے میری آزادگی کا اعلان ہو جائے۔

۳۔ اپنی صاحبزادی بھی میرے حبالہ عقد میں منسلک فرما دیجیے۔

مگر غیاث الدین نے اس خط کا کوئی جواب نہ دیا۔

ادھر غوریوں نے الدز کی قدیم جاگیرات میں کرمان اور سیوران پر حملہ کر کے بے شمار مال و دولت لوٹ لیا۔ یہ سن کر الدز نے اپنے خسر صونج کو لشکر جرار دے کر اس نواح میں

بھجوایا جس نے باغیوں کے پرخچے اڑا دیے۔

اس عرصہ میں الدز غزنہ میں شہاب الدین کے جاری کردہ رسوم کے نفاذ اور باشندوں کے لیے مالی داد و دہش میں مصروف تھا۔ اس نے شہاب الدین مقتول کے وزیر مؤید الملک خواجہ سجستانی کو اس کے انکار کے باوجود اپنی وزارت پر مامور کر دیا۔ یہ سن کر وزیر صاحب کے ایک دوست انہیں تہنیت پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا:۔

گھوڑے سے گدھے پر سوار ہونے میں مبارک کی کون سی بات ہے۔ وزیر نے یہ شعر بھی پڑھا ؎

ومن اکب الثور بعد الجواد وانکر اذ لاقہ والغیب!!

جو شخص گھوڑے کی سواری کرنے کے بعد بیل کی پشت پر آ بیٹھے۔ ظاہر ہے کہ اس کے ناخن اور اسے پریشان ہی کریں گے۔

اس دوران میں الدز نے وزیر صاحب کے دروازے پر کوئی ایک ہزار مرتبہ آکر ملاقات کی خواہش کی۔ اور اس پر بھی الدز نے کہا۔ اگر میرے ہمراہ ترک عسکری نہ ہوتے تو اتنی اجازت بھی نہ ملتی۔ اتنے میں اطلاع پہنچی کہ بامیان پر مقرر کردہ نائب لشکر جرار لے کر چڑھ آئے ہیں۔ الدز نے بھی تیاری شروع کر دی اور اپنی فوج لے کر انہیں راہ میں جا لیا تو مخالف کے ہراول دستہ ہی نے الدز کے بے شمار ترک سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیے اور لقیۃ السیف کو گھیرے میں لے کر غزنہ میں وارد ہوا۔ مگر الدز کسی حیلے سے ان کی حراست سے نکل آیا۔ اور بامیان کا رخ کر لیا۔ اس کے ہمراہ ایک چھوٹا سا فوجی دستہ بھی تھا۔ بامیان کی فوج ان پر پل پڑی اور گھمسان کی لڑائی کے بعد اس نے یہ حملہ رد کر دیا۔ اس خبر سے متاثر ہو کر اہل کرمان نے بے شمار مال و دولت اور اسلحہ الدز کی نذر کیے جو اس نے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیے۔

اب وہ بامیان کے کاتب کا کرمان پر تقرر کرنے کے بعد کرمان سے غزنہ پر دھاوا کرنے کی غرض سے ادھر بڑھا۔ اس کے ہمراہ ترکوں کی بے کران بیکراں فوج تھی۔ اس نے

قلعہ کا محاصرہ کر کے باشندگان شہر کے لیے امان و تسکین کی منادی کرا دی۔

آخر الدز ایک مدت تک قلعہ غزنہ کا محاصرہ کرنے کے بعد غالب آگیا۔ اس کا دوسرا قدم بامیان میں اپنے متعین کردہ نائب کی گرفتاری تھی ــــ

پھر غیاث الدین نے خط کے ذریعے الدز سے خطبے میں اپنا نام پکارنے کا تقاضا کیا۔ جس کا جواب الدز نے سابقہ جوابات سے زیادہ سخت دیا ــــ غیاث الدین نے اس کی طرف لکھا کہ :-

"یا تو خطبے میں ہمارے نام کا اعلان کرو ورنہ اپنے اصل ارادے سے ہمیں آگاہ کرو!

تب الدز نے غزنہ کے خطیب کو طلب کر کے حکم دیا کہ اب سے تم خطبے کے اندر میرے نام کا اعلان اور شہاب الدین کے لیے دعائے مغفرت شروع کر دو :-

عوام نے خطبے میں یہ اعلان سنا تو الدز کے وفادار ترک بھی چہمے گوئیاں کرنے لگے کہ "الدز اس کا مستحق کہاں ہے۔ ہم تو آج تک اس کی اعانت اسے غیاث الدین کا نائب سمجھ کر کرتے رہے" ــــ خطبے میں اپنے نام کا اعلان کرانے کے ساتھ اس نے غیاث الدین کی طرف لکھ دیا کہ "آپ مجھ پر ظلم کیوں کر رہے ہیں۔ اور آپ کا مجھ سے یہ مطالبہ کیسا ہے۔ یہ خزانہ میں نے اپنی تلوار کی زد سے جمع کیا اور سلطنت بھی اسی قوت سے حاصل ہوئی۔ میرے ساتھ جو وعدے کیے ایک بھی پورا نہ ہوا۔ اب بھی آپ اگر میری آزادگی کا اعلان کر دیں تو میں آپ کے نام کا خطبہ پڑھانے کے ساتھ حاضر خدمت ہوں گا"۔

غیاث الدین نے یہ پیغام سن کر الدز کی آزادگی کا اعلان کر دیا اور اس کے لیے ایک ہزار قبا معہ ایک ہزار کلاہ، سنہری پیٹیاں، بے شمار تلواریں، ایک سو گھوڑے اور چتر شاہی بھجوایا۔

الدز نے چتر شاہی کے سوا سب چیزیں لے لیں اور چتر واپس کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ ہم غلام ہیں اور شاہی چتر دوسروں کے شایاں ہے۔

پھر الدز نے سنا کہ غیاث الدین اپنے پرانے حریف خوارزم شاہ سے مصالحت کرنے کے در پے ہے تو اس نے نہایت مدح و خوشامد کر کے غیاث الدین کو اس کام سے منع کیا۔ اور غزنہ سے تگیاباد کی طرف چلا آیا۔ یہ خلا دیکھ کر والی کبت شہر غزنہ اور اس کے گرد و نواح پر قابض ہو کر غیاث الدین کے نام کا خطبہ بند کرا دیا ـــــ اسی اثنا میں غیاث الدین نے ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں خوارزم شاہ پر حملہ کر دیا جس میں وہ اپنے حریف کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔

الدز لاہور کی طرف

یہ حالت دیکھ کر الدز لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں اس وقت ناصر الدین قباچہ برسر حکومت تھا۔ وہ پندرہ ہزار سواروں کا لشکر لے کر الدز کو روکنے کے لیے بڑھا۔ سخت معرکہ ہوا الدز کا میمنہ اور میسرہ دونوں میدان چھوڑ گئے اور مقدمہ کے ہاتھی بھی قباچہ نے گرفتار کر لیے اس لمحہ میں الدز کے پاس قلبِ لشکر کے دو ہاتھی رہ گئے تھے۔ الدز نے اپنا سر برہنہ کر کے باآواز بلند کہا:۔

"اِمّا ملکٌ و اِمّا مھلکٌ" بادشاہت یا ہلاکت۔ اس کے ہمراہی یہ نعرہ سن کر لوٹ آئے پھر مقابلہ ہوا۔ جس میں قباچہ نے میدان کے ساتھ لاہور بھی چھوڑ دیا۔ اور الدز کا اس شہر پر قبضہ ہو گیا ـــــ جس کے بعد وہ ہندوستان کے شہروں میں بڑھنے لگا۔

ہندوستان میں سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی۔ اس نے الدز کو سامانہ میں آلیا۔ دونوں میں سخت مقابلہ کے بعد الدز شکست کھا کر گرفتار ہوا اور جلاد نے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

الدز کے اوصاف

عمدہ اخلاق سے مرصع، عادل اور رعیت خصوصاً تاجروں اور مسافروں کے لیے محسن تھا۔

صاحبِ اولاد تھا۔ صاحبزادوں کے لیے معلم مقرر تھا۔ ایک مرتبہ اس نحس معلم نے شہزادہ کو اتنا پیٹا کہ وہ طعمۂ اجل ہوگیا۔ الذر نے ان نحوست پناہ کو طلب فرماکر جواب طلب کیا تو خبیث نے کہا میں اسے سزا دے رہا تھا۔ مگر اتفاق سے وہ جان دے بیٹھا۔ الذر نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ یہ رقم قبول فرمائیے اور اسی لمحہ یہاں سے روانہ ہوجائیے۔ ورنہ شہزادے کی ماں کو اپنے لختِ جگر کی موت پر صبر نہ آئے گا اور وہ آپ کو قتل کرا کے ہی رہے گی مگر میں اسے منع نہ کرسکوں گا۔ نحوست مآب اپنا کالا منہ لے کر روانہ ہوگئے۔ تب ملکہ نے سنا مگر وہ کچھ نہ کرسکی۔

بادشاہوں کے واقعات میں سے یہ واقعہ عجیب تر ہے۔ بحوالہ تاریخ کامل (درمتن)

۱۴۱ - مولانا تاج الدین دہلوی

دانائے وقت، فاضل المشہور بہ "ریزۃ" سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں وزارۃ خارجہ کے میر منشی ہوئے۔ شاعر بے مثل اور قد و قامت میں اس قدر مختصر کہ "ریزۃ" لقب پڑگیا۔ جس کے معنی فَتِیت (ذرہ) کے ہیں۔ ان کے اشعار میں سلطان شمس الدین التمش کے فتح قلعہ گوالیار پر یہ شعر ہیں۔

ہر قلعہ کہ سلطانِ سلاطین بگرفت
از عونِ خدا و نصرتِ دین بگرفت!

آں قلعۂ کالیور و آں حصنِ حصین!
در ست و ما تہ ۶۳۰ھ ثلاثین بگرفت
۱۲۳۴ء

اور رکن بن التمش کے بارے میں فرمایا۔

مبارک باد ملک جاودانی
ملک را خاصہ در عہدِ جوانی!

یمین الدولہ رکن الدین کہ آمد
درش از یمن چوں رکنِ یمانی!

۱۴۲ - مولانا تقی الدین انہونوی

اودی - شیخ فاضل ابن محمود انہونوی اودی - صاحب علم و طریقت آگاہ تھے - سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی دہلوی ان کا ذکر خیر فرماتے - ان کا مزار رائے بریلی کے نواحی قریہ انہونہ میں ہے -
وہ داؤد بن محمود کے حقیقی بھائی ہیں -

حرف "ج"

۱۴۳ - قاضی جلال الدین کاشانی

م ۶۴۸ھ / ۱۲۵۰ء

دارالسلطنت دہلی میں قاضی الممالک کے منصب پر فائز تھے - ۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء میں سلطان معزالدین بہرام شاہ نے انہیں اس تہمت میں ملوث کیا کہ وہ سلطان کو تخت سے اتارنے کے درپے ہیں - یہ سن کر قاضی الممالک دہلی سے اودھ چلے گئے - یہاں جب علاء الدین مسعود شاہ نے عنان حکومت سنبھالی تو انہیں ۶۴۱ھ / ۱۲۴۳ء میں امیر طغان خان کی طرف سفیر مقرر کر کے بھجوایا - امیر ممدوح اس وقفہ میں لکھنوتی کے نواحی مواضع میں علاء الدین کے نائب تھے - اور وہ دوبارہ ۶۴۷ھ / ۱۲۴۹ء در عہد سلطان ناصر الدین التمش قاضی الممالک مقرر کر دیے گئے - مرحلت[1] ان کی جمعہ کے روز ماہ ذلیقعد ۶۴۸ھ / ۱۲۵۰ء میں ہوئی -

---

[1] طبقات ناصری بحوالہ متن

۱۴۴۔ حسن ابن احمد اشعری

م ۶۳۴ھ

امیر کبیر بہاؤ الملک تاج الدین حسن بن رضی الدین ابو بکر احمد اشعری جو سخاوت میں معروف حضرت ابو موسیٰ اشعری کی نسل سے ہیں۔ سلطان ناصر الدین قباچہ بادشاہ سندھ نے انہیں اپنی وزارت پر مامور کر دیا۔ جس پر وہ ۶۲۵ھ تک فائز رہے۔ اور جب سلطان ناصر الدین ہلاک ہوا اور اس کی مملکت پر شمس الدین دہلوی نے قبضہ کر لیا تو ممدوح اس بادشاہ کی وفات تک منسلک رہے۔

اب اس بادشاہ کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ قابض ہوا تو حسن ممدوح اس کی خدمت پر بھی معاون رہے۔ اور جب فیروز شاہ کو اس کے امرائے سلطنت نے قید کر دیا۔ بادشاہ نے غلاموں نے بہت سے امراکو قتل کر دیا جن میں حسن بھی تھے۔

خواجہ اجمیری

م ۶۳۳ھ
۱۲۳۵ء

شیخ معین الدین حسن بن الحسن سنجری اجمیری۔

عابد و زاہد ممتاز شیخ الدرس (خواجہ) معین الدین چشتی، اجمیری، مشہور ولی ہیں مولد شہر سجستان اور سن ولادت ۵۳۷ھ ۱۱۴۲ء ہے۔ ان کے والد انہیں ۱۵ سال کا چھوڑ کر دنیا

سے سدھار گئے۔ ان کا ترکہ میں ایک پھل دار باغ اور ایک پن چکی تھی۔ کچھ مدت آپ ان دونوں سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے رہے۔ کہ دفعتہً جذب طاری ہوا اور دنیائے دنی پر لات مار کر ایک طرف رخ کر لیا۔ پہلے سمرقند میں قرآن مجید حفظ کیا اور جو علوم وہاں متداول تھے، پڑھے۔ پھر دوسرے شہروں میں در آئے حتی کہ پرگنہ نیشاپور کے موضع ہارون میں وارد ہوئے۔ اس لمحہ شیخ عثمان ہارونی بقید حیات موجود تھے۔ مسلسل ۲۰ سال تک ان کی خدمت میں رہے اور ان سے طریقت کی تربیت میں فیض کام ہوئے۔

لاہور میں قریہ ہارون سے ہندوستان تشریف لائے اور شیخ ہجویری اور زنجانی کے مزارات پر معتکف ہوئے۔ اب دہلی کا رخ فرمایا اور یہاں سے اجمیر آکر طرح اقامت جو رکھی تو اجمیر ہی کے ہو گئے۔ ان دنوں اجمیر ہندوؤں کے زیر حکومت تھا۔

آپ کے ہاتھ پر لاتعداد کفار حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ کی کشف و کرامات کا شہرہ عام ہو گیا جن میں بعض ایسے واقعات ہیں کہ زبان اور خامہ دونوں جن کے احاطہ سے قاصر ہیں۔ آپ کے حالات اولیائے کرام کی کتابوں اور کتاب اخبار الاخیار وغیرہ معتبر دفاتر میں ہیں۔ رحلت کی دو تاریخیں ہیں۔

۱ یوم دوشنبہ ۶۔ رجب ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء

۲ " " " " ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء

زندگی کی ۹۵۔ بہاریں دیکھیں۔ مزار شہر اجمیر میں ہی ہے۔

۱۴۶ - شیخ صلاح الدین حسن کیتھلی

م ۶۴۰ھ / ۱۲۴۲ء

بن حسین ابن علی بلخی کنیت ابو مجاہد لقب صلاح الدین ہندوستان تشریف لائے اور کفار سے لڑتے ہوئے کیتھل میں شہید ہوئے۔ کسی مسلمان بادشاہ نے ان کے مزار پر

بہت بڑا قبہ تعمیر کرادیا جس پر یہ کتبہ کندہ ہے :-

هذه المقبرة للصدر الشهيد الشيخ الكبير !

صلاح الدين ابى المجاہد الحسن بن محمد بن الحسين

بن على الاكبر البلخى ۔

شیخ مغفور نے ۹۸ سال عمر پائی اور جمعہ کے روز ۹ ذی الحجہ سنہ ۶۴۲ھ / ۱۲۴۴ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ (مترجم کیتھل ضلع کرنال میں قصبہ ہے)

۱۴۷ - رضی الدین حسن صغانی لاہوری

م سنہ ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء

الشیخ الامام الکبیر رضی الدین ابو الفضائل الحسن بن محمد ابن الحسن بن حیدر ابن علی العدوی العمری الصغانی (یا صاغانی) نسبت ہوئے صاغان کہ مرو کے نواحی قریہ چا غان کا معرب ہے

مولد شہر لاہور تاریخ ولادت ۱۵ صفر سنہ ۵۵۷ھ / ۱۱۶۱ء بزمانہ خسرو ملک ابن خسرو شاہ غزنوی۔ سن رشد میں پہنچے تو اپنے والد سے تمام علوم پڑھے ۔ ان کے ذہن و حفظ کی رسائی پر سلطان قطب الدین ایبک مرحوم نے لاہور کی قضاۃ پیش کی تو آپ نے انکار کردیا۔

غزنہ میں اور غزنہ میں آکر تدریس کی مسند بچھادی ۔ بے شمار افراد مستفیض ہوئے

عراق میں عراق تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کے بعد کئی علمائے عظام سے اجازہ حاصل فرمایا۔

مکہ معظمہ میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے ۔ حج کیا ۔ مدتوں قیام رہا اور وہاں کے شیوخ حدیث سے سماع و اجازہ سے بہرہ مند ہوئے ۔

عدن اور اس کے بعد بغداد عدن اور بعد ازیں سنہ ۶۱۵ھ / ۱۲۱۹ء میں بغداد وارد ہوئے ۔ یہ واقعہ سلطان الناصر

الدین اللہ خلیفہ عباسی کا تھا۔ اس نے سنا تو طلب فرما کر خلعت سے سرفراز فرمایا۔ اور سلطان شمس الدین التمش والئ ہندوستان کے حضور سفارت کے لیے بھجوایا در ۶۱۷ھ ۱۲۲۰ء یہاں ۷ سال گذارے۔ ۶۲۴ھ ۱۲۲۶ء میں دوبارہ حج کے لیے احرام باندھا اور فراغ کے بعد یمن آئے۔ بعد میں بغداد پہنچے۔

اس وقفہ میں بغداد کا حکمران خلیفہ المستنصر باللہ عباسی اور ہندوستان میں التمش کی صاحبزادی رضیہ سلطانہ ملکۃ الہند تھیں۔ خلیفہ عباسی نے امام حسن کو ان کے دربار میں سفارت پر بھجوایا۔ یہ ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء کا ماجرہ ہے۔ جب کہ وہ لاہور سے بغداد تشریف لے گئے اور اسی سن میں طعمۂ اجل ہو گئے۔ انہیں ان کی دولت کدہ ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ بعد میں ان کی وصیت کے مطابق ان کا جسد مکہ مکرمہ میں لے جا کر دفن کیا گیا۔ جس کی اجرت انہوں نے پچاس دینار (اشرفی) مقرر فرما دی تھی۔ جو ادا کر دی گئی۔

دمیاطی نے لکھا ہے کہ ان کے جنم پترا میں ان کی وفات کا دن اور وقت بھی مرقوم تھا اس روز جب وہ آخری وقت کے انتظار میں تھے۔ ذرا پہلے انہوں نے احباب کی دعوت کی۔ میں (دمیاطی) بھی شریک طعام تھا۔ ہم کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چلے آئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی جانب آئے تو ایک صاحب نے ہمیں ان کی وفات کی سناؤنی سنائی۔ تو ہم حیران رہ گئے۔ اس نے کہا وہ حمام میں غسل کے لیے گئے اور دفعتہً جاں بحق ہو گئے۔

امام حسن دین دار اور صالح کم سخن فقیہہ محدث ماہر لغت یعنی جملہ علوم متداولہ میں مہارت تامہ سے بہرہ مند ہیں۔

اساتذہ

انہوں نے مکہ معظمہ اور عدن و ہند میں بے شمار شیوخ سے حدیث سنی۔ دوسرے باکمالوں سے اکثر و بیشتر علوم میں استفادہ کیا اور بے شمار اعلام کو دیکھا۔

تصانیف

قلمی بیاض لکھے۔ کتابیں مدون فرمائیں۔ جن میں لغزش نہ تھی۔ ان کی تصانیف دور دراز ملکوں میں پہنچ گئیں۔ اکابر معاصر نے ان کے حضور خراجِ عقیدت پیش کیا۔

سیوطی کی رائے

صغانی نے لغت کا علم لہرایا۔

ذہبی: لغت میں انہیں مرجعیت حاصل ہے۔

دمیاطی: صاغانی لغت۔ فقہ اور حدیث کے نہ صرف امام تھے بلکہ انہوں نے ہمیں اپنے حضور میں حاضر ہونے کی دعوت دی۔

تلامذہ (دمیاطی (شرف الدین)۔ نظام الدین محمود ابن عمر ہروی۔ محی الدین ابوالبقا صالح ابن عبداللہ بن جعفر بن علی ابن صالح اسدی الکوفی المعروف بابن الصباغ، شیخ برہان الدین محمود ابن ابوالخیر اسعد بلخی۔ شارح آثار النیرین فی اخبار الصحیحین اور بے شمار مخلوق نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے۔

تصانیف

۱۔ مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ ——— اس کتاب میں ۲۴۶ احادیث (بحسب تحقیق علامہ گاذرونی جمع کی گئی ہیں۔ اور مرتب صاغانی نے مقدمہ میں لکھا ہے " میں اس کتاب پر مطمئن اور اس کے نور اور روشنی سے مستفیض ہوں۔ یہ میں نے خلیفۂ وقت مستنصر ابن ناصر ابن مستضیٔ عباسی کے خزانۃ الکتب کے لیے لکھی ہے)

اور فرمایا ہے کہ جب میں مصباح الدجیٰ اور الشمس المنیرہ کی تدوین سے فارغ ہوا تو میں نے ان دونوں کے تکملہ کی غرض سے اپنی کتاب النجم اور الشہاب[1] کا اقتباس کیا۔ تاکہ سب احادیث صحیحہ یک جا ہو جائیں ـــــ اور یہ کتاب میرے اور اللہ کے درمیان حجت[2] ہے۔ اس کتاب کا حرف اول[3] ہے:۔ الحمد اللہ محی الموتی ومجری القلم الخ۔ مصنف علام نے آوردہ احادیث کا ماخذ ظاہر کرنے کے لیے علامات مقرر کر دی ہیں۔ مثلاً بخاری کے لیے خ۔ مسلم کے لیے م۔ متفق علیہ کے لیے ق وغیرہ اور کتاب کو ۱۲ ابواب میں منقسم فرمایا ہے۔ تبویب حدیث کے حرف اول پر موقوف ہے۔ یعنی اگر ابتدا میں حرف استفہام ہے تو ایک فصل اگر حرف موصولہ ہے

لہ یہ کتاب ہے شہاب الاخبار فی الحکم والامثال والآداب ابن سلامہ شافعی م ۴۵۴ھ کی ـــ کہ اصلاحش امام حسن صغانی کردہ وکشف الحاجب عن احادیث الشہاب نام نہادہ در آں صحیح وضعیف علامتے مقرر کردہ وبہر ابواب مرتب نمودہ مثل مشارق الانوار (اتحاف النبلاء نواب (مترجم)

مشارق کا اردو میں ترجمہ مولانا خرم علی بلہوری نے کیا جو مصطفائی پریس کانپور میں چھپا اس نسخہ کی فہرست قابل دید ہے۔ دوسرا ایڈیشن نول کشور نے چھاپا تو فہرست کا حلیہ بدل دیا۔ پہلے (کتاب) فقہی ترتیب پر نہ تھی۔ مولانا عبدالغفور غزنوی امرتسری (   ) نے اس کی تبویب فرمائی اور امرتسر سے ہی شائع ہوئی۔ مگر عرصے سے نایاب ہے۔ مشارق الانوار کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں۔ نواب صاحب نے اتحاف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عرصہ ہوا رسالہ معارف   میں شرح مشارق پر ایک طویل مضمون نکلا تھا۔ یہ کتاب طالب علموں کے لیے نہایت مفید ہے۔ ۲ اغلاط سے پاک ہے۔ ۳ مصنفین سابقین میں کتاب کے پہلے جملے کا ذکر رائج ہے۔ مگر اب یہ باتیں خراب ہو گئیں (مترجم)

تو ایک فصل اگر شروع میں اِث ہے تو ایک فصل ۔ اگر حرف ہے تو ایک نوع ۔ حرف قاف ہے یا لام ہے تو علیحدہ علیحدہ اقسام!

مصباح الدجیٰ فی حدیث المصطفیٰ (۲) جس میں آوردہ احادیث کے اسانید محذوف ہیں والیضاً[2]

شمس المنیرہ در حدیث[1]

۴ ۔ لغت میں ہے العباب الزاخر جو بیس جلدوں میں ہونی تھی ۔ مگر اہتمام سے قبل امام آسودۂ لحد ہو گئے صرف حرف "کمش" تک لکھ پائے جس پر بعد کے ایک شاعر نے کہا ؎

ان الصغانی الذی — حاز العلوم والحکم
سمان قصاری امرہ — ان انتہیٰ الی بکم

صغانی کہ علوم وحکومت کا سمندر تھا ۔ اب اس کی منزل کب ختم ہوئی جب وہ لفظ کم تک پہنچا ہے ۔

۵ العباب الزاخر کی ترتیب صحاح الجوہری کی مانند ہے اور اسے مدون کیا تاج الدین ابن مکتوم ——— القلیسی الحنفی م ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸ء میں ۔

۶ مجمع البحرین (الصغانی اللغۃ) اسمیں مندرجہ ذیل مضامین ہیں ۔

ا :۔ نوادر لغت وتراکیب جملہ ہائے ۔

---

[1] مشارق کا مطالعہ اس لحاظ سے کیا جائے تو مفید تر ہے ۔

[2] اسانید ہیں ۔ راویوں کے نام اور متن ہے مضمون کا تذکرہ ۔ ارباب روایت کے بعد ان کے خلاصے معرض تصنیف میں آ گئے ۔ تو جامعین نے راویوں کے نام قلم انداز کر دیے ۔ جیسے بلوغ المرام ہے ، مشکوٰۃ ہے ۔ منذری کی مؤلفہ تجرید بخاری و تجرید مسلم ہیں ۔ وغیرہ (مترجم)

ب :- چوہوں کے نام

ج : شیر کے نام

د : بھیڑیئے کے نام

۷ شرح صحیح بخاری

۸ دُرّ السحابہ در وفیاتِ صحابہ و عروض و ادبیات

۹ لغبۃ الوعات یا البغیۃ الصدیاں

۱۰ کتاب الافتعال

۱۱ شرح قلادہ السمطیہ فی توشیح الدریہ

۱۲ کتاب الغرائض

۱۳ موضوعاتِ حدیث :- جس پر مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنوی نے اپنی کتاب الفوائد البہیہ میں امام ممدوح کو ابن جوزی اور صاحب سفر السعادۃ علامہ فیروز الدین مؤلف القاموس کی مانند متشدد لکھ مارا۔

امام صغانی نے اس (موضوعات) میں واقعی بعض صحیح اور حسن احادیث بھی شامل کردی ہیں بلکہ ساری ہیں اور جن حدیثوں میں معمولی سا ضعف ہے وہ بھی۔

وفات در سنہ ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء یافت۔

۱۴۸ - شیخ حسن بدایوانی

شیخ حسن ابوالحسن بدایوانی المشہور بہ رسن تاب یعنی رسی بٹنے والا۔

ان کی معیشت کا یہی ذریعہ تھا۔ عالم عادل اور صاحبِ مغفرت تھے۔ ان کے اساتذہ میں قاضی حسام الدین ملتانی مدفون در شہر بدایوان ہیں اور قاضی حمید الدین محمد بن عطا ناگوری ہیں، جن کی خدمت میں برسوں رہے۔ تا آنکہ کمال صوری و معنوی دونوں سے متمتع ہو گئے۔

اور ان کے تلامذہ میں ان کے عم بزرگوار بدر الدین ابن ابوبکر ہیں۔ بدایوان ہی میں آسودہ لحد ہو گئے تھے اور یہیں مزار ہے۔

۱۴۹- حسین خنگ سوار اجمیری

م ماہ رجب ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء

السید شریف حسین بن ابوعبداللہ حسینی مشہدی۔ فخر معاصرین سلطان شہاب الدین غوری یا قطب الدین ایبک نے انہیں شہر اجمیر کی تولیت پر مامور فرمایا اور وہ تازلیست اس منصب پر فائز رہے۔ ان کے دست مبارک پر بے شمار بت پرست مسلمان ہوئے مگر یہ بات کفار کو کھل گئی اور انہیں نرغے میں لے کر شہید کر دیا۔

مرحوم حضرت اجمیری کے دلی معتقد تھے۔ خنگ سوار (گھڑسوار) ان کا لقب تھا۔

۱۵۰- حسین ابن احمد اشعری

حضرت ابوموسیٰ اشعری صحابی رضی اللہ کی صلب سے تھے (امیر الکبیر عین الملک فخر الدین حسین بن شرف الملک رضی اللہ ابوبکر احمد اشعری) دنیا کے سخی افراد سے تھے۔ سلطان ناصر الدین قباچہ نے انہیں قلمدان وزراۃ تفویض فرمایا۔ اور انہوں نے ۶۰۲ھ / ۱۲۰۲ سے لے کر ۶۲۵ھ / ۱۲۲۴ (۲۳ سال تک) مسلسل یہ خدمت سر انجام دی۔ سلطان ممدوح کے بعد جب شمس الدین التمش دہلوی کا دور آیا تو موصوف نے ان کے صاحبزادے رکن الدین فیروز شاہ کو اس منصب پر مامور فرمایا۔

مولانا حسین (صاحب ترجمہ) خود فاضل کبیر اور اہل علم کا قدردان و محسن تھا۔ عوفی نے کتاب لباب الالباب انہی کی خاطر سے ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ میں لکھی۔

۱۵۱- شیخ حسین بن علی البخاری

السید الشریف جلال الدین الحسین بن علی بن جعفر بن عبداللہ ــــــ بن امام علی رضا۔ علوم ظاہری و باطنی دونوں سے بہرہ مند۔ شہر بخارا میں پیدا ہوئے۔ وہیں سن رشد کو پہنچے۔ علوم دین حاصل کیے اور اپنے والد کی تربیت میں درجہ کمال تک پہنچے۔

پھر اپنے دو فرزندوں علی اور جعفر کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ بھکر میں پہنچے تو بدرالدین ابن صدرالدین حسینی بھکری نے اپنی صاحبزادی زہرہ ان کے حبالہ عقد میں دے دی۔ یہاں سے ملتان تشریف لے گئے۔ ۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی سے ملاقات ہوئی۔ کچھ مدت آپ کی خدمت میں رہے اور ان سے علم ظاہر و باطن دونوں میں مزید استفادہ کے بعد بھکر آگئے۔ یہاں ان کی اہلیہ زہرہ کا انتقال ہوگیا تو شیخ بدرالدین نے اپنی دوسری دختر فاطمہ کا ان سے عقد کیا۔ برسوں بھکر میں قیام کے بعد اپنی زوجہ کے قرابت داروں کے تنازعہ کی وجہ سے اُچ تشریف لے آئے۔ اور فاطمہ کے بطن سے محمد اور احمد دو صاحب زادے یادگار چھوڑ دیے۔

مرحوم بہت بڑے عالم۔ عارف۔ فقیہہ و زاہد اور مرد صالح ہونے کے ساتھ دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ تدریس مشغلہ رکھا۔ بے شمار علماء اور مشائخ ان سے مستفید ہوئے۔ اللہ نے ان کی ذریت میں برکت عطا فرمائی جو تمام ہندوستان میں پھیل گئی۔[1]

تاریخ وفات ۱۹ جمادی الاولیٰ ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء ہے۔[2]

[1] بحوالہ تذکرۃ السادۃ البخاریہ مصنفہ علی اصغر گجراتی (بحوالہ متن)

[2] بحوالہ خزینۃ الاصفیاء۔

۱۵۲- شیخ حسام الدین ملتانی بدایوانی

م ۶۸۷ھ / ۱۲۶۸ء

شیخ صالح حسام الدین ملتانی بدایوانی - علوم ظاہر و باطن دونوں میں ممتاز، شیخ صدر الدین محمد ابن زکریا ملتانی سے نسبت حاصل ہونے کے بعد بدایوان آکر طرح اقامت ڈال دی اور یہیں آسودۂ لحد ہوئے۔

انھوں نے رؤیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا - وضو فرمارہے ہیں اور اس کا پانی شہر سے باہر فلاں نالی سے گذر رہا ہے - جونہی آنکھ کھلی بھاگ کر اس مقام پر آئے تو پانی کا اثر پایا اور اپنے احباب سے وصیت کی کہ میرے انتقال پر مجھے اسی جگہ دفن کریں - اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا[1]

۱۵۳ - حسام الدین ماری کلی دہلوی

الفاضل الحکیم اپنے دور کے مشہور طبیب اور مختارِ عالم تھے - طبابت اور تدریس دونوں مشغلے رہے - اقامت دار السلطنت دہلی میں تھی اور ان کا دور سلطان غیاث الدین بلبن کا تھا[1]

۱۵۴- سید حمزہ ابن حامد واسطی

ان کے والد ماجد حامد کی کنیت ابوبکر ہے منتہائے نسب یحییٰ بن حسین

---

[1] خزینۃ الاصفیاء (درمتن) [2] بحوالہ فوائد الفواد (درمتن)

[1] بحوالہ تاریخ فیروز شاہ (درمتن)

ذی العبرۃ بن زید شہید علوی ہاشمی ہیں۔ انقلابیان روم کے لیڈر تھے۔ مگر ترک وطن کے بعد بزمانہ حکومت سلطان التمش ہندوستان آکر سلطان پور وارد ہوئے۔

کڑہ وکورہ برلب دریائے گنگ کو وطن بنالیا۔ اور مندرجہ ذیل دیہات میں ان کے پس ماندگان پھیل گئے۔ (۱) بلیتی۔ (۲) ہنسوہ (ضلع پرتاب گڈھ) (۳) اوکاسی۔ (۴) سمونی۔ (۵) نرور کورٹ (یہ ریاست گوالیار میں ایک ضلع تھا) (بحوالہ منبع الانساب)

۱۵۵۔ شیخ حمیدالدین سُوالی

م ۲۹ ربیع الثانی ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء

(سوالی قریب ہے ناگور کے نواح میں اور ناگور راجپوتانہ میں ہے)

شیخ کبیر حمید بن احمد بن محمد ——— محمد بن سعید سعیدی سوالی الناگوری۔ صوفی ملقب بہ سلطان التارکین۔ قطب الدین ایبک کی فتح دہلی کے بعد سب سے پہلے مولود ——— جو سعید بن زید صحابی کی اولاد سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سے مفتخر فرمایا تھا۔

اساتذہ: حضرت معین الدین حسن سنجری اجمیری۔ جن کی خدمت میں برسوں رہے۔ ممدوح مرحوم ہی نے ان کے زہد و ترک دنیا اور عوام سے استغنار کی وجہ سے آپ کو سلطان التارکین کا خطاب ارزانی فرمایا۔ فی الحقیقت آپ فقر و قناعت اور اللہ کی طرف رغبت کا نمونہ تھے۔ قریہ سوالی میں ان کے پاس مزارعہ اراضی کا ایک ٹکڑا تھا جسے جوت کر فصل بوتے اور اس کی آمدنی سے اپنا اور اپنے عیال کا قوت حاصل کرتے۔

تصانیف: اپنے مریدوں کی طرف خطوط کا مجموعہ (بے نام) ہے۔ مشایخ چشتیہ میں سب سے پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اصول طریقت پر کتاب

لکھی ہے۔

شعر بھی کہتے۔ نمونہ کلام ہے۔

اے دوست دلِ خستہ ہوائے تو گرفت
درباغِ وفائے تو نوائے تو گرفت!

ہر چیز کہ بگذاشت برائے تو گذاشت
ہر چیز کہ بگرفت برائے تو گرفت!

مزار قصبہ ناگور میں ہے (اخبار الاخیار درمتن)

۱۵۶۔ حمید الدین مطرزی

الشیخ الفاضل الکبیر حمید الدین حکیم مطرزی۔ طب، نجوم اور دوسرے تمام علوم حکمیہ میں نجبتہ الاماثل تھے۔ ان کے زمانے میں کوئی اور اس درجہ کا حاذق نبض شناس اور ادویہ کے خواص کا ماہر نہ تھا۔ برنی نے اپنی تاریخ میں انہیں بقراط و جالینوس کا ہم پلہ لکھا ہے (برنی درمتن)

۱۵۷۔ مولانا حمید الدین ماریکلی

م۔ ماہِ رمضان ۶۵۷ھ / ۱۲۵۸ء

شیخ الامام حمید الدین الماریکلی اپنے زمانہ کے ممتاز افاضل سے تھے۔ بادشاہ ناصر الدین التمش کے زمانے میں وفات پائی۔ [1]

[1] طبقات ناصری درمتن۔

حرف "د"

۱۵۸ - داؤد بن محمود اودی

شیخ زاہد و فقیہہ شریعت و طریقت بمر دمین اکمل -

حضرت فرید الدین اجودھنی سیر و سیاحت کرتے ہوئے دو مرتبہ ان کے قریہ اودھ میں تشریف لائے۔ ممدوح انہیں سے مستفیض ہیں -

حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی ان کا ذکر تعریف کے ساتھ فرماتے۔ مدفن ان کا "پالی مٹو" میں ہے۔ جہاں لوگ زیارت اور برکت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں -

---

حرف "ر"

۱۵۹۔ بابا رتن ہندی بھٹنڈوی (م ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء)

(ہندوستان میں سر بانگ ۶۸۷ کے بعد دوسرا کذاب)

بوڑھا مُعمّر ابوالرضا رتن بن کرپال ابن رتن ہندی سرہندی تبریزی ۔ ۶ ویں صدی ہجری کے بعد اٹھا۔ اس سے بعض نے حدیث سنی اور بعض نے اس کی صداقت سے انکار کردیا۔ کیونکہ اس نے رسول کے بعد اس قدر طویل مدت میں نمودار ہونے کے باوجود صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادعا کیا۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی نے بحر زخار میں لکھا ہے کہ وہ بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے جو لاہور سے ساٹھ (۶۰) میل کی مسافت پر ہے۔ سن رشد و تمیز میں اسے شوق ہوا کہ اگر دنیا میں کوئی ہادی ظہور فرمائے تو اسے ہدایت صراط مستقیم نصیب ہو۔ جب اس نے یہ سنا کہ ملک عرب میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تب وہ مکہ مبارک کا قصد کرکے روانہ ہوا۔ اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بلا واسطہ کرلی۔ جس امر کی تصدیق مندرجہ ذیل تین حضرات نے بھی کی۔

(۱) شیخ علاء الدولہ سمنانی

(۲) خواجہ محمد پارسا

(۳) شیخ رضی الدین لالا شاگرد شیخ نجم الدین الکبریٰ۔

حتیٰ کہ بابا رتن سنہ ۶۴۲ھ/۱۲۴۴ء میں ہندوستان لوٹ آئے اور خواجہ محمد پارسا ان کی زیارت کے لیے پہنچے۔ جنہوں نے ان سے حدیث سنی اور رتن نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی عنایت فرمائی۔ ۶۵۰ ویں صدی ہجری کے بعد وفات پائی اور بھٹنڈہ میں دفن ہوئے۔

صلاح کتبی صاحب فوات الوفیات نے سنداً تا بہ قاضی القضاۃ نورالدین ابوالحسن علی بن ابوعبداللہ محمد بن الحسین باشری۔ حنفی — عن عبدہ نے اپنے دادا الحسین بن محمد سے بیان کیا ہے کہ جونہی میں سن رشد کو پہنچا تو اپنی ۱۸ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ہمراہ خراسان سے ہندوستان تجارت کے لیے گیا۔ ابھی ہم ہندوستان کی سرحد ہی پر وارد ہوئے تھے تو ایک میدان میں پہنچے۔ ایک چابی بردار درخت پر چڑھا اس نے ہمارے قافلے کا اعلان کیا تو ہم نے اعلان کی ضروریات دریافت کیں۔ اعلان کنندہ نے کہا اس میدان میں ایک مرد معمّر ہیں جن کا نام رتن ہے۔ تب ہم اس میدان میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک بہت بڑا درخت تھا۔ جس کے نیچے بہت سے لوگ جمع تھے۔ ہم بھی اس مجمع میں شامل ہو گئے۔ درخت کے ایک تنا کے ساتھ گوپھن لٹک رہا تھا۔

بابا رتن نے لمبی سانس بھر کر شہد کی مکھیوں کی مانند آواز سے فارسی میں کہا اور ہم اس کی آواز سن رہے تھے کہا "میں اپنے عہد شباب میں اپنے والد کے ہمراہ تجارت کے سلسلہ میں حجاز جا پہنچا۔ جب ہم مکہ مکرمہ کی وادی میں داخل ہوئے تو مینہ برس اٹھا۔ وادی میں پانی بھر گیا۔ اس لمحہ ایک گندم گون حسین و جمیل نوجوان کو دیکھا جو اونٹوں کا گلہ چرا رہا تھا اور وادی میں بھرے ہوئے پانی کی وجہ سے وہ اپنے اونٹوں سے کچھ دور رہ گیا تھا۔ یہ نوجوان پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے اپنے گلے تک آنے سے قاصر تھا۔ میں نے اس نوجوان کی بے بسی دیکھی تو اسے اپنی پشت پر لاد کر پانی میں در آیا اور پار ہو کر اس کے ریوڑ تک اسے

لہ یہ درخت سنہ ۱۹۴۰ء تک تھا اور نیچے پختہ مزارات تھے۔

پہنچادیا۔ تب نوجوان نے میری طرف دیکھ کر تین مرتبہ عربی میں فرمایا بارک اللہ فی عمرک (اللہ تیری عمر میں برکت عنایت فرمائے) میں نے اسے وہاں چھوڑ کر اپنی راہ لی۔ ہم شہر مکہ میں داخل ہو گئے اور خرید و فروخت کے بعد واپس وطن لوٹ آئے"۔

بابا رتن کہتے ہیں۔ ہم اتنی آبادی میں تھے۔ کہ ایک چاندنی رات اور چودھویں کا چاند چمک رہا تھا۔ ہم نے چاند کی طرف دیکھا تو اس کے دو ٹکڑے ہو رہے تھے۔ ایک ٹکڑا دور مشرق میں تھا اور دوسرا ٹکڑا دور اسی قدر مغرب میں تھا۔ یہ سماں تھوڑی دیر تک رہا۔ ہر طرف تاریکی مسلط ہو گئی۔ ذرا دیر بعد دیکھتے ہی دیکھتے دونوں ٹکڑے ایک دوسرے کی جانب بڑھنا شروع ہوئے۔ اور باہم جذب ہو کر پھر سے بدرِ کامل بن گیا۔ ہم حیرت میں ڈوب گئے یہ کچھ کیوں ہوا!

بابا رتن نے یہ بھی فرمایا کہ ایک زمانے میں ایک قافلہ ادھر سے گذرا تو ہم نے ان لوگوں سے یہ ذکر کیا جس پر انہوں نے کہا کہ شہر مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو ہاشمی قبیلہ سے ہے۔ وہ خود کو تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث بہ رسالت بتاتا ہے۔ اس کے شہریوں نے اس سے دوسرے انبیاء کی مانند معجزہ کا مطالبہ کرتے ہوئے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ طلب کیا جس پر وہ کچھ ظہور میں آیا جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں"۔

بابا رتن فرماتے ہیں یہ سن کر ہم نے پھر سامانِ تجارت جمع کیا اور مکہ معظمہ جا پہنچے ہم نے اس صاحبِ معجزہ سے ملاقات کا اشتیاق ایک شخص کے ذریعے سے ظاہر کیا تو اس نے ہمیں نشان و پتہ بتایا۔ جب ہم اس منزل پر پہنچے تو طلبِ اجازت کے بعد باریاب ہوئے۔ وہ شخص ایک بلند نشست پر براجمان اور اس کے چہرے پر نور برس رہا تھا۔ اس کے خدوخال میں کچھ تغیر سا آچکا تھا تاہم میں سمجھ گیا کہ یہ تو وہی شخص تھا جسے میں نے اپنے پہلے سفر میں دیکھا تھا۔ مگر آج میں اسے پہچان نہ سکا۔ البتہ جب میں نے تقدیم سلام کی تو وہ سلام کہہ کر متبسم ہوا اور مجھے اپنے قریب بلا لیا۔ اس کے سامنے طشت

میں رطب کھجوریں تھیں اور حلقے میں اس کے اصحاب تاردں کی مانند ہالہ کیے ہوئے اس کی تعظیم وتکریم کے انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے کھجوریں تناول کرنے کے لیے فرمایا اور میں نے تعمیل ارشاد کی۔ بعد میں اس نے چھ کھجوریں اپنے مبارک ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائیں۔ یہ کھجوریں ان کے سوا تھیں جو میں نے اس شخص کے ساتھ بیٹھ کر کھائی تھیں۔ پھر اس نے فرمایا سے

تم نے مجھے پہچانا نہیں ؟

کیوں نہیں ! مگر پوری طرح شناخت نہیں کرسکا!

فرمایا۔ تم نے فلاں ——— سن میں مجھے اپنی پشت پر اٹھا کر سیلاب میں سے عبور نہیں کرایا تھا؟ جب کہ میں اپنے اونٹوں کے گلے سے بچھڑ چکا تھا۔

جابا - اس موقعہ پر آنحضرت کو ایک نشانی سے میں مزید شناخت کرسکا اور زبان سے عرض کیا ہاں ہاں! ایسا ہوا تھا۔

پھر فرمایا:۔ اب تم اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاؤ! اور میں نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہو اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ تو میں نے اسی طرح دوہرایا۔ وہ خوش ہو گئے! اور میرے رخصت ہونے پر فرمایا:۔

بارک اللہ فی عمرک (اللہ تیری عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ۳ مرتبہ یہی کلمہ دعائیہ پڑھا)

اب میں روانہ ہوا۔ اس حالت میں کہ اس شخص کی ملاقات اور اپنے قبولِ اسلام سے میرا رواں رواں خوش تھا،

پس اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور میری عمر میں ہر مرتبہ کے کلمہ دعائیہ کی بدولت ایک سو سال کا اضافہ فرمایا۔ آج میری عمر ۱۔ سو سال سے اس

قدر . . . . . . زیادہ ہے۔ اور اس میدان کے اندر جس قدر افراد موجود ہیں یہ سب میری نسل سے ہیں۔ پروردگار نے مجھ پر اور ان پر ہر قسم کی خیر و برکت اور نعمت بہ طفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارزانی فرما رکھی ہے"۔ (بحوالہ الکتبی در کتاب فوات الوفیات در متن کتاب)

بابا رتن کی صحابیت کے متعلق مخالف آراء:

علامہ ذھبی نے اپنی کتاب تجرید فی اسماء الصحابہ میں لکھا ہے کہ "رتن ہندی مشرق میں سن ۶۰۰ ہجری کے بعد پیدا ہوا۔ اس کے صحابی ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اس سے بعض جاہلوں نے روایت سنی اور اس کی تعریف کی اور بعض کذابین نے تو اس کا نام بھی بدل دیا اور جس طرح ان سے پہلے لوگوں نے سرباتک ہندی کی داد و تحسین کی۔ اسی طرح رتن کی تعریف کر اٹھے مگر رتن تو ابلیس ابن ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت اور آپ سے سماعت حدیث کا پاکھنڈ کھڑا کر دیا۔

ذہبی نے میزان الاعتدال میں یہ لکھا ہے:-

رتن الھندی! وما ادراک ما رتن الھندی! شیخ دجال بلا ریب ظھر بعد الستمائة فادعی الصحبة والصحابة لا یکذبون وھذا اجری علی اللہ ورسولہ[1] وقد الفت فی امرہ جزءاً وقد قیل انه مات سنة ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء ومع کونه کذاباً فقد کذبوا علیه جملة کبیرة من اسمج الکذب والمحال قلت وزعم الاردبلی انه سمع بعد ذلک فی سنة ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء[1]

---

[1] (ترجمہ) رتن ہندی کی بات! تم کیا جانتے ہو رتن الہندی کو۔ وہ مرد معمر بلا شبہ دجال تھا۔ جو ۶ویں صدی ہجری کے بعد نمودار ہوا۔ اس نے صحبیت کا دعویٰ کیا۔ باوجودیکہ وہ کذاب تھا اور اس کی کذب سازی پر تمام ارباب نقد نے اسے کذاب کہا۔ وہ ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء میں مرا اور میں نے اس کے بارے میں علیحدہ ایک کتابچے کے اندر اس کی داستان لکھ دی ہے۔ البتہ اربلی نے کہا ہے کہ رتن نے ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء میں آنحضرت سے سماعت کی۔ (مترجم)

اس کے بعد ذہبی نے لکھا ہے کہ رتن کے ہفوات پر وہی شخص یقین کر سکتا ہے جسے محمد بن حسن کے سرداب سے زندہ نکل آنے پر یقین ہے۔ یا وہ شخص جو علی رضی اللہ عنہ کی رجعت پر ایمان رکھتا ہے ــــ آہ ان لوگوں کا کوئی علاج نہیں۔ محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ ان میں سے آخری فرد ابو الطفیل عامر بن واثلہ تھا۔ صحیح بخاری میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قبل موتہ بشھر او نحوہ ارائیتکم لیلتکم ھذہ فان علی مائۃ سنۃ منھا لا یبقی علی وجہ الارض ممن ھو الیوم علیھا احد

فرمایا۔ تم آج کی رات میں میری کہی بات کو یاد رکھنا کہ آج کے موجود النسانوں میں سے ایک سو سال کے بعد کوئی شخص زمین پر زندہ نہ رہے گا!

اور آنحضرت صلعم نے اس کے بعد سلسلہ کلام ختم کر دیا پس اس صداقت کے بعد اس بارے میں جو کچھ ہے وہ گمراہی ہی تو ہے۔

حافظ ابن حجر کی رائے:۔ صفدی نے رتن کے طول عمر پر اپنے تذکرہ میں جو کچھ لکھا ہے اور اس نے اس بارے میں رتن کے وجود سے منکروں پر جو قدح کی ہے تو یہ صرف صفدی کی عقلی دلیلیں ہیں۔ ان دلائل کی صحت سے انکار نہ سہی۔ مگر بات تو شرح کی رو سے ہونی چاہیے کہ حدیث متذکرہ الصدر در بخاری نیز مسلم کو سامنے رکھ کر بات کرنا چاہیے۔

یہ جائے کہ قاضی برہان الدین ابن جماعہ نے اپنی لقمایف کے حواشی پر تذکرہ صفدی کے بارے میں فرمایا ہے!

قول شیخنا الذھبی ھو الحق و تجویز الصفدی الوقوع لا یستلزم الوقوع اذ لیس کل جائز۔

ترجمہ:۔ ہمارے شیخ ذہبی کا قول سچا ہے اور صفدی کا یہ فرمانا کہ اس (طولِ عمر) کا امکان ہے تو محض امکان ہونا مستلزم وقوع نہیں۔ کیوں کہ ہر جائز امر کا وقوع ضروری نہیں ہے۔

ایضاً ابن جماعۃ:۔ اور جب میں اپنے شیخ مجد الدین شیرازی شیخ اللغت کے پاس زبید (جو یمن کا ایک قصبہ ہے) گیا اور شیخ ممدوح اس دور میں بلادِ یمن کے قاضی القضاۃ تھے اور ان سے رتن ہندی کے بارے میں گفتگو ہوئی تو آپ نے ذہبی کے وجود رتن سے انکار فرمایا اور کہا کہ ان کے شناساؤں میں سے ایک شخص جب مذکورہ میدان میں پہنچا تو اس میدان میں بے شمار ایسے افراد جمع تھے جو اپنے اپنے آباؤ اجداد سے رتن کے قصے بیان کر رہے تھے۔ جن کی باتوں سے رتن کے وجود کا ثبوت ملتا ہے ــــــ (از ذہبی) مگر یہ واقعہ بھی رتن کی ہستی کے لیے کافی نہیں بلکہ مشتبہ ہے کہ اس کا وجود ہی نہ تھا۔ رہی رتن کی طولِ عمر کی کہانی جس کی بنا پر اس نے اپنی صحبیت کا ادعا کیا اور یہ بات دنیا میں پھیل گئی ــــــ تو مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر وہ "رتن" سچا ہوتا تو اس کی کہانی دوسری صدی، تیسری صدی اور چوتھی یا پانچویں صدی میں سے کسی دور میں تو مشتہر ہوتی۔ چہ جائے کہ وہ مشہور بھی ہوئی تو چھٹی صدی کے آخر میں۔ پھر ساتویں صدی کے اوائل میں اس کی وفات سے ذرا پہلے!

(ملخص از افادہ حافظ ابن حجر در کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

امام ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

میں نے بعض رسالوں میں جو ابن الدبیع شیبانی م ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء کے ہیں۔ یہ لکھا ہوا پڑھا ہے۔

رتن الہندی شیخ کاذب	قد اوسیا الخلف فی وحدانہ
زعم الصحبۃ مع اجماع من	قال بالحق علی بہتانہ

ترجمہ :۔ رتن ہندی معمر کے اخلاق میں بعضوں نے اس کا قصہ جو بیان کیا ہے کہ رتن نے اپنی صحابیت کا جو دعوی کیا تو اس کے دعوے پر بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ مگر جس کسی نے اس کے دعوے کو بہتان کہا وہ حق بجانب ہے۔

امام حسن صغانی لاہوری کا انکار :-

امام حسن لاہوری مولف مشارق الانوار م ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء جنہوں نے اپنے معاصرین میں سے بہتوں کو دیکھا انہوں نے اپنی کتاب تبیین الموضوعات میں لکھا ہے کہ

بعض جاہلوں نے رتن ہندی کی بابت جو لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آنحضرت سے ان کی درازی عمر کی روایت کی ہے تو ائمہ محدث کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں اور جن افراد کو آں حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں سے اس لمحہ سے لے کر ۹۹ سال کے بعد کوئی متنفس زندہ نہ رہا۔ ان کا آخری فرد ابو الطفیل ہے جس کی موت پر لوگ اس لیے بھی روئے۔ کہ آنحضرت کے صحابہ میں سے جو ایک صاحب رہ گئے تھے آج وہ بھی انتقال کر گئے اور یہی بات صحیح ہے بحسب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو آپ نے اپنی عمر کے آخر میں فرمائی اور یہ عشا کے بعد کا وقت تھا۔ وہ بات یہ ہے کہ

"آج سے ایک سو سال کے بعد تک ان لوگوں میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ رہے گا جو آج زمین پر موجود ہے"۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (آنحضرت بغیر وحی کے کوئی بات فرما نہ سکتے تھے)

ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ رتن سے جو باتیں سننے میں آئیں وہ حکیم ترمذی کی باتوں جیسی ہیں کہ بقول اس نے بروایت ابن عباس خضر سے بھی روایت کر ڈالی۔

یہ اور اس نوع کی تمام کہانیاں فقراء کی خانقاہوں میں گونجتی رہتی ہیں۔ مگر اللہ کا دین اس

سے بہت بلند ہے کہ اس کی باتیں جاہلوں یا کند ذہنوں سے سنی جائیں۔
چہ جائے کہ رسول اللہ نے فرمایا
۱ ذرونی ماترکتکم (میں نے جو باتیں کہنا ترک کردی ہیں ان کے متعلق مجھ سے دریافت نہ کرو)
۲ وانی ترکتکم علی البیضاء النقیۃ لیلھا کنھارھا ان تمسکتم بھا لن تضلوا بعدی کتاب اللہ وعترتی واتباع اصحابی وسنتی انتھی ط
ترجمہ ۱:۔ اور میں نے تمہارے لیے ایسی شریعت چھوڑدی ہے جس کی روشنی میں راتیں دن کی مانند نظر آرہی ہیں۔
اگر تم ان سے متمسک رہو تو کبھی دین کی راہ سے نہ بھٹکو گے۔ وہ ہے قرآن اور میری اولاد اور میرے صحابہ کا اتباع اور میری سنۃ ا فقط

۱۶۰۔ شیخ حاجی بابا رجب گجراتی آفتاب اسلام

م ماہ رجب ۷۷۶ھ ۱۳۷۵ع

معمر بابا رجب گجراتی نہروالوی مشہور مشائخ سے ہے۔ سید احمد کبیر رفاعی سے اکتساب فیض فرمایا اور ملک گجرات میں ۶۱۰ھ ۱۲۱۳ع میں تشریف لے آئے۔ ایک صاحب نے ان کے قدام گجرات پر آفتاب اسلام سے مادہ تاریخ نکالا۔
شہر نہروالہ میں اقامت فرمائی۔ آپ کے فیضان و توجہ سے بے شمار افراد حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ تاریخ وفات میں مادہ کفر شکن[۱] ہے (بحوالہ تاریخ احمدی از متن)

---

[۱] مولانا ابو الکلام نے مجھے مشارق الانوار کے متعلق فرمایا۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ کتاب ساغانی کی تالیف ہے یا نہیں۔ واقعہ دسمبر ۱۹۴۷ء کا ہے (مترجم)

۱۶۱- شہزادی رضیہ بنت سلطان التمش

۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء

ملکۂ فاضلہ (در علوم) نام رضیہ ولدیت سلطان شمس الدین التمش ان کا لقب رضیۃ الدنیا والدین ہے۔ ان کے بھائی رکن الدین پسر التمش کے بعد ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء میں عوام نے ان کو اپنا حکمران تسلیم کیا۔ یہ مردوں کی مانند تیر و کمان اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہوتیں۔ اور چہرے پر نقاب نہ لیتیں۔

بالآخر وہ ایک غلام کی تہمت میں ملوث ہو گئی۔ تب اسے لوگوں نے تخت سے اتار دیا۔ جس کے بعد اس نے ایک امیر سلطنت کے ساتھ نکاح کر لیا۔ مگر سلطنت کی عنان اس کے بھائی معز الدین نے سنبھال لی۔ تب رضیہ اور اس کا شوہر دونوں معز الدین کے خلاف ہو گئے۔ اور دونوں اپنے اپنے مقبوضہ علاقے پر قابض ہوئے۔ ان کے ہمراہ وہ لوگ بھی تھے جو ان کے طرفدار تھے۔ فریقین کے درمیان لڑائی ٹھن گئی۔ تب سلطان ناصر الدین میدان میں نکل آیا اور اس لڑائی میں رضیہ ۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء میں قتل ہو گئی۔ اس کا مزار دریائے جمنا کے کنارے پر دہلی سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے (تاریخ فرشتہ بحسب متن)

۱۶۲- قاضی رفیع الدین گاذرونی

بزرگ محترم الفاضل الکبیر قاضی رفیع الدین حنفی گاذرونی مشہور مدرس لعہد غیاث الدین بلبن۔ یہ تذکرہ قاضی ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ میں کیا ہے کہ وہ دہلی کے اندر اساتذہ میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔

---

۱۶۳ - قاضی رکن الدین سامانوی[1]

بعہد سلطان غیاث الدین بلبن - مشہور فقیہہ اور ہمیشہ مسند تدریس مزین رکھی - بادشاہ ان کا بے حد احترام کرتا[2]

۱۶۴ - شیخ رکن الدین دہلوی

شیخ صالح فقیہہ رکن الدین فردوسی دہلوی اپنے عہد کے ممتاز مشایخ سے تھے - عہد رشدی ہی میں شیخ بدر الدین سمرقندی دہلوی کے حلقہ میں شامل ہو گئے - مدتوں ملازم خدمت رہے - اور ان سے طریقہ فردوسیہ میں فیض حاصل کیا - ان کے شیخ سیف الدین باخرزی مستفیض تھے شیخ الکبیر نجم الدین الکبریٰ صاحب الطریقہ الکبریٰ سے -

دولت کدہ جو دہلی ہی میں تھا، ان کی رحلت کے بعد انکے مدرس پر قابض ہو گئے -
شیخ ممدوح صاحب وجد و حالت تھے - ان سے اکتساب کیا ان کے برادر زادہ نجیب الدین ابن عماد الدین دہلوی اور دیگر بے شمار حضرات نے -

ساتویں صدی میں حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی کے عہد میں انتقال فرمایا خزینۃ الاصفیاء میں ان کی تاریخ وفات جو ۲۴۴ھ / ۱۲۴۴ء مرقوم ہے، جو صحیح نہیں -

۱۶۵ - مولانا رضی الدین صغانی

شیخ عالم محدث رضی الدین صغانی بدایوانی مشہور علماء سے تھے - مشرف نے انہیں

---

[1] سامانہ ریاست پٹیالہ میں ہے -

[2] تاریخ فیروز شاہی (در متن)

شہر علی گڑھ (کول میں) اپنا نائب مقرر کرکے بھجوایا۔ کچھ مدت قیام کے بعد حرمین روانہ ہوئے۔ حج و زیارت دونوں سے مشرف ہوکر بغداد تشریف لے گئے۔ وہاں کے علماء و شیوخ سے استفادہ کے بعد ہندوستان چلے آئے۔ اور لاہور میں انتقال فرمایا۔ حدیث میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین بدایوانی دہلوی ان کا ذکر تعریف کے انداز میں فرماتے۔[1]

---

[1] فوائد الفواد (در متن)

حرف "ز"

۱۹۶- شیخ زکریا ابن محمد ملتانی

الشیخ الامام العالم المحدث زکریا ابن محمد بن علی العرشی الاسدی۔ شیخ الاسلام۔ بہاءالدین ابن وجیہہ الدین ابن کمال الدین کنیت ابو محمد ___ آپ کی ولایت اور علومرتبت پر تمام لوگ متفق ہیں۔

قلعہ کوٹ کرور میں پیدا ہوئے۔ یہ مقام ملتان کے نواح میں ہے۔ تاریخ ولادت ۲۷ رمضان ۵۶۶ھ و ___ ۵۷۸ھ ۱۱۷۰ء۔ ان کی والدہ ماجدہ شیخ حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی تھیں۔ جو ان کی ۱۸ سال کی عمر میں آسودۂ لحد ہوگئیں۔ تب آپ بخارا تشریف لے گئے اور یہاں کے اساتذہ سے پڑھا۔ پھر حجاز کا قصد فرمایا۔ حج بیت اللہ کے بعد قبر النبی صلعم کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ۵ سال تک قیام رہا۔ یہاں شیخ کمال الدین محمد الیمانی سے حدیث پڑھی۔ اب بیت المقدس کا رخ کیا اور مسجد اقصیٰ ومشاہد انبیاء علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوکر بغداد روانہ ہوئے۔ یہاں شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی صاحب کتاب عوارف سے ان کے سلسلہ میں اجازہ حاصل کرنے کے بعد ملتان تشریف لے آئے۔ اور ہمہ تن دعوت وارشاد پر متوجہ ہوگئے جس سے لوگوں پر اس قدر اثر ہوا کہ ان سے پہلے کسی صاحب طریقت کے ارشاد ودعوت سے اس قدر فائدہ نہ ہوا تھا۔

وقارِ دنیوی:- اللہ تعالےٰ نے ان پر دنیا بھی اس قدر فراخ کر دی کہ گویا:-

وآتیناہ فی الدنیا حسنۃً وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین ؏

ان کی رحلت کے بعد ان کے سات فرزند تھے اور کوئی صاحب زادی نہ تھی۔ شیخ کی وفات کے بعد ہر ایک صاحب زادے کے حصے میں ستر ستر لاکھ دینار آئے۔ ظروف، گھریلو سامان اور مکانات واراضی ان کے علاوہ تھے۔

شیخ محمد نور بخش نے اپنی تالیف سلسلۃ الذہب میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ——— آپ ہندوستان میں اولیاء کے سرتاج علوم ظاہری میں کامل۔ صاحب احوال ومقامات ومکاشفات ومشاہدات جملہ اوصاف سے متصف اور طریقت کے بے شمار واسطوں سے فیض یاب تھے۔ اور ارشاد وہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف لانے ——— لوگوں کو معصیت سے طاعت پر کاربند کرنے اور نفسانیت سے روحانیت کی راہ پر چلانے میں فقید المثال تھے۔

آپ کی تالیف مجمع الاخبار میں جو وصایا پر مشتمل ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ بندے پر اللہ کی عبادت واجب ہے مگر یہ صدق واخلاق جو عجز کی نفی اور عبادت میں اشخاص کو ذہن سے محو کرنے اور ذکر میں اغیار سے بُعد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ساتھ ہی اپنے احوال وکردار کے حسن اور محاسبہ نفس در ہمہ اقوال وافعال کا التزام ضروری ہے۔ پس انسان نہ تو زبان سے کچھ کہے اور نہ اپنے افعال سے ضرورت کے بغیر کچھ کہے یا کرے۔ حتیٰ کہ ہر قول وفعل سے قبل اللہ کے حضور التجا کرے اور اس سے امداد چاہے۔ تاکہ وہ ذات اسے توفیق ارزانی فرمائے۔

آپ کے وصایا میں یہ وصیت بھی ہے کہ "اے یاران طریقت ذکر دوام پر قائم رہو۔ اس (ذکر سے) طالب اپنے محبوب سے ملتا ہے اور محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کی میل کو پھونک دیتی ہے۔ جب یہ (محبت) متحقق ہو جاتی ہے تو ذاکر اپنے مذکور (مطلوب ومحبوب)

کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہی ذکر موعود ہے جس کا بیان ارشاد باری تعالےٰ میں بالفاظ:۔
وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ (اللہ تعالےٰ کا ذکر بکثرت کیا کرو تاکہ تم فلاح حاصل کر سکو۔)

نیز حضرت ملتانی کے وصایا میں ایک وصیت یہ بھی ہے۔

سلامۃ الجسد فی قلۃ الطعام و سلامۃ الروح فی ترک الانام و سلامۃ الدین فی الصلوۃ علی محمد علیہ الصلوۃ والسلام ۔

ترجمہ:۔ بدن کی صحت تقلیل غذا میں ہے۔ روح کی سلامتی عوام سے ترکِ صحبت میں ہے۔ دین کی سلامتی رسول اللہ پر درود میں ہے۔ (دراخبار الاخیار)

وفات:۔ بروز جمعرات ۷۔ ماہ صفر ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ء بعمر ایک سو سال۔ شیخ عمر عمودی نے غسل دیا۔ آپ کے صاحبزادہ صدر الدین محمد نے نماز جنازہ پڑھائی اور ملتان کے قدیم قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ (اخبار الجمال (درمتن))

۱۶۷۔ شیخ زکی ابن احمد لاہوری

الفقیہ الزاہد ــــ شیخ الاسلام و قدوۃ العلماء الکرام۔ لاہور میں فیضان تدریس سدا جاری رکھا۔ عوام مستفید ہوئے۔ سیر و سفر کے دوران میں ہرات تشریف لے گئے اور علماء و رؤسا اور اعلام استقبال کے لیے امنڈ آئے۔ شعرا نے استقبالیہ میں جو قصائد پڑھے۔ ان میں امام فرید الدین محمود بن البشار کے بعض اشعار یہ ہیں۔

زہے زخاطرِ تو لشکرِ سخن منصور
خہے بہمتِ تو کشورِ ہنر معمور

سزد کہ خطِ غلامی ستاند از آفاق
چو ہست مسکنِ تو خواجہ بخطۂ لاہور

زروح پاکِ توشاہِ زمانہ جوید روح !

چو آفتاب کہ از عرش وام خواہد نور

اگر نہ درس تو بودی حکم شدی مدارس

دگر نہ عون تو بودی ادب شدی مقہور

مؤلف کتاب لباب الالباب نورالدین محمد عوفی بخاری نے بھی ان سے فیض حاصل کیا اور ان سے سنے ہوئے بے شمار واقعات اپنی کتاب میں لائے۔ شیخ مرحوم ملک شاہ سلجوقی کے یہ ۲ شعر اکثر پڑھا کرتے ؎

بوسی زدیار دوش بر دیدہ ٔ من

او رفت وازاں بماند تر دیدہ ٔ من !

زاں داد بریں دیدہ نگار نیم بوس

کو چہرہ خویش دید در دیدہ ٔ من !

آپ نے حج وزیارت سے بہرہ حاصل فرمایا۔

۱۹۸- زید بن اسامہ حلّی

کنیت ابو الغنائم۔ حسین ذی الامعہ کے واسطے سے زید بن علی بن حسین بن علی علیہ وعلی جدہ السلام تک شجرہ پہنچتا ہے۔ شاعر بے بدل تھے۔ عراق چھوڑ کر ہندوستان کو وطن بنالیا اور اسی سرزمین میں آسودۂ لحد ہوئے۔ ہند میں ان کی نسل سے بعض مشہور افراد پیدا ہوئے [1]

---

[1] بحوالہ عمدۃ الطالب (درمتن)

۱۶۹ - مولانا زین الدین بدایونی

الشیخ العالم الکبیر خواجہ زین الدین الاولیسی البدایوانی سرخیل معاصرین - بدایوں کی بڑی جامع مسجد کے عقب میں مدرسہ تھا جس میں آپ کا فیض علم جاری رہا -

سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین بدایوانی دہلوی آپ کے فضل و کمال کی تعریف فرماتے تھے (فوائد الفواد بحوالہ متن)

حرف "س"

۱۷۰ - سراج الدین ساوی

معروف و ممتاز ارباب فضل و کمال سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے قصبۂ سامانہ کے نواح میں آپ کو ایک قریہ جاگیر میں عطا فرمایا۔ مگر جب سلطان غیاث الدین فیروز خلجی اس نواح پر مسلّط ہوا اور اس نے جاگیر کی مرسومہ مال گذاری آپ سے طلب کی تو مولانا سراج نے خوشامد سے ٹالنا چاہا۔ ان کی مدح میں قصیدہ کہا مگر سلطان نے درگذر نہ کی۔ مولانا وہاں سے نکلے تو خلجی کے خلاف ہجو بہ مضحکہ انگیز اشعار کہے۔

لیکن جب سلطان ممدوح کی بادشاہت کا سکہ جم گیا تو مولانا نے اپنا عمامہ گردن میں حمائل کیا اور مجرمانہ حیثیت سے بادشاہ کے حضور حاضری کی درخواست کی۔ فیروز شاہ نے مولانا سے مصافحہ کیا اور گوناگوں صلہ عنایت فرمایا اور سالانہ وظیفہ مقرر فرماکر اپنے ندیموں میں شامل کر لیا۔ (بحوالۂ تاریخ فرشتہ در متن)

۱۷۱ - مولانا سراج الدین ترمذی بدایونی

عالم دین اور زیور صلاح و تقوی سے مزین۔ حج و زیارت سے شاد کام ہوئے اور بدایوں ہی میں زندگی بسر کر دی۔ سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین دہلوی بدایونی ان کے فضل و کمال کے معترف تھے[1]

[1] فوائد الفواد بحوالہ متن کتاب۔

۱۷۲- مولانا سدید الدین حنفی دہلوی

اپنے دور میں فقہ واصول فقہ اور ادب عربی میں ممتاز تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں دہلی کے اندر ان کی مسند علم قائم تھی۔ جیسا کہ قاضی ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ذکر کیا ہے۔

۱۷۳- قاضی سعد الدین کردری

الشیخ الامام الفاضل الکبیر۔ علم وفضل میں زبدۃ الاماثل اور سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں ہندوستان بھر کے قاضی القضاۃ تھے۔ (قاضی منہاج الدین جوزجانی در طبقات ناصری درمتن)

۱۷۴- شیخ سلیمان ابن عبداللہ العباسی الہاشمی

م ۶۵۷ھ / ۱۲۸۵ء

آپ نے حضرت شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد شیخ فرید الدین عطار کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ سلطان التمش کے دور میں ہندوستان تشریف لائے۔ تو بادشاہ نے انہیں شاہی محل میں اقامت کا موقعہ بخش دیا۔ نقود میں ۴ ہزار تنکہ چاندی کا عنایت فرمایا۔ اور حکم دیا دہلی میں قیام رکھنے کا۔ مگر مولانا نے اسے قبول نہ فرمایا اور کنتور تشریف لے گئے۔ (کنتور قصبہ ہے اودھ میں) اسی کو اپنا مسکن قرار دیا۔ یہ واقعہ ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء کا ہے۔ یہاں زندگی کی ۴ بہاریں دیکھیں۔ مگر ان دنوں میں لوگوں سے ملنا جانا یک قلم ترک رکھا۔ ان کی عمر (۱۱۰) سال تک آپہنچی۔ کنتور ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یہیں آسودہ لحد ہوئے۔ غالباً ۶۵۷ھ میں وفات پائی۔

۱۷۵- شیخ سلیمان بن مسعود اجودھنی

شیخ صالح سلیمان بن مسعود بن سلیمان ابن شعیب العدوی العمری بدرالدین لقب - ہندوستان کے مشہور مشایخ سے ہیں - اپنے والد کے سب سے بڑے بیٹے تھے - شہر اجودھن میں پیدا ہوئے - اور یہاں وفات پائی - اپنے باپ فریدالدین مسعود سے پڑھا (اجودھن پاک پٹن ہے - اور مسعود ہیں بابا فرید گنج شکر) اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے -

حرف "ش"

۱۷۶۔ مولانا شرف الدین ابو توامہ حنفی دہلوی

تمام علوم میں مہارت ہونے کی وجہ سے اساتذہ کبار میں شمار تھا۔ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں دہلی سے سنار گاؤں (در مشرقی بنگال[۵]) تشریف لے آئے اور مسند تدریس کو زینت بخشی۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری، ان کے شاگرد نے اپنی کتاب خوان پر نعمت کی ۔۶ویں مجلس میں ان کا تذکرہ اسی حرف کے مطابق فرمایا ہے۔ سنار گاؤں ہی میں انتقال فرمایا اور یہیں آسودۂ لحد ہوئے۔

۱۷۷۔ مولانا شرف الدین الولوالجی

علوم فقہ میں پوری دسترس تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی کے اندر ان کی مسند درس بچھی رہی (برنی در تاریخ فیروز شاہی متن)

۱۷۸۔ قاضی شرف الدین اصفہانی

فقیہہ عصر اور قاضی تھے۔ ناصر الدین قباچہ کے عہد میں ملتان پر نائب حکومت کیا ہوئے کہ اپنی موت کے قبالہ پر خود ہی دستخط کر دیے۔ قباچہ کے منکر امور پر سلطان غیاث الدین کو خط لکھا کہ یہ حکمران ان لغزشوں کی وجہ سے قابل قتل ہے۔ خط قباچہ کے ہاتھ آ گیا۔ اور اس نے طیش میں آکر انہیں جلاد کے حوالے کر دیا[۲]

[۲] تاریخ فرشتہ (در متن)

[۵] خاصہ کی مشہور کارگاہ۔ اب معمولی سا قریہ رہ گیا ہے (معجم الامکنہ ص ۳۳) مترجم۔

۱۷۹۔ مولانا شرف الدین عراقی

۱۹ شعبان ۶۸۷ھ
۱۲۸۸ء

عالم ممتاز صلاح وتقوی میں برگزیدہ اقران اور اولیائے وقت میں تھے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی سے طریقت عنایت ہوئی۔ شاہان خلجیہ کے عہد میں مدتوں دہلی رہنے کے بعد دکن تشریف لے گئے۔ اور حیدر آباد کے نواح میں ایک عنبر آباد قلعہ کے اندر اقامت فرما ہوئے۔ بے شمار لوگوں نے ان کی بیعت کی (محبوب ذی المنن در متن)

۱۸۰۔ سلطان شمس الدین التمش

م ۶۳۳ھ
۱۲۳۵ء

المؤید الملک المظفر شمس الدین التمش ابن الیم خان البری ترکمانی۔ سلطان صالح جو اپنے بچپنے میں بخارا سے اچک لیے گئے۔ ان ٹھگوں سے ایک بخاری ہی نے انہیں خرید لیا جس سے جمال الدین چست قبا انہیں خرید کر غزنہ لے گیا۔ یہاں سے وہ دہلی لے آیا۔ اور حضرت سلطان قطب الدین ایبک نے انہیں خرید کر محلات شاہی میں ان کی تربیت کی۔ یہ سن بلوغ کو جو پہنچے تو حضرت ایبک نے قلعہ گوالیار فتح کر کے اسپر انہیں مقرر کر دیا۔ بعد ازیں بدایوں اور اس کا گرد و نواح مسخر کر کے یہ علاقہ بھی ان کی سپردگی میں دے کر اپنی دختر کا عقد ان سے کر دیا۔

حضرت ایبک کی رحلت پر عوام نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ انہوں نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اڑلیسہ پر حملہ کر کے اس کے رئیس سے گھمسان کی لڑائی کے بعد صلح کر لی۔ بالعوض زرکثیر کے جس کی مدت ادائیگی میں دو میعادیں تھیں (۱) اتنی رقم فوراً ۔۔۔ اور ۔۔۔ (۲) اتنی رقم فلاں موقعہ پر۔

یہاں سے ۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء میں بنگال پر دھاوا بول کر اسے سلطان غیاث الدین خلجی کے قبضہ سے نکالا اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرنے کے ساتھ اپنے فرزند ناصرالدین محمود کو نائب مقرر کر کے خود روانہ ہوا۔ اس سفر میں ان کی رکاب میں ۳۸ ہاتھی اور ۸۰ لاکھ تنکہ بدرلوں میں ہاتھیوں پر لدا ہوا تھا۔ اس نے ۶۴۳ھ ۱۲۴۵ء میں قلعہ رنتھنبور کا محاصرہ کر لیا۔ جسے سخت لڑائی کے بعد سر کر لیا۔ بعد میں قلعہ مندو سے بھی ۶۲۴ھ ۱۲۲۶ء میں یہی معاملہ پیش آیا۔ مگر تسخیر کے بعد اس کے پہلے مالک ہی کو اس پر بحال کر دیا۔

۶۲۴ھ ۱۲۲۶ء میں وہ دوبارہ بنگال روانہ ہوا کیونکہ وہاں پر اس کے بیٹے ناصرالدین محمود کی رحلت سے مفسدوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ سلطان اپنی رکاب میں لشکرِ جرار لے کر پہنچا۔ فساد رفع کیا اور اپنے معتمد خاص علاءالدین احمد کو نائب مقرر فرما کر ۶۲۹ھ ۱۲۳۱ء میں لوٹا۔ تو معلوم ہوا کہ گوالیار کے نواحی کفار نے قلعہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا جو ایک سال تک رہا۔ باشندے تلملا اٹھے۔ ان کا سربراہ دلوبیل نام خفیہ طریق سے قلعہ چھوڑ کر کسی طرف سرک گیا۔ تو سلطان نے قلعہ پر قبضہ کر کے باغیوں میں سے بعض کو قتل کر دیا اور کچھ آدمی قید کر لیے۔

اب وہ دہلی روانہ ہوا اور ۶۳۱ھ ۱۲۳۳ء میں اس نے مالوہ کے مشہور شہر بھیلسہ کا محاصرہ کر کے وہاں کے سب سے بڑے بت خانہ مہاکال کو جو سومنات کی مانند سمجھا جاتا، منہدم کر دیا۔ اس بت خانہ میں ہندو کے مہاپرشوں میں سے بکرماجیت اور ان کے سوا دوسرے اکابر مجر میہل کے بت بھی تھے۔ جنہیں اٹھوا کر وہ دہلی لے گیا اور وہاں کی جامع مسجد کے صدر دروازہ کی بنیاد میں بھر دیے۔

سلطان کا عدل وانصاف:-

جس طرح وہ علم وتقویٰ میں سربرآوردہ روزگار تھا اسی طرح عدل وانصاف اس کا طرۂ فخر تھا۔ اس کے دور میں عوام وخواص سفید لباس پہنتے۔ حکم دیا کہ جو شخص

شخص اپنی مظلومیت پر انصاف کرانے کے لیے آئے وہ سرخ رنگت کا لباس پہنے ہوئے ہو ایسے ستم رسیدگان کو وہ خود بھی دیکھ لیتا تو ان سے دریافت کر کے ظالموں کو سزا دینے میں سبقت کرتا۔

اسی طرح میں ایک روز فرمایا کہ جن لوگوں پر رات میں ظلم کیا جاتا ہے وہ دن چڑھنے کے انتظار میں رہ جاتے ہیں اور یہ انصاف سے بعید ہے۔ اس نے عمارتی مصالحے کے دو شیر بنوائے جنہیں اپنے محل کے دو برجوں پر آمنے سامنے جموا دیا اور دونوں کے مابین لوہے کی زنجیر سے واسطہ پیدا کر کے زنجیر میں ایک جرس لگا دیا مظلوم آتا تو جرس کو حرکت دیتا جس کی آواز سن کر بادشاہ اسے طلب کر کے اسی لمحہ دادرسی کرتا۔ (سفر نامہ ابن بطوطہ، درمتن) التمش اپنے زمانہ کے بڑے متقی خداترس انسان تھے۔ خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے جب خواجہ کا انتقال ہوا تو ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ کیونکہ حضرت نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے جس نے نوافل عصر کبھی ترک نہ کی ہو۔

۱۸۱۔ مولانا شمس الدین خوارزمی

اپنے عہد کے ممتاز عالم و صوفی تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے انہیں دہلی کی سربراہی تفویض فرمائی تو انہیں شمس الملک سے ملقب بھی فرمایا۔ تدریس بھی مشغلہ تھا۔ حضرت سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ نے مقامات حریری کے بہ مقالے آپ سے سبقاً پڑھے[1] حضرت ان کا ذکر خیر فرمایا کرتے۔ ان کے تلامذہ میں قطب الدین ناقلہ اور برہان الدین عبدالباقی لسبتول اکثر حضرات ہیں۔

قاضی شمس الدین مراخی

جو فقہ و اصول فقہ میں سربرآوردہ روزگار تھے۔ دہلی میں ان کی مسند تدریس ہمیشہ مزین رہی۔ (تاریخ فیروز شاہی درمتن)

---

[1] بقول کرمانی در سیر الاولیاء (درمتن)

۱۸۳- قاضی شمس الدین مارہروی

م ۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء

اپنے عہد میں نخبۃ الاماثل اور شہر مارہرہ کے قاضی تھے۔ یہ دور معز الدین بہرام شاہ کا تھا۔ قاضی صاحب نے بہرام شاہ کے خلاف، شیخ ایوب ترکمانی کو بھڑکایا۔ وہ بادشاہ کے سامنے اس کے خلاف کہنے میں کبھی تامل نہ کرتے۔ آخر بادشاہ نے قاضی صاحب کی مشکیں کسوا کر انہیں ہاتھی کے سامنے پھنکوا دیا۔ جس نے انہیں کچل کر ختم کر دیا (طبقات ناصری)
وفات ۶۳۹ھ

۱۸۴- قاضی شمس الدین بہرائچی

اپنے زمانہ کے ممتاز الافاضل اور شہر بہرائچ کے قاضی تھے۔ سلطان علاء الدین مسعود ابن فیروز التمش نے جب اپنے عم زاد محمود ابن التمش کو بہرائچ کی عنانِ حکومت تفویض کی تو قاضی صاحب ممدوح ان کے خاص مقرب ہو گئے۔ اور جب علاء الدین ہی تمام ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا۔ تو اس نے اپنے زیر نگین پورے ملک کی قضاۃ ان کے سپرد فرمادی۔ یہ واقعہ ۲۷- رجب ۶۵۱ھ / ۱۲۵۴ء کا ہے۔ پس قاضی صاحب ممدوح بادشاہ کے معتمد اور مشیر الامور ہو گئے۔ جس پر دوسروں نے حسد کیا اور بادشاہ سے ان کی چغلی کرنے لگے۔ جس پر بادشاہ نے انہیں ۲۳ ربیع الاول ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء میں قضاۃ سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد جب بادشاہ کے بعض امراء نے اس پر حملہ کیا تو اس حملے کا محرک قاضی صاحب کو بتایا گیا۔ تو بادشاہ نے انہیں ماہ جمادی الثانی یا جمادی الاخریٰ ۶۵۵ھ میں دہلی سے نکال دیا اور وہ اپنی جاگیر میں جا بسے [1]۔

---

[1] طبقات ناصری (در متن)

۱۸۵۔ شیخ شہاب الدین جگ جوت

شیخ الکبیر شہاب الدین ابن محمد سہروردی، کاشغری، بہاری۔ جھٹلوی، علمائے زاہدین ربانی سے تھے۔ تقویٰ وزہد اور طریقہ ظاہریہ وصلاح کی وجہ سے معروف ہندوستان میں قریہ جھٹلی میں اقامت گزیں ہوئے۔ یہ قریہ شہر پٹنہ سے ۳ میل پر واقعہ ہے۔
شیخ ممدوح حضرت شہاب الدین سہروردی کے اصحاب سے تھے۔ (اور جگ جوت کے معنی ہیں نورِ عالم!)
ان کی صلب سے ۲ صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے ہر ایک کے بطن سے مشہور و معروف افراد کا ظہور ہوا۔ ازاں جملہ (۱) شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری (۲) اور شیخ احمد چرم پوش ہیں۔ مزار قریہ جھٹلی میں ہے جو عوام کی زیارت کا محور ہے۔

۱۸۶۔ مولانا شہاب الدین اجودھنی ابن فرید الدین[1] مسعود

العمری الاجودھنی۔ علمی برتری اور صلاح و تقویٰ میں معروف مولد شہر اجودھن (پاک پٹن)۔ اپنے معاصر اہل علم سے درسیات پڑھیں اور بحث و اشتغال[2] دونوں پر راغب ہوگئے۔ افتا و تدریس پر بھی عمل تھا۔ پھر اپنے والد کے ارشاد پر ان مشایخ چشتیہ سے اخذ طریقت پر مائل ہوئے جو آپ کے والد کی زیارت کے لیے اجودھن تشریف لائے۔
کرمانی سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ آپ بہت بڑے عالم، بارعب اور زاہد و پارسا تھے۔ زیادہ تر وقت اپنے شیخ کی خدمت میں گذارتے اور ان سے معانی دقیقہ اور باریک

---

[1] بابا فرید الدین گنج شکر۔
[2] عبارت میں انہماک۔

مطالب دریافت کرتے اور یہی مسائل جب خود بیان کرتے تو فصاحت و بلاغت کے ساتھ ان پر اور جلا کر دیتے۔ حضرت سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین چشتی بدایونی دہلوی ان سے محبت صادقہ اور رشتہ مودۃ میں پیش پیش اور ان کے علم و دبدبہ کی تعریف بھی کرتے تھے۔

۱۸۷۔ مولانا شہاب الدین بدایونی

ابن جمال الدین المہمروی بدایونی سلطان التمش کے بیٹوں کے زمانے میں مشہور ارباب علم و فضل سے تھے۔ فخر الملک عمید تولکی نے ان کے تبحر کا اعتراف فرمایا اور ان کا لقب استاد رکھا۔ امیر خسرو (ابن سیف الدین دہلوی) نے اپنے قصائد میں ان کا تذکرہ فرمایا ازاں جملہ!

در بدایوں مہمرہ سرمست برخیز و زخاک گر برآید غلغلہ مرغان دہلی زیں نوا

شیخ ضیاء الدین نخشبی ان کے مرید ہوئے اور ان کی مدح میں قصیدہ سرائی کی۔

الغم بلوح ہستی ہمہ ہیچ در نشانی
بہ بقائے غیر قائم زوجود خویش فانی

صف آخر ایستادہ بامید بہ نشینی
زتحرک آرمیدہ بصفات بے نشانی

۱۸۸۔ سید شہاب الدین گردیزی

ابن زین الدین بن علیسی باقر ابن نظام الدین الوالعلی محمد بن الوطالب حمزہ ابن محمد ابن جعفر الزکی المشہور بالکتاب علیہ و علی آبائہ السلام۔

حرف "ص"

۱۸۹- مولانا صمصام الدین فرغانیؒ

فاضلِ عصر خصوصاً فقہ و اصول میں ممتاز الاقران - ہندوستان تشریف لائے - اور بنگال میں طرحِ اقامت ڈال دی - سلطان محمد بن بختیار خلجی نے آپ کے علم و تبحر کی وجہ سے آپ کو مصاحبین میں شامل کر کے زر و مال سے مالامال کر دیا - آپ نے اپنے بھائی نظام الدین کو ہمراہ لے کر کفار سے مقابلہ کیا -

منہاج الدین عثمان ابن محمد جوزجانی نے اپنی تالیف طبقات میں جو ۶۴۱ھ / ۱۲۴۳ء میں مرتب ہوئی - مولانا صمصام الدین کی روایت سے خلجی (ممدوح) کے بہت سے واقعات سپردِ خامہ فرمائے -

حرف "ط"

۱۹۰- بہاء الدین طغرل المعزی

امیر کبیر معزی ان معنوں میں کہ شہاب معز الدین محمد بن سام غوری سے منسوب ہوئے۔ اور تھے ان کے غلام، برسوں ممدوح کی خدمت میں رہے۔ ان کی مشایعت میں ہندوستان آکر جہاد کر کے قلعہ تھنگر فتح کیا تب معز الدین نے انہیں بیانہ پر حکمران فرما دیا۔

طغرل دنیا کے ممتاز کریم النفس، کثیر الخیرات، با مروت، عدل گستر اہل علم کے قدر دان و محسن تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں انتقال فرمایا۔

حرف "ظ"

۱۹۱- قاضی ظہیر الدین دہلوی

فقہ و اصولِ فقہ اور ادب عربی میں ممتاز الافاضل۔ دہلی میں لعہد سلطان غیاث الدین بلبن ان کا فیضانِ تدریس جاری تھا جس میں بے شمار افراد نے پڑھا۔

(تاریخ فیروز شاہی در متن)

حرف "ع"

۱۹۲۔ شیخ عبدالرشید کیتھلی

م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء

شیخ صالح عبدالرشید بن نصیر الدین قریشی مدنی ثم ہندی کیتھلی صوفی، بدھنی کے لقب سے مشہور۔ علم وزہد میں سربرآوردہ روزگار۔ شاہ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کا تذکرہ اسی لفظ بدھنی سے فرمایا ہے۔ اور شیخ عبدالصمد بن افضل محمد تمیمی اکبرآبادی نے کتاب الاصفیا میں آپ کے نام (عبدالرشید سے آپ کا ذکر کیا ہے۔ آخر الذکر نے لکھا ہے کہ شیخ زین العابدین ابن عبدالرزاق بن سید امام عبدالقادر جیلی ہیں۔

صاحب ترجمہ عبادت میں درجہ انہماک تک جا پہنچے۔ کشف وکرامات سے بہرۂ وافر پایا۔ ترکِ دنیا سے فیض کام ہوئے اور تمام عمر تجرد کی زندگی بسر کی۔

سلطان الاولیا ان کی تعریف فرماتے (فوائد الفوائد)

۱۹۳۔ شیخ عبدالعزیز بن محمد دمشقی

ابن محمد الامام نجم الدین دمشقی ثم دہلوی۔ عالم کبیر۔ مشہور مفسر امام فخر الدین رازی مصنف المباحث المشرقیہ سے علوم حکمت پڑھے۔ ہندوستان تشریف لائے تو یہاں کے امرا اور بادشاہوں نے ان کے قدوم کو غنیمت سمجھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن جمعہ کی نماز کے بعد حاضر ہو کر آپ کی صحبت سے خوش ہوتا۔

۱۹۴ - عبد العزیز علمبردار مکیؒ

سرباتک (۶۸) اور رتن (۱۵۹) کے بعد یہ تیسرے کذاب ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رویت و صحبت کا ادعا کیا۔

مگر مؤلف علام سید عبد الحئی صاحب نے انہیں الشیخ صالح کہہ مارا — فرماتے ہیں:-

شیخ صالح بوڑھے — عبد العزیز الصالحی نام مکہ معظمہ کے رہنے والے۔ عبداللہ علمبردار کے لقب سے مشہور۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سنبھالا (جس سے علمبردار مشہور ہوئے)

کہا جاتا ہے۔ کہ

۱ - انہوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا زمانہ پایا۔

۲ - بلکہ ان کے بعد میں آنے والے نبیوں کو بھی دیکھا۔

۳ - کم از کم یہ کہ حضرت عیسٰے کا زمانہ پایا اور ان پر ایمان بھی لائے۔

۴ - حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت کی معیت ترک نہ کی یہاں تک کہ

۵ اصحاب صفہ میں داخل ہو گئے

۶ آنحضرت صلعم کی مشایعت میں ایک غزوہ میں شریک ہوئے۔ علم ان کے ہاتھ میں تھا اسی اثنا میں ان پر کیفیت طاری ہو جانے سے کچھ دور پیچھے رہ گئے اور کیفیت میں ایسے ڈوبے کہ ۷۰ سال تک آنکھ نہ کھولی۔

۷ - حضرت علی جنگ جمل یا صفین کے لیے نکلے تو لوگوں کو ان کے وجود پر مجمع لگائے دیکھا اتنے میں حالت زدہ کی آنکھ کھل گئی — اس نے امیر المومنین کو دیکھ کر ان کے متعلق دریافت

تو بتایا گیا کہ آپ علی بن ابوطالب امیر المومنین ہیں۔

علم بردار صاحب نے سروقد کھڑے ہوکر سلام کے بعد بیعت کی اور آنے والی جنگ میں طرف دارانِ علی کی صف میں شامل ہوکر دادِ شجاعت دی[1]۔

۸ ۔ اب وہ ایک سرداب (تہ خانہ[2]) میں سما گئے جس پر لوگوں نے سمجھا کہ وہ مر گئے ہیں اور وہ پورے ۴۰ سال تک اسی سرداب (تہ خانہ) میں غائب رہے۔

۹ ۔ ۴۰ سال کے بعد وہ سرداب (تہ خانے) سے نکلے اور متعدد شہروں میں گشت کرنے کے بعد پھر سرداب ہی میں سما گئے۔ ان کی دنیا میں چکر بازی کی یہ مدت بھی ۴۰ سال تھی۔

۱۰ ۔ بقولِ راوی (نامعلوم الاسم) شیخ عبدالعزیز مکی کی قبر ۴ جگہوں پر ہے اور وہ ہر ہر قبر میں ۴۰۔۴۰ سال پڑے رہے۔ ان میں سے چوتھی قبر شیخ الاسلام فرید الدین[3] کے جوار میں ہے جہاں سے وہ بروز قیامت نکلیں گے۔

۱۱ ۔ اور شیخ تراب علی کاکوروی قلندری نے اپنی کتاب اصول المقصود میں لکھا ہے کہ جس طرح اصحاب کہف ۳۰۹ سال کے بعد ایک صالح بادشاہ کے عہد میں ذرا دیر کے لیے نیند سے بیدار ہوکر پھر پہلی حالت میں ڈوب گئے اور اب دوبارہ وہ مہدی موعود کے عہد میں بیدار ہوں گے۔ اسی طرح علمبردار کے آنکھ کھولنے اور پھر سو جانے کا ماجرا ہے۔

۱۲ ۔ علامہ عبدالعلی بن نظام الدین سہالوی لکھنوی نے اپنی کتاب فواتح الرحموت شرح مسلم

---

[1] گویا یہ صاحب پہلے علمبردار ہیں اور دوسرے عباس جو کربلا میں حسین بن علی کی طرف داری میں شہید ہوئے۔ [2]: تہ خانہ زیر زمین کہ برائے گرما سازند (منتہی الادب)

[3] بابائے فرید شکر گنج در پاک پٹن۔ مترجم۔

الثبوت میں کہا ہے کہ

۱۳ بابا رتن ہندی (د ۵۹۱ھ) کے ادعائے صحبیت کی مانند علمبردار کا معاملہ ہے۔ جیسا کہ فرقۂ قلندریہ کے اولیائے کرام ( ) نے اپنے پیشوائے اوّل عبداللہ کا ماجرا قلم بند فرمایا ہے اور انہیں علمبردار کے لقب سے ملقب کرتے ہوئے صحبیت کا مرتبہ ان کے لیے قبول کرنے کے ساتھ حضرت رسالت مآب صلعم کا ان (علمبردار) کو اپنا خرقۂ نیابت عطا کرنے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اور وہ ان جملہ امور کے اسناد بھی متصل بتاتے ہیں اور ان کی زندگی مسلسل ۹ سو سال تک ممتدر رہنے کے بھی مقر ہیں۔ ان کا دعوٰی یہ ہے کہ

"علمبردار صاحب کی ذات سے نسبت کذب کی کسی کو مجال نہیں کیوں کہ اولیاء وہ اصحاب کرامات ہیں جو اللہ تعالٰی کی طرف سے ان نعمتوں سے محظوظ ہوتے ہیں"۔ واللہ اعلم

مصنف علامہ مولانا سید عبدالحیٔ کی رائے

سلسلۂ قلندریہ اور مداریہ بروایت المعمرین مذکور ہے۔ لیکن کتب رجال و رواۃ و دفاتر سیرت میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ نہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ان کے متعلق کچھ لکھا۔ حالانکہ بابا رتن کا تذکرہ ابن حجر نے بسط سے کیا۔ اور نہ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں اور نہ قدمائے محدثین (ارباب رجال) اور مورخین نے ان کے متعلق اشارہ تک کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ذہبی نے رتن کے وجود کا اقرار مگر اس کی صحبیت سے انکار کیا۔ البتہ جو لوگ محمد بن الحسن کے سرداب (تہ خانے) میں سما جانے کے بعد ان کے دوبارہ خروج کے مقر ہیں یا جو لوگ علی کی رجعت کے معترف ہیں۔ ان پر کوئی حجت قائم ہو سکتی ہے نہ ان کے ایسے امراض کا کوئی مداوا ہے۔ البتہ شیخ عبدالعزیز مکی کے وجود اور ولایت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

۱۹۵- قاضی عثمان بن محمد جوزجانی

نام عثمان اور لقب منہاج الدین ہے

ملقب بہ شیخ منہاج الدین بن سراج الدین دہلوی مصنف طبقات ناصری سن ولادت ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء تقریباً جو ان کی مندرجہ ذیل تحریر پر قیاس ہوا کہ میں اپنے والد کے ہمراہ ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں لاہور سے بامیان منتقل ہوگیا۔ اور وہاں پر بہاء الدین سام ابن محمد البامیانی نے مجھے قضاۃ اعلیٰ پر مامور فرمایا۔ وہاں اپنے والد ہی کے زیر سایہ رہا۔ اور ان ہی سے علوم پڑھے۔ مگر میری کم سنی میں حضرت والد نے سفر آخرۃ فرمایا اور غریب الوطنی کی وجہ سے میں دوسرے شہروں میں گھومتا رہا۔ جہاں گیا وہاں کے اہل علم سے پڑھا۔ حتیٰ کہ شہر اُچ میں بروز سہ شنبہ بتاریخ ۲۶ ماہ جمادی الاوّل ۶۲۴ھ/۱۲۲۶ء کو داخل ہوا اور سندھ کے بادشاہ ناصر الدین قباچہ کے مقربین میں شامل ہونے کا موقعہ مل گیا۔ جس کی وجہ سے مجھے مدرسہ فیروزیہ کی مدرسی تفویض ہوئی اور اس کے بیٹے بہرام شاہ کے لشکر میں منصب قضاۃ پر فائز رہا۔ اور جب سلطان شمس الدین التمش نے ۶۲۵ھ/۱۲۲۸ء میں سندھ پر حملہ کر کے قلعہ اُچ پر قبضہ کر لیا۔ صاحب ترجمہ کو ان کا تقرب حاصل ہو گیا اور التمش نے ۶۳۰ھ/۱۲۳۳ء میں انہیں گوالیار میں قضاۃ کے ساتھ امامت و خطبہ کے علاوہ کوتوالی کا منصب بھی عطا فرما دیا۔ جہاں ۳۵ سال تک ان مناصب کو نباہا۔

اور جب سلطانہ رضیہ التمش نے دہلی پر قبضہ کیا تو گوالیار کے مناصب کی بدستور حوالگی کے ساتھ مدرسہ ناصریہ اُچ کی تولیت بھی آپ کے حوالے کر دی۔

اس کے بعد جب معز الدین بہرام شاہ نے سلطنت کی باگ سنبھالی تو ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء ماہ جمادی الاول میں دہلی کے زمانہ قیام میں جملہ مقبوضات کی قضاۃ تفویض کر دی گئی لیکن جب بہرام شاہ کے بھتیجے مسعود شاہ نے زمام سلطنت پر قبضہ کیا تو انہیں تمام مناصب

سے معزول کر دیا۔ یہ حادثہ ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء میں رونما ہوا۔ تب صاحب تذکرہ بروز جمعہ ۹ رجب
۶۴۰ھ/۱۲۴۲ء کو دہلی سے بدایوں اور یہاں سے اودھ ہو کر کڑہ روانہ ہوئے۔ پھر لکھنوتی میں وارد ہوئے۔
جہاں بروز اتوار تاریخ ۷۔ ماہ ذی الحجہ ۶۴۰ھ/۱۲۴۲ء کو داخل ہوئے اور اس نواح کے رئیس
عزالدین طغرل طغاں خاں کی طرف سے بیش بہا تحائف پیش ہوئے۔ مگر دو سال کے بعد
پھر دہلی کی طرف جانے کا قصد فرمایا۔ اور بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۴ ماہ صفر ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء یہاں وارد
ہوئے تو یہاں کے امیر الحاجب (غالباً مکھیا کو) غیاث الدین بلبن نے گوالیار کی
قضاۃ و خطبہ کے ساتھ آپ کے مدرسۂ ناصریہ کے اوقاف کی تولیت پنجشنبہ ۱۷۔ ماہ صفر
۶۴۳ھ/۱۲۴۴ء کے روز سپرد ہوئی۔

ناصری: نامہ منظوم در جنگ ہائے ناصر الدین محمود ابن التمش سن ۶۴۵ھ/۱۲۴۷ء میں
لکھا جس پر قیمتی عطیات سے از طرف غیاث الدین بلبن سرفراز ہوئے اور قریہ ہانسی جاگیر میں
دیا گیا۔ حتیٰ کہ بروز یکشنبہ ۱۰ ماہ جمادی الاولیٰ ۶۴۹ھ/۱۲۵۱ء کو دہلی میں بلا کر دوبارہ جملہ
ممالک محروسہ کی قضاۃ پر مامور ہوئے۔ لیکن ۲۷ رجب ۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء کو ان مناصب سے
معزول کر دیے گئے۔ وہ صدر جہاں کے لقب سے سرکاری طور پر ملقب ہو کر تیسری مرتبہ
بروز دوشنبہ ۲۳۔ ربیع الاول ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء کو پھر جملہ ممالک کی قضاۃ سے سرفراز ہوئے۔ یہ
تفصیل انھوں نے اپنی کتاب طبقات ناصری میں اپنے قلم سے لکھا ہے (طبقات ناصری
علیحدہ کتاب ہے ناصری نامہ سے)

عام حالات:- آپ فقہ و اصول و سیرت و تاریخ و شعر گوئی میں باکمال، اخلاق
میں ستودہ۔ متواضع، فیاض اور پیش کردہ مقدمات میں
دقیق النظر تھے۔ دہلی کے زمانہ ورود میں حضرت سلطان الاولیاء نے ملاقات کی۔ حضرت
فرماتے کہ منہاج الدین سماع کے رسیا تھے اور اس کی وجہ سے وجد میں جھومتے۔ ان کی یہ
حالت دہلی کے زمانہ قیام میں منصب قضاۃ پر فائز ہونے کے دوران میں بھی تھی۔ ان کے

مواعظ سے عوام بہت متاثر ہوتے۔ اور ایک مرتبہ تو میں بھی اس مجلس میں شریک ہوا۔ وہ یہ شعر اکثر زبان سے ادا فرماتے۔

لب بر لبِ لعل دلبراں خوش کردن
وآہنگ سرِ زلفِ مشوش کردن
امروز خوش است لیک فرداست زیاں
خود را چوں خسے طعمہ آتش کردن

ان کی زبان سے پہلی مرتبہ یہ شعر سن کر مجھ پر عشق طاری ہو گئی (فوائد الفواد)

شیخ منہاج ابن سراج قاضی عثمان نے متعدد کتابیں لکھیں۔ تاریخ میں طبقات ناصری ہے جو انہوں نے ناصر الدین محمود التمش کے عہد میں ۲۳ جلدوں میں لکھی اور ہر ایک جزو کا عنوان علیحدہ ہے۔

جلد ۱ : در تاریخ انبیائے کرام
" ۲ : " " خلفائے اربعہ و عشرۂ مبشرہ اور سیدنا علی کے بقیتہ السلف
" ۳ : " " در تذکرہ خلفائے امویہ
" ۴ : " " " " " عباسیہ
" ۵ : شاہان فارس از پیش دادی تا بہ اکاسرہ در آخرش ذکر یزد و جرد آوردہ
" ۶ : تاریخ ملوک یمن
" ۷ : تاریخ ملوک طاہریہ تا بہ ۲۵۹ھ / ۸۷۴ء
" ۸ : " " صفاریین تا بہ ۲۸۹ھ / ۹۰۱ء
" ۹ : " " سامانیہ از ۲۸۹ھ / ۹۰۱ء تا بہ عبدالملک بن نوح۔
" ۱۰ : " " آل بویہ از آغاز تا بہ ابوالفوارس شرف الدولہ
" ۱۱ : " شاہان غزنہ از سبکتگین تا بہ خسرو ملک

۱۲ : شاہان سلجوقیہ

۱۳ : سنجریہ از اتابکہ عراق و فارس و شاہان نیشاپور

۱۴ : تاریخ شاہان نیمروز سجستان

۱۵ : " اتابکہ شام والویبہ مصر

۱۶ : " شاہان خوارزم

۱۷ : " شبستانیہ از شاہان غور

۱۸ : " شاہان بامیان و طخارستان

۱۹ : " شبستانیۂ غزنہ

۲۰ : " " معزیہ در ہند لشمول قطب الدین ایبک و ناصر الدین قباچہ و بہاء الدین طغرل و بختیار خلجی و غیاث الدین۔

۲۱ : تاریخ شاہان التمش در ہند از شمس الدین تا بہ ناصر الدین محمود

۲۲ : " نوابین شاہان شمسیہ بحسب قطعہ ہائے مملوکہ در ہند۔

۲۳ : " غزوات سلطان سنجر و فتح ترکستان از نیروئے خوارزم شاہ تا بہ

۱۹۶۔ شیخ عثمان بن حسن مروندی معروف بہ لعل شاہباز

۶۵۸ھ / ۱۲۵۹ء

م ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء

الشیخ الصالح عثمان ابن حسن الحسینی المروندی ثم سیوستانی المعروف بہ لعل شاہباز ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں ملتان وارد ہوئے تو غیاث الدین شہید نے ملتان ہی کو ان سے وطن بنانے پر اصرار فرمایا۔ اور ان کے لیے خانقاہ بنوا دینے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر انہوں نے یہ منظور نہ کیا اور ہندوستان کی طرف نکل گئے۔ کچھ مدت بعد سندھ ہوتے ہوئے

سیوستان وارد ہوئے۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔ عمر بہت زیادہ پائی۔ سدا مجرد اور نیکو کار رہے۔ ان کے کشوف و کرامات کا شہرہ عام تھا۔ (تذکرۃ الکرام درمتن)

۱۹۷- خواجہ عزیز کرکی

م ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ء

شیخ صالح عزیز کرکی بدایونی عارف فقیہہ و زاہد شیخ نصیر الدین محمود بن یحیٰی اودی ان کی تعریف اور کرامات اور کشوف کے ذکر میں رطب اللسان رہے اور بدایون کے نواحی قریہ کرک میں وفات پائی۔

۱۹۸- شیخ عزیز الدین لاہوری

م ۶۱۲ھ / ۱۲۱۵ء

حسینی البغدادی ثم ہندی الاہوری۔ ممتاز علما سے تھے۔ ۵۷۴ھ میں ہندوستان وارد ہوئے۔ اور لاہور کو اپنا وطن ہونے کی عزت بخشی۔ ۶۱۲ھ / ۱۲۱۴ء تک شہر میں درس فرمایا جو ان کی زندگی کا آخری سال ہے[1] (خزینۃ الاولیاء درمتن)

۱۹۹- شیخ علاؤ الدین دہلوی الدبیر

عمدۃ الملک اپنے معاصرین میں صدر الافاضل۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے ایوان میں میر منشی اور شعبۂ رسالات کے مہتمم۔ ان کے بعد سلطان علاء الدین محمد شاہ خلجی کا زمانہ آیا تو اس میں بھی انہی مناصب پر فائز رہے اور انہی کے اوائل حکومت میں واصل بحق ہوئے۔ ضیاء الدین برنی نے ان کے فضل و کمال مراسلات کی بڑی تعریف کی ہے[1]

[1] تاریخ برنی درمتن۔

۲۰۰۔ علی بن احمد چشتی

مولد قریۂ چشت اور نسب ہے علی بن احمد بن مودود بن یوسف الحسینی (محی الدین لقب ہے) چشتی ۔ علمائے مشاہیر سے تھے ۔ قریۂ چشت ہی میں سن رشد تک پہنچے ۔ اپنے والد اور چچا ابو محمد سے جملہ علوم پڑھنے کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے اور دہلی کو اپنی اقامت گاہ ہونے کی عزت بخشی ۔

ان کے چچا ابو محمد کی رحلت کے بعد ان کے والد کے اصحاب کا ایک وفد دہلی حاضر ہوا ۔ جو انہیں چشت ان کے والد کی مسندِ ارشاد و تدریس مزین کرنے پر مصر تھا ۔ مگر سلطان غیاث الدین بلبن نے انہیں دہلی رہنے کا حکم دیا ۔ اور ایسا ہی عمل ہوا ۔ مگر انہوں نے اپنے بھتیجے کو جو ابو محمد ممدوح کے صاحبزادے تھے ۔ اور وہ بھی ابو محمد ممدوح ہی سے موسوم تھے ۔ اجازت بیعت و ارشاد لکھ کر بھجوا دیا ۔ (سیر الاولیاء)

ان سے ان کے صاحبزادہ محمد ابن علی اور سلسلہ مودودیہ کے شیخ رکن الدین مودود گجراتی اور ان کے ساتھی عزیز اللہ متوکل نے چند واسطوں سے نسبت حاصل کی ۔ ہندوستان کے اندر تنہا یہ سلسلۂ نسبت جناب معین الدین حسن اجمیری کے بغیر قائم ہوا ۔ صاحب تذکرہ کا دہلی میں مدفن ہے ۔

۲۰۱۔ حضرت صابر پیران کلیر والے

علی بن احمد

م ۶۹۸ھ / ۱۲۹۸ء

نام علی لقب علاء الدین ـــــ الصابر اسرائیلی ۔ ہندوستان کے مشہور اولیا سے ہیں ۔ نسباً اسرائیلی از اولاد امام موسیٰ کاظم شباب ہی میں حضرت بابا فرید شکر گنج کی

خدمت میں باریاب ہوئے۔ برسوں ملازم رہے اور اپنی زندگی زہد و تقویٰ اور تجرید و مجاہدۂ نفس کی حالت میں تیر کردی۔ تب اپنے مرشد کی برکت سے وہ بات حاصل کی جوان کے مریدوں میں کسی کے نصیب نہ ہو سکی۔ مرشد ہی نے انہیں کلیر جیسے پہاڑی علاقے میں جانے کا ارشاد فرمایا۔ جہاں آپ عبادت اور افادۂ خلق میں منہمک رہے۔ شیخ شمس الدین ترکمانی ان سے مستفیض ہوئے۔ (مہر جہاں تاب متن)

۲۰۲۔ بہاء الدولہ علی بن احمد جاجی

نام علی ابن احمد لقب صدرِ اجل۔ مجد الملک، بہاء الدولہ نام علی

بڑے امراء سے تھے اور جنگ جوئی میں ایسے مرد میدان کہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ اتنے بڑے حریف کو نیچا دکھا دیا جس کی فوج میں ۷ سو ہاتھی۔ ایک لاکھ سوار اور دس لاکھ پیدل سپاہی بھی تھے۔

اس فتح میں بے شمار اموال اور قیدیوں پر قبضہ کیا اور دشمن کی ان گنت فوج قتل کردی۔

سلطان شمس الدین التمش نے ان سے دس لاکھ تنکہ وصول کر کے بھی انہیں حبس میں نبار کردیا۔ لیکن جب سلطان ممدوح نے تاج الدین الدز کو مغلوب کیا تو مجد الملک نے اس کی طرف یہ شعر لکھ کر بھجوائے۔

چوں ملک تو شد یکے بصد بخش مرا

امید تو حق نکرد رد بخش مرا

ہر چند شفاعتم کسے مے نہ کند

شکرانہ ایں فتح بخود بخش مرا!

سلطان نے انہیں رہا کر کے اپنا مقرب بنالیا اور شہر بدایون پہ امیر داد" مختار الکل مقرر

کیا۔ برسوں وہاں برسرِ اقتدار رہے۔ مفسدوں کو فی النار کیا اور بہرائچ کے نواحی مواضع فتح کر کے شہر پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ یہاں سے ۲۵ لاکھ روپیہ غنیمت میں ہاتھ آیا۔ جسے بیت المال میں داخل کر دینے کے باوجود دوبارہ بغاوت اور سرکشی کی تہمت پر حبس میں بھیج دیے گئے۔ مگر کچھ عرصہ بعد انہیں رہا کر کے بدایوں سے جلاوطن کر دیا گیا۔

تب انہوں نے از سرِ نو سوار اور پیدل فوج جمع کی اور بنارس فتح کیا۔ ان کی سخاوت کا غلغلہ دور دور تک بلند ہوا۔ دشمنوں نے انہیں گھیر کر قتل کرنے کا منصوبہ گانٹھا تو ان کے ہوا خواہوں نے یہ راز افشاں کر دیا جس پر وہ التمش کی ماتحتی چھوڑ کر سندھ چلا گیا اور سلطان ناصر الدین قباچہ سے منسلک ہو گیا۔ کفار سے خراج وصول کرتا رہا اور بہرائچ پر قابض ہوا۔ خراج کی یہ رقم سلطان قباچہ کو بھجوائی تو اس نے خلعت فاخرہ سے انہیں سرفراز کیا۔ نور الدین عوفی نے اپنی کتاب میں ایک عربی خطبہ نقل کیا ہے جو اُچ کی بڑی مسجد جامع میں پڑھا جاتا۔

۲۰۳۔ علی بن اسحاق بخاری دہلوی

لقب منہاج الدین از اولاد علی بن حسین بن علی رضی اللہ بسلسلہ عمر الاشرف۔ دہلی کے اکابر علما سے تھے۔ تدریس مشغلہ تھا۔ دہلی میں ان کا مدرسہ معزیہ کے نام سے مشہور تھا۔ شاگردان میں ان کے پوتے اسحاق ملقب بہ بدر الدین ابن علی صاحب ترجمہ اور ان کے علاوہ بے شمار حضرات ہیں۔ دہلی ہی میں رحلت اور تدفین ہوئی۔

۲۰۴۔ ضیاء الدین علی بن اسامہ الحلّی

نام ــــــ علی

لقب ــــــ ضیاء الدین

از صلب عمر بن یحییٰ بن حسین ذی دمعہ[1] - جن کا نسب نامہ زید بن اسامہ در ۱۶۸ مفصل لکھ دیا گیا ہے۔

جناب علی عراق سے اپنے بھائی زید کے ہمراہ ہندوستان تشریف لے آئے۔ اور جماعت طالبیین کی قیادت سنبھالی - ایک ہزار سواران کے ماتحت تھے - ہند ہی میں واصل بحق ہوئے - سید محمد بن محمد قنوجی انہی کی نسل سے ہیں - یہ خاندان سادات رسولدار کے لقب سے ملقب ہے[2]

۲۰۵- علی ابن حامد الکوفی ثم الاچی السندھی

عالم اجل - مولد و مسکن شہر اُچ - وہاں سے ۶۱۳ھ/۱۲۱۶ء میں بھکر اور الور تشریف لے گئے - قاضی اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ وطائی سے ملاقات ہوئی - ان کے پاس چند اجزا تھے - جن میں عربی زبان کے اندر سندھ کی تاریخ اور مسلمانوں کی جنگوں کا تذکرہ مرقوم تھا - آپ نے قاضی صاحب سے یہ اجزا حاصل کر کے ان کا فارسی میں ترجمہ لکھ دیا۔

وزیر حسن بن ابوبکر بن محمد اشعری (عین الملک) کے حضور پیش کر دیا - یہ کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے - اس کی پہلی سطر ہے:-

"حمد و ستائش مر پروردگار[3]"

---

[1] لقب حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی ابن علی ابن ابوطالب (منتہی الادب درصفحہ ۵۷۴)

[2] از عمدۃ المطالب (درمتن)

[3] بحوالہ محبوب الالباب (درمتن)

۲۰۶ - قاضی علی بن عمر المحمودی

بعہد قطب الدین ایبک

ملقب بہ افتخار الافاضل ۔ وسعتِ علم اور معلومات میں ممتاز اور سلطان قطب الدین ایبک کی طرف سے گوناگوں انعامات حاصل ہوئے۔

ان کی تصانیف میں نہایت اچھوتے مضامین ہیں ۔ یہ کتابیں ملک میں مشہور ہیں اور اشعار کا نمونہ ہے۔

تا چند با اے زلبت گشتہ زار العل
آب از دو دیدہ در غم آں آب دار العل
نے نے چو یافت بالب و دندانت نسبتے
ناقص شد ست تو لو دگشت است خوار العل

ان کے اشعار عوفی نے لباب الالباب میں نقل فرمائے ہیں۔

۲۰۷ - جمال الدین علی لاہوری

المشہور بہ سید الکتاب ۔ نیشاپور میں بادشاہ مویّد کے میر منشی اور محاسب دفاتر تھے عوفی نے انہیں اس شہر میں پایا اور ان کے ساتھ کچھ عرصہ گزارا ۔ فرید الدین محمد ابن احمد یار الکافی الکاتب اور دوسرے اعلام کے ساتھ مراسلت رہتی ۔ کاتب مذکور نے ان کے ایک خط کے جواب میں یہ شعر لکھے۔

آمد بہ بام عاشقِ مہجور مستہام
مرغے ز آشیانہ معشوق نامہ نام

نفظش چو لعل منجمد از خندۂ ہوا
خطش چو در منعقد از گریۂ غمام

پرسیدم از عطارد کیں نامہ زانِ کیست
وز اہلِ فضل منشی این درج در کدام

گفت آں کہ مبدعانِ نکات براعتند!
با من کہ خواجۂ ہمہ ام پیش از غلام

گفتم جواب نامہ نویسم مطنز گفت
اقرار تو بعجز جواب است والسلام

۲۰۸۔ علاؤ الدین ابن علی اصولی بدایونی

علما اور ارباب طریقت دونوں میں ممتاز۔ حضرت سلطان الاولیاء شاہ نظام الدین بدایونی دہلوی نے آپ سے اکتساب کیا اور فرماتے کہ آپ جلال الدین تبریزی کے اصحاب اور انہی کے اوصافِ حمیدہ کے منبع تھے۔ اپنے کمالات پر ہمیشہ منبط رکھتے، صبر و رضا ان کا دثار (لباس) تھا۔ تمام عمر افادہ و عبادت میں بسر کر دی۔ (فوائد الفواد)

۲۰۹۔ علاؤ الدین علی مرداں خلجی

قتیل در ۶۰۹ھ
۱۲۱۲ء

امیر کبیر اور جرأت و شجاعت میں معروف۔ بنگال تشریف لے گئے تو کفار سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بعدۂ سلطان عز الدین محمد بختیار خلجی نے انہیں نارکوٹی پہ اپنا نائب مقرر کر دیا تب انہوں نے گرد و نواح کے کئی شہر فتح کیے۔ باشندوں کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا اور جب

بختیار ممدوح نبت سے واپسی پر صاحب فراش ہوگیا تو اسی علاء الدین نے اسے قتل کر کے اپنی سلطانی کا اعلان کر دیا۔ یہ دیکھ کر محمد شیران خلجی نے اسے گھیر کر جیل میں بند کر دیا۔ کچھ عرصے بعد وہ قید سے رہا ہوا تو دہلی آپہنچا اور سلطان قطب الدین ایبک کا تقرب حاصل کر کے پھر بنگال کی سربراہی سے بامراد ہوا۔ اور باشندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اور جب حضرت ایبک آسودۂ لحد ہو گئے تو اپنی شاہی کا اعلان کر کے علاء الدین سے ملقب ہوا۔ اس کے ٹھاٹھ باٹھ کی وجہ سے لوگ از خود اس کے مطیع فرمان ہونے لگے۔ آخر عمر میں علی مردان نہایت بے رحم اور متکبر ہوگیا۔ بلاوجہ رعیت پر تعدی اور ظلم کا آغاز کر دیا۔ جس سے اعیانِ سلطنت نے اسے گھیر کر قتل کر دیا۔ اس کی مدتِ حکومت سات برس تھی۔ (طبقاتِ ناصری در متن)

۲۱۰۔ سلطان غیاث الدین خلجی

حسام الدین عوض بن حسین خلجیؒ

م ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء

سلطان عادل۔ نام حسام الدین عوض بن حسین خلجی ——— ملقب بہ غیاث الدین الشہید والیٔ بنگال۔

خطۂ غور میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان آکر بنگالہ تشریف لے گئے۔ بادشاہ محمد بن بختیار خلجی کے مقربین میں داخل ہوئے۔ کفار سے جنگ کی اور جب علی مردان خلجی ۶۰۹ھ / ۱۲۱۲ء میں قتل ہوئے تو عوام نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور غیاث الدین کے لقب سے ملقب کیا۔

ممدوح بادشاہِ عادل۔ سخی شجاع۔ اہل علم کے محب اور ان پر احسان کرتے۔

عوام ان کی سیرۃ پر رطب اللسان تھے۔ سادات فاطمی اور اشراف چاروں طرف سے آتے اور یہ ان کی ضروریات پوری کرتے۔ غرض انھوں نے پبلک کو اپنے جود و سخا اور احسان سے ڈھانک لیا جس سے لوگ ان کی خوبیوں کے بہت معترف ہو گئے۔ وہ عقل و دانش سے بھی مالا مال تھے۔ ان کا ذہن بلند امور سوچتا اور یہ ان امور پر حاوی ہونے کی کوشش کرتے دریائے لکھنوتی اس طرح بہ رہا تھا کہ گویا اس کے دو دھارے ہیں۔ مغربی دھارا ازال سے موسوم ہے اور شہر لکھنوتی اس دھارے کے ایک طرف واقع ہے۔ دوسرا دھارا مشرقی جانب ہے اور یہ بربندہ سے متسّم۔ اور اس کے ایک جانب دلوکوٹ (بستی) آباد ہے۔ ان دونوں شہروں میں دس روز کی مسافت ہے۔ بادشاہ ممدوح (سلطان غیاث الدین) نے دریا پر پل بنوایا جو لکھنوتی سے لے کر لکھنور تک چلا گیا۔ یہ اس لیے کہ برسات کے زمانے میں تمام جنگل کے اندر مینہ کا پانی بھر جاتا اور پبلک کشتیوں پر بیٹھ کر ایک دوسرے قریہ میں جاتی۔

مصنّف طبقات ناصری فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش نے ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء میں بنگالہ پر حملہ کیا۔ جس میں کامیابی کے بجائے مفتوح سے رقم خطیر لے کر صلح کر لی اور اسے بہار پر اپنا باج گذار مقرر کر کے دہلی لوٹ آیا۔ بعد میں اس کے بیٹے ناصر الدین محمود نے جو اودھ میں تھا ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء میں اپنے زیر کمان لشکر لے کر بنگال کا رخ کیا۔ ادھر سے باپ بڑھا۔ دونوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ اور غیاث الدین میدان میں کام آیا۔ بنگال میں اس کی مدت حکومت صرف بارہ سال تک رہی۔ لوگ اس کا ذکر ہمیشہ تعریف سے کرتے اور اسے دادرس سمجھ کر غیاث الدین کے لقب ہی سے یاد کرتے۔ بقول صاحب طبقات ناصری وہ اس لقب کا مستحق بھی تھا۔

۲۱۱- فخرالدین عمید النونکی

فاضل اجل فخر الملک فخر الدین عمید النونکی

مشہور الافاضل اور اصحابِ کمال میں سے تھا۔ ہندوستان میں اس نے ناصرالدین محمود بن التمش کے عہد میں بہت سے شہر فتح کیے۔

وہ اعلیٰ درجے کا شاعر بھی تھا۔ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اس کے قصائد جمع فرمائے ہیں۔ ازاں جملہ

منکہ چو سیمرغ در یک گوشہ مسکن کردہ ام
ماورائے مرکز خاکی نشیمن کردہ ام!

ننگ ہر مرغے دریں بوم از چہ معنی مے کشم!
رفتہ ام عنقا صفت در کوہ مسکن کردہ ام!

مرغ ہمت تا نہ گردد خرمن عقلی گرائے!
خرمن چرخش زانجم پر زار زاں کردہ ام

ہر چہ خرمن مے زند چوں دانہ نماید بکس
من بہ جو سنگ ہر دت چند خرمن کردہ ام

نو عروس بکر معنی را بنور معرفت
در شبستان خرد چوں روز روشن کردہ ام

سیر اجرام سپہر از جدولِ تقویم کن!
بر در رنج ناطقہ یک یک مبرہن کردہ ام

در لگام چار حلقہ کماں سنتام عنصر لبیت
بس ریاضت ہاکہ من برنفس توسن کردہ ام

طوطی جاں راکہ تا لب گل سخن مستوحش است
ہرنفس دستاں سرائے سیرِ گلشن کردہ ام

شد بگلشن طوطی و زاغ ہوا را بر اثر!
گرد بر گرد طبیعت وقفِ گلشن کردہ ام

در لبسے فن اہلِ حکمت راگراں رغبت نبود!
من دراں صد گونہ رہ چوں مرد یک فن کردہ ام

گنج حکمت را ضمیرِ من چراغ افروز شد
در فتیلاش تاز نورِ عقل روغن کردہ ام[1]

---

[1] ان شعروں کے ساتھ ۱۸۔ اشعار اور ہیں جنہیں موضوع کتاب کے مطابق نقل کرنا ضروری نہیں (مترجم)۔

حرف "غ"

۲۱۲۔ سلطان الہند غیاث الدین بلبن

م ۶۸۶ھ
۱۲۸۷ء

لقب الملک المؤید اللہ المنصور : نام غیاث الدین بلبن ۔ سلطان صالح ۔ قراخطائی ترکوں کے خاندان سے تھا مگر ایک بردہ فروش نے اس کی صغر سنی میں اچک کر بغداد میں جمال الدین بصری کے ہاتھوں بیچ دیا ۔ یہ واقعہ ۶۳۰ھ کا ہے ۔ یہ بصری سوداگر اس لڑکے کو ہندوستان لے آیا اور سلطان شمس الدین نے اسے خرید کر محلات شاہی میں پرورش کے لیے سونپ دیا ۔ اور اس کے بلوغ پر اپنی صاحب زادی حبالہ عقد میں دے دی ۔ وہ امارۃ کے مدارج طے کرتا ہوا بہت اونچے منصب پر فائز ہو گیا ۔ مندرجہ ذیل عہدوں پر تقرر ہوا ۔

بعہد سلطانہ رضیہ	میر شکار
بعہد بہرام شاہ	میر آخور
بعہد علاء الدین مسعود (در ۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء)	امیر حاجب
بعہد ناصر الدین محمود التمش (در ۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء)	وزیر سلطنت

اور وہ ان مناصب پر بیس سال تک داد انصاف دیتا رہا ۔

سلطان محمد ممدوح کی رحلت (در ۶۶۴ھ / ۱۲۶۸ء) کے بعد مسند شاہانہ پر متمکن ہوا اور مسلسل بیس سال تک تمکین حاصل رہی ۔

یہ بادشاہ بہت اعلیٰ کردار سے متصف تھا ۔ حلم و حکمت اور سخاوت و علمیت اس کے خصائص میں تھے ۔ ملکی رفاہ کے لیے جدید شہروں کی تعمیر ، سرحدوں کی حفاظت ، عوام پر احسان

اور سدِ مظالم اس کا وثار تھا۔ وہ ان امور میں اپنے مربی اور مقدم سلطان شمس الدین التمش کے نقش قدم کا پیرو تھا۔ اہلِ علم کی منزلت میں پیش پیش رہتا۔ اور ان کے لیے مالی تحائف حاضر کرنے میں دریغ نہ کرتا۔ جمعہ کی نماز کے بعد ان شیوخ کے حضور سلام کے لیے حاضر ہوتا:۔ مولانا برہان الدین بزاز بلخی نمبر ۱۳۶۔ مولانا سراج الدین سنجری نمبر ۱۷۱۔ مولانا نجم الدین دمشقی نمبر ۲۵۲۔

وہ وعظ و تذکیر کی محفلوں میں شریک ہوتا۔ قبروں پر فاتحہ خوانی کے لیے جاتا۔ اربابِ ولایت کے مزارات پر مراقبے کے لیے بیٹھتا۔ نماز و روزہ پر مواظبت رکھتا۔ نوافل کی پابندی میں بھی تساہل نہ تھا۔ اشراق و چاشت اور تہجد کو کبھی ترک نہ کرتا۔ قضا میں اپنے عزیزوں تک کی رعایت نہ کرتا۔

ابنِ بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک دیوان تعمیر کرا کے اس کی محراب پر "دار الامن" لکھوا دیا۔ اب اس کے امرا اور معتقدوں میں سے جو فرد اس ایوان میں داخل ہوتا۔ اس کا قرض ادا کر دیا جاتا۔ اور جو شخص کسی خطرے یا خوف کی حالت میں در آتا اگرچہ اس نے کسی کو قتل کیا ہوتا تو مقتول ورثا کو دیت ادا کرا کے قاتل کی جان بخشی کرا دیتا۔ اسی طرح چھوٹے بڑے مجرموں کو اگر وہ اس دیوان میں آجاتے تو مدعیوں سے ان کی معافی کرا دیتا ـــــ جب وہ اسی طرح داد و دہش کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا تو اسی ایوان میں سپردِ خاک ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۱۲۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی

م ۶۹۶ھ

لقب الملک المؤید نام فیروز بن یغرش خلجی المشہور بہ جلال الدین فیروز شاہ، یہ بادشاہ حلیم، صالح اور سلطان غیاث الدین بلبن کے حضور جامدار تھا (جام دار یعنی پانی پلانے والا

ا سے قصبہ سامانہ جاگیر میں عطا ہوئی تھی۔ غیاث الدین بلبن کے پوتے معز الدین کیقباد نے اسے تمام ممالک محروسہ پر نگران مقرر کر کے شہر برن جاگیر میں عنایت فرما دیا۔ (برن موجودہ بلند شہر ہے مترجم)

جب سلطان ممدوح معز الدین صاحب فراش ہوا اور اطباء نے اس کا مرض لاعلاج ظاہر کیا تو امرائے سلطنت مملکت کے حصے بخرے کرنے پر اس بٹوارے میں دو فریق ہو گئے ۱۔ ترک ۲۔ خلجی۔

تب جلال الدین نے یہ سن کر شہر پر دھاوا بول دیا اور شہر کے باہر ایک اونچے ٹیلے پر مورچہ لگا دیا۔ اسی وقفہ میں ترک شہر پر قابض ہونے کو تھے لیکن یہ کچھ دن کی تقدیر میں نہ تھا۔ لڑائی ٹھن گئی اور جلال الدین شاہی محلوں میں داخل ہو گیا۔ یہ واقعہ ۶۸۹ھ کا ہے۔ اب وہ ملک کا راجہ حکمران تھا اور اس مرحلہ پر اس کی عمر ستر سال کی تھی۔

وہ نہایت سخی۔ باحوصلہ اور صاحب علم و فن تھا۔ رعیت اس کی انہی خوبیوں کی وجہ سے اس کے قتل کیے جانے سے سات سال بعد اس پر نوحہ کناں رہنے لگی۔ یہ واقعہ اس طرح سے رونما ہوا کہ فیروز شاہ ممدوح نے اپنے برادر زادہ علاء الدین کو جو شجاعت و دبدبے اور فتح و کامرانی میں ممتاز تھا۔ اپنی صاحب زادی اس کے عقد میں دینے کے بعد اسے شہر کڑہ مانک پور اور اس کے ملحقہ مواضع جاگیر میں بخش دیے۔ کیوں کہ بادشاہ یوں بھی اس پر بہت شفقت فرماتا لیکن چچا نے اپنے اس برادر زادہ کو اقوود و ناصن میں سے ایک حبّہ نہ دیا۔ وہ بڑا جنگ جو تھا۔ ان جنگوں سے حاصل کردہ اموال غنیمت اس کا مال و دولت تھا۔ اتفاق کی بات کہ اس نے دیوگڑھ کے راجہ پر حملہ بول دیا اور راجہ نے اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے بے حساب مال و زر کے عوض میں اپنی ریاست اور ذات دونوں کو محفوظ کر لیا۔ علاء الدین یہ فے[۱] لے کر واپس کڑہ آ گیا اور اپنے مربی چچا کی خدمت میں اس

۱؎ جنگ میں جو مال بغیر مقابلہ کے حاصل ہو وہ غنیمت نہیں فے ہے۔ (مترجم)

مالِ غنیمت میں سے ایک حبّہ پیش نہ کیا۔ چغل خور گھات میں تھے انہوں نے سلطان جلال الدین کو بھڑکایا جس پر علاء الدین نے تھوڑا بہت مال و زر جو اس کے حضور بھجوایا تو اس نے فرمایا کہ وہ میرا فرزند ہے۔ میں خود اس کے پاس جاتا ہوں۔ علاء الدین نے سنا تو اپنے عم بزرگوار سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ سلطان لشکرِ جرار ہمراہ لے کر شہر کڑہ کی جانب روانہ ہوا اور دریا (غالباً گنگا) کے کنارے پر آ کر کشتی میں سوار ہوا۔ ادھر سے یہ برادر زادہ بھی ایک کشتی میں بیٹھ کر آگے بڑھا۔ مگر اس کا ارادہ اپنے مہربان عم بزرگوار کو قتل کرنے کا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پڑھا دیا کہ جب میں چچا سے معانقہ کر دوں تم اسے قتل کر دینا ——— اور ایسا ہوا۔ تب سے علاء الدین پوری سلطنت کا واحد مالک ہو گیا۔ اور مقبرہ پر یہ شعر کندہ کرا لیے گئے۔

مارا کہ قدم بر سر گردوں ساید
از تودۂ سنگ و گل چہ قدر افزاید
ایں سنگِ شکستہ زاں نہادیم ز دست
باشد کہ شکستہ درو آسائد

حرف "ف"

۲۱۴- فاطمہ سام دھلویہ

کبیر السن خاتون دہلویہ از صالحات قانتات - سلطان الاولیاء شاہ نظام الدین نے انہیں دیکھا اور ان کی یہ تعریف فرمائی کہ وہ تقویٰ و صلاح میں درجہ کمال تک فائز ہیں دل میں رقت پیدا کرنے والی شعر پڑھتی ہیں - ازاں جملہ!

ہم عشق طلب کنی وہم جاں خواہی
ہر دو طلبی ولے میسر نشود"

دہلی میں آسودہ لحد ہوئیں[1] (خزینۃ الاصفیاء درمتن)

۲۱۵- شیخ فخر الدین زاہدی میرٹھیؒ

علوم میں فضیلت کے ساتھ اولیائے عظام میں سے تھے - طریقت کا فیضان حضرت قطب الدین بختیار کعکی سے حاصل ہوا اور جب تک درجہ کمال تک نہ پہنچے حضرت کعکی کی خدمت میں ملازم رہے کہا جاتا ہے کہ سکندر رومی کی صلب سے تھے[2] ان کا مولد مدفن میرٹھ ہے

۱ؔ خواجہ حسن نظامی نے نظامی بنسری بر ص ان کے حالات میں کچھ اضافہ فرمایا ہے۔

۲ؔ گلزار ابرار محمد بن الحسن المندوی -

حرف "ق"

۲۱۶- شیخ قدوۃ الدین اودی

م ۶۰۵ھ / ۱۲۰۸ء

شیخ کبیر قدوۃ الدین ابن میرک شاہ ابن ابو العلیٰ اسرائیلی اودی - از طبقہ بنی اسرائیل (یا از صلب شاہاں) حضرت عثمان ہارونی سے طریقت میں فیضان حاصل کیا - اور ہندوستان پر مسلمان بادشاہوں کے تسلط کے بعد یہاں وارد ہوئے۔

بڑے جری اور صاف گو تھے - شاہ و گدا دونوں کو ان کے بالمواجہۃ تنبیہہ کرتے - ان کے امر و نہی میں یہ حرف بہت بھلی تھا۔

اولاد میں ایک صاحبزادے اعز الدین نام ان کی رحلت کے بعد منصب قضاۃ پر فائز ہوئے - سرزمین اودھ میں ان کی اولاد باون (۵۲) مواضع میں آباد ہوئی - جن میں سے بیشتر عالم اور مشایخ ہوئے۔ (بحر زخار در متن)

۲۱۷- شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی

م ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء

ابن کمال الدین کعکی اوشی - باپ اور صاحبزادے دونوں صوفیائے عظام سے تھے - ان کا مولد قریہ اوش حدود ماوراء النہر میں ہے - والد ان کے ان کی سولہ سال کی عمر میں واصل بحق ہو گئے - انہوں نے اپنی والدہ کے زیر سایہ پرورش حاصل کی - ۱۵ سال

کے سن میں مدرسہ میں داخل ہوئے اور شیخ ابوحفص معلم ادشی کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا پھر بغداد گئے اور شیخ الاکبر معین الدین حسن سنجری اجمیری کے تلمذ کا فخر نصیب ہوا۔ ان کی درس گاہ ابوالليث سمرقندی کی مسجد الفقیہہ میں تھی۔ ممدوح سے علوم باطنی کے اکتساب کے بعد خرقہ عطا ہوا۔ یہ تقریب اکابر شیوخ طریقت سے معمور مجلس میں منعقد ہوئی۔ ازاں جملہ حضرت شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحدالدین کرمانی۔ شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی وغیرہ ہیں۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے!

ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۱۸۔ سال کی عمر میں شیخ معین الدین چشتی اجمیری کی بیعت کی اور بیس سال کے سن میں ممدوح کی خلافت سے فیض کام ہوئے۔ اور یہ تمام ماجرا بغداد کا ہے۔

ھندوستان میں ۔ اب انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا تو ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں باریاب ہوئے مگر یہاں زیادہ عرصہ تک قیام نہ فرمایا۔

دھلی میں بعہد شمس الدین التمش تشریف لائے۔ اسی شہر کو اپنا وطن ہونے کی عزت بخشی۔ بادشاہ نے آپ کی بدرجہ غایت تکریم فرمائی۔ وہ ہر ہفتے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ عوام۔ علماء اور شیوخ ہر ایک طبقہ آپ کے فیضان سے کامیاب ہوا۔

صاحب تذکرہ اولیائے سالکین راہ طریقت اور عباد سے تھے۔ دن میں روزہ اور رات بھر قیام فرماتے۔ ذکر اور فکر میں منہمک۔ منہیات سے خود کو دور رکھتے۔ زہد و پارسائی میں ممتاز اقران تھے۔ سماع کا شغل بھی تھا۔ اس کے اثر سے وجد میں آکر دریائے عرفان میں غوطہ زن ہو جاتے اور اسی حالت میں ملاء اعلیٰ سے ملاقی ہو گئے۔

حضرت سلطان الاولیا خواجہ نظام الدین چشتی (کہ خود بھی ذوقِ سماع سے بہرہ مند تھے) فرماتے "ایک مرتبہ شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں محفلِ سماع منعقد تھی۔ جب مغنّی (قوال) نے مولانا جامی کے اشعار گاتے ہوئے یہ شعر

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

الاپا تو قطب الدین پر کیفیت طاری ہوگئی۔ تڑپنے لگے۔ ان کے اصحاب میں سے بدر الدین غزنوی اور قاضی حمید الدین ناگوری وغیرہ نے ان کو سنبھالا اور ان کے دولت کدہ میں پہنچا دیا۔ اسی اثنا میں قوال بھی مشایعت میں یہی شعر الاپتا جارہا تھا۔ شیخ تین روز کیفیت میں ڈوبے رہے اور آخری روز رحمۃ پروردگار میں جا پہنچے۔

یہ دوشنبہ کا روز تھا تاریخ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ تھی۔ زندگی کی پچاسویں منزل میں تھے (یا ۵۴ویں اور یا ۵۶ویں منزل میں) (مہر جہاں تاب در متن)

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ لفظ کعکی سے ان کی نسبت کا سبب یہ ہے کہ جب ان کے پاس محتاج، مساکین یا قلاش اپنی مصیبت کی روداد لے کر آتے یا ایسے لوگ آتے جن کے ہاں بالغہ صاحبزادیاں عقد کے بغیر پڑی ہوتیں تو آپ انہیں سونے اور چاندی کے کعک عطا فرماتے۔ اسی وجہ سے آپ لفظ کعکی سے منسوب ہوگئے۔

۲۱۸۔ قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی

م ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء

علمائے عظام سے تھے۔ ملتان میں مدۃ العمر تدریس فرمائی۔ حتیٰ کہ ملتان اور اس کے نواحی ارباب تدریس کے سرخیل تسلیم کر لیے گئے۔

ممدوح حضرت بہاء الدین زکریا کے معاصر تھے۔ حضرت ہر روز مدرسہ میں تشریف لاتے اور ان کے اقتدا میں نمازیں ادا کرتے اور فرماتے

من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی (جس نے کسی متقی عالم دین کا اقتدا کیا گویا اس نے نبی کا اقتدار کیا)۔

ملتان ہی میں واصل بحق ہوئے اور یہیں کے قدیم قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ (اخبار الجمال در متن)

۲۱۹۔ سلطان قطب الدین ایبک

م ۶۰۷ھ
۱۲۱۰ء

(جن کا مزار مبارک لاھور میں انار کلی سے میو ھسپتال جانے والی سڑک پر ہے۔ (ایبک روڈ پر)

شہنشاہ قطب الدین ایبک بادشاہ عادل و فیاض۔ ان کے بچپنے میں کسی نے انہیں ترکستان سے اچک لیا اور قاضی فخر الدین بن عبد العزیز کوفی نے انہیں شہر نیشاپور میں خرید کر قرآن اور املاء وغیرہ پڑھائے۔ قاضی ممدوح کی رحلت کے بعد ان کے بیٹوں سے مسلمان تاجروں کے ایک قافلے نے انہیں خرید کر شاہنشاہ شہاب الدین غوری کے حضور پیش کیا۔ جنہوں نے خرید کر انہیں اپنے خواص میں شامل کر کے فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔

اور جب بادشاہ مذکور ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں ہندوستان آیا تو قطب الدین کو فوج کا ایک دستہ دے کر شہر سرستی۔ سامانہ۔ کھرام اور اس کے ملحقات کی جاگیر میں عطا فرما کر اس طرف منتقل کر دیا۔ اس جاگیر میں قلعے بھی تھے۔ قطب الدین نے اس خطے پر نہایت عمدگی سے حکومت کی۔ اپنے حسن نظم پر حضرت ایبک نے محسوس فرمایا کہ اس

خطے پر بیرے استقرار کے بغیر حکومت نہیں کی جا سکتی۔ تو وہاں کے راجہ سے ایک رقم کے بالعوض صلح کر لی جس میں کچھ حصہ فوراً وصول ہوا اور کچھ رقم کے لیے ایک مدت تک ادائیگی قرار پائی۔

فتح کالنجر:- بعض اشخاص کے نزدیک حضرت ایبک نے یہ خطہ ہندو راجہ کو سپرد کرنے کی بجائے اپنے ایک معتمد (مسلمان) کی سربراہی میں دے کر دہلی روانہ ہوا۔ اور ۵۹۹ھ/۱۲۰۲ میں قلعہ کالنجر پر چڑھائی کی تو اس کے سربراہ قلعہ بند ہو کر اندر دبک گئے۔ مگر تاب کے۔ آخر گھبرا کر ایسی رقم خطیر پر صلح کر لی، جس کا کچھ حصہ اسی لمحہ اور کچھ حصہ بعد میں ادا کرنا منظور کیا۔

مہوبہ اور بدالوان:- اب مہوبہ فتح کیا اور یہاں سے بدالوان پر قابض ہو گئے۔

غلامی سے آزادگی اور بادشاہت

جب سلطان شہاب الدین کی رحلت کے بعد اس کا بھائی غیاث الدین محمود غوری سلطنت کا حکمران ہوا تو اس نے حضرت ایبک کو غلامی سے رستگاری دے کر بادشاہت سپرد کی اور چتر شاہی وغیرہ جملہ لوازمات بادشاہی عنایت فرمائے۔ تب حضرت ایبک لاہور میں سر برآوردہ تخت شاہی ہوا۔ (بتاریخ ۱۸ ذی العقدہ بروز سہ شنبہ ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ کو)۔

ان کی بادشاہت کا زمانہ ۴ سال کچھ مہینے ہے۔

مرحوم عدل گستر ور ایسا سخی اور فیاض تھا کہ لوگ اسے لکھ داتا سے ملقب کرتے۔

اس پر جب نہروالہ کے قریب پہنچا تو اس شہر کا سربراہ لشکر لے کر مقابلے پر اتر آیا۔ اور سخت مقابلہ کے بعد اس لشکر کا سپہ سالار کام آیا! اور وہاں کا راجہ بھیم دلو نہروالہ سے نکل کر مفرور ہو گیا۔ یہاں سے بیش بہا غنیمت حاصل ہوئی۔ اور حضرت ایبک غزنہ

روانہ ہوئے۔ جہاں تھوڑی سی مدت قیام کے بعد ہندوستان تشریف لائے۔ اور ۵۹۴ھ میں دہلی کے اندر ایک بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی۔

اور جب سلطان شہاب الدین دہلی تشریف لائے تو ان کے ہمرکاب شہر تھنگر فتح کیا۔ جو بعد میں بیانہ (ضلع متھرا) کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں سے بادشاہ نے ۵۹۷ھ ۱۲۰۰ء میں حضرت ایبک کو قلعہ گوالیار سر کرنے کے لیے تعینات فرمایا تو وہاں کے مقدم سلکمن نے ۵۹۷ھ ۱۲۰۰ء ہی میں صلح کی درخواست بالعوض مال کثیر پیش کی۔ جو منظور کر لی گئی۔ اور حضرت ایبک نے ۵۹۸ھ ۱۲۰۱ء میں گجرات دکن پر حملہ کیا۔ جس پہ وہاں ہندو موج در موج لشکر لے کر مقابلہ پر اتر آئے۔ مگر حضرت ایبک کی تقدیر میں فتح اور ان کی قسمت میں ناکامی تھی۔ شدید مقابلہ کے باوجود پسپا ہونے پر مجبور ہوئے۔ حضرت ایبک نے ہندو لشکر کے قتل عام کا فرمان جاری کر دیا۔ ان کے ساتھ مویشی اور سواری کے جانور بھی ختم کر دیے گئے۔ حضرت ایبک نے نہروالہ کا رخ کیا اور اسے بغیر مقابلہ کے سر کر لیا۔ وہاں کا راجہ بھیم دیو راج دہانی چھوڑ کر بھاگ گیا اور کچھ عرصے کے بعد پھر ایک لشکر جرار جمع کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد میرٹھ پر ہندو بول دیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی پر حملہ کیا۔ یہاں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ وہ مخالف کو شکست دے کر شہر میں در آیا۔ دہلی کو دارالسلطنت قرار دیا۔ ۵۹۰ھ ۱۱۹۳ء میں قلعہ علی گڑھ فتح کر کے بہت زیادہ غنیمت ہاتھ آئی۔

سلطان شہاب الدین

اور جب سلطان ممدوح ہندوستان تشریف لائے تو انہوں نے حضرت ایبک کو مختصر سا دستہ دے کر قنوج کی طرف بھیجا جہاں کے راجہ جے چند نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار گھبرا کر بھاگ اٹھا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ مدت تک ــــ ! ادھر حضرت ایبک نے اس نواح پر اپنا پورا قبضہ پا کر جب دہلی واپس جانے قصد فرمایا۔ تو سنا کہ راجہ بھیم

راج نے راجہ پرتھی راج کے بیٹے کولہ سے اجمیر کا علاقہ چھین لیا ہے۔ یہ بات ایبک کو کھل گئی۔ دہلی کی بجائے اجمیر کی طرف عنان افواج پھیر دی۔ بھیم راج مقابلے پر آیا مگر شکست سے دوچار ہو کر منہ پھیر لیا (یہ واقعہ ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء میں رونما ہوا)

حضرت ایبک نے اجمیر اپنے ایک معتمد کو سونپ کر خود گجرات کاٹھیاوار کی جانب رخ فرمالیا ــــ وہ شجاعت اور دلاوری میں بے مثل تھا جس کسی کو کچھ عطا کرتا اسے استحقاق سے بہت زیادہ ہوتا۔ نظام الدین حسن نظامی نے اپنی کتاب تاج المآثر ان کے سوانح میں لکھی ہے۔ ان کی وفات ۶۰۷ھ میں ہوئی اور لاہور میں سپرد خاک ہوئے[1]۔

[1] تاریخ فرشتہ

حرف "ک"

۲۲۰۔ قاضی کمال الدین جعفری بدایونی

ممتاز علما میں شمار ہوتے۔ بدایوں میں قیام کا حکم ہوا۔ یہاں طرح تدریس ڈالی۔ فقہ میں کتاب المغنی لکھی۔ یہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ــــــــــ دہلی کے بے تاج بادشاہ حضرت سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ ان کا تذکرہ تعریف کے ساتھ فرماتے۔[1]

---

[1] فوائد الفواد

حرف "ھ"

۲۲۱- نورالدین المبارک غزنوی

م یکم محرم ۶۳۲ھ

نام مبارک الدین عبداللہ ابن شرف الحسینی از نسل امام حسین اور لقب نورالدین تھا۔

آپ غزنہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں سن رشد کو پہنچے۔ شیخ عبدالواحد شہاب (غزنوی) سے پڑھنے کے بعد بغداد آئے اور حضرت شیخ شہاب عمر بن محمد سہروردی مصنف کتاب العوارف کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ مدتوں حاضر باشی کے بعد غزنہ مراجعت فرما ہوئے۔ عوام و خواص دونوں میں مقبول ہو گئے۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان کی جنگوں میں ان سے برکت حاصل کی۔ شیخ الاسلام کا خطاب دیا۔ اور امیر کے لقب سے ملقب کیا۔ جب تک زندہ رہے دور کے بادشاہ اور امرا ان سے برکت ہی حاصل کرتے رہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اپنی تالیف ہدایۃ السعدا میں لکھا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش آپ کو اپنے دربار میں سب سے اونچی مسند پر بٹھاتا۔ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا۔ اور جنگوں میں ان سے تبرک حاصل کرتا۔

قدیم دہلی میں رحلت فرمائی اور حوض شمسی کی مشرقی سمت میں آسودہ لحد ہوئے[1]

[1] اخبار الجمال (در متن)

۲۲۲ شیخ مجدّد الدین لاہوری

امیر سے خطیر الدین نام محمد ابن عبدالملک جرجانی ـــــ اپنے دور کے ممتاز اور باکمال افاضل سے تھے۔ جیساکہ عوفی نے لباب الالباب میں ان کے والد کے تذکرہ میں ان کا اور ان کی انواع واقسام کی مصانیف کا ذکر کیا ہے جو معقول و منقول دونوں میں مشہور ہیں۔

۲۲۳- شیخ محمد بن حسن اجمیری

م ۶۶۱ھ

حضرت شاہ معین الدین خواجہ اجمیری کے پوتے ہیں۔ اور نام ہے محمد۔

ولایت ابن الحسن السنجری الشیخ فخر الدین جو بیٹے تھے شیخ معین الدین اجمیری مشہور از قاف تا بہ قاف کے۔ رحمۃ اللہ تعالٰے۔

مولد ومنشا۔ شہر اجمیر۔

اساتذہ وشیوخ:۔ آپ کے عالی منزلت والد حضرت فخر الدین پسر خواجہ اجمیری جن کی تربیت سے درجۂ ارشاد و منزلت شیخیت تک فائز ہوئے۔

زہد وتقوٰی میں اپنی مثال تھے۔ قیام اللیل ترک نہ فرماتے۔ اجمیر کے ملحقہ قریہ ماندل کی بنجر اراضی کا ایک ٹکڑا مزارعہ بنالیا۔ اس کی پیداوار سے اپنے عیال کا قوت حاصل کرتے۔ اپنے والد حضرت فخر الدین کی رحلت کے بعد بیس سال تک دنیا کے کونے کو اپنے وجود سے رونق بخشی [1] (۱ اخبار الاخیار (درمتن))

گلزار ابرار میں ان کی تاریخ وفات ۵ ماہ شعبان ۶۶۱ھ مرقوم ہے۔

۲۱۴۔ قوام الدین محمد بن ابو سعد جنیدی دہلوی

وزیر کبیر معروف بہ نظام الملک، عقل و تدبیر دونوں میں ممتاز۔ سلطان شمس الدین التمش نے سنہ ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں وزارت کی پیش کش کی۔ اور وہ ۶۲۳ھ/۱۲۲۵ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ پھر ان کے فرزند سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے مصاحبوں میں شامل ہوگئے۔ اور وہ اپنے آقا کے خلاف خروج (بغاوت) کر کے لاہور آپہنچے۔ سلطنت کے کئی ارباب مناصب نے بغاوت میں ان کا ساتھ دیا۔ رکن الدین نے لشکر کے ساتھ تعاقب کیا۔ تو عوام نے ان سے منحرف ہو کر ان کی ہمشیرہ سلطانہ رضیہ بنت التمش کی بیعت کر لی۔ یہ دیکھ کر سلطان رکن الدین دہلی لوٹ آیا۔ اور عوام نے اسے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ یہ حالت دیکھ کر صاحب تذکرہ نظام الملک اپنے موافقین امرا کے ساتھ دہلی آپہنچا تو سلطانہ رضیہ نے اسے شکست دے کر ناکام کر دیا۔ تب نظام الملک نے سرمور پہاڑ کی طرف رخ کر لیا اور وہیں طعمۂ اجل ہو کر رہ گیا۔

وہ فاضل و عدل پسند اور اہل علم کا قدر دان و محسن تھا۔ نور الدین عوفی نے کتاب جوامع الحکایات اسی کی خاطر سے لکھی۔ سنہ ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء اور ۶۴۰ھ/۱۲۴۲ء کے درمیان انتقال ہوا۔

۲۱۵۔ شیخ محمد بن احمد ماریکلی دہلوی

م ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء

لقب کمال الدین زاہد۔ حدیث و فقہ دونوں میں کمال حاصل تھا۔ فقہ و حدیث برہان الدین محمود بلخی سے پڑھے۔ کتاب آثار النیرین فی اخبار الصحیحین کے مؤلف سے بسلسلہ امام حسن صاغانی لاہوری اجازہ حدیث حاصل کیا اور شیخ نظام الدین حضرت سلطان الاولیاء دہلوی سے بھی! ندورح پر صاغانی کی کتاب مشارق الانوار پڑھی۔ صاحب

ہدایتہ حضرت برہان الدین مرغینانی نے آپ سے حدیث پڑھی۔

فقہ وحدیث میں آپ بہت بڑے عالم محقق پارسا زاہد، متبحر تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے آپ کو امام نماز بننے کے لیے عرض کیا تو اسے ٹھکرادیا۔ اور فرمایا کہ میرے توشۂ آخرت میں نماز کے سوا کوئی اور عملی صالح نہیں۔ مگر سلطان میرا یہ عمل بھی باطل کرنے کے درپے ہے۔ (سیر الاولیاء)

۲۲۶۔ شیخ محمد ابن احمد المدنی

م ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء

نام — محمد بن یوسف بن علی بن حسن بن حسین ابن محمد بن عبداللہ بن محمد النفس زکیہ ابن عبداللہ المحض۔

لقب: قطب الدین۔ امام عبدالقادر گیلانی بغدادی کے ہمشیرزادہ۔ اس قران سے محبوب الاطراف بالسادۃ والاشراف ہوئے۔

مولد: شہر بغداد — سال ولادت ۵۸۱ھ / ۱۱۸۳ء

اساتذہ و شیوخ: — آپ کے والد حضرت محمد العلامۃ و جناب شیخ عبدالقادر گیلانی کے صاحبزادے شیخ عبدالرزاق۔ جن کی رحلت کے بعد شیخ عارف ابوالجناب نجم الدین کبریٰ سے علوم ظاہری و باطنی دونوں میں اکتساب فرمایا۔

فتنہ تاتار میں اپنے والد کی شہادت کے بعد بغداد سے غزنہ تشریف لے گئے۔ یہاں پر مدت تک قیام کے بعد غالباً سلطان قطب الدین ایبک کے عہد میں ہندوستان وارد ہوئے۔ سلطان ممدوح کی رکاب میں جہاد کیا۔ قلعہ گڑہ و قلعہ مانک پور و قلعہ ہنسوہ جیسے مضبوط قلعے فتح کیے۔ سلطان شمس الدین التمش ان کی بے حد تعظیم کرتے۔ قاضی شہاب الدین عمر زاولی دولت آبادی نے اپنی کتاب ہدایۃ السعداء میں یہ اور اضافہ فرمایا ہے

کہ سلطان ممدوح کے دربار میں ان کی نشست سب سے بلند تھی۔ وہ سرِ درباران کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔

قاضی عثمان مؤلف طبقات ناصری نے لکھا ہے کہ وہ بزمانہ بادشاہ بہرام شاہ دہلی میں شیخ الاسلام تھے اور جب بادشاہ مذکور کے امرا نے ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء میں اسے معزول کرنے کے لیے لاہور میں اجتماع کرنا چاہا تو بہرام شاہ نے آپ کو یہ فتنہ فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ دریائے بیاس کے قریب اس گروہ تک آپہنچے اور شرارت ختم کرکے یہاں ہی سے لوٹ کر دہلی واپس تشریف لے گئے۔

بعہد بادشاہ ناصر الدین محمود نے در ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء بتاریخ ۷ ماہ رجب بروز سہ شنبہ آپ سے منصب شیخ الاسلام کا خلع کرالیا گیا۔

قاضی ضیاء الدین برنی فرماتے ہیں "شیخ الاسلام قطب الدین بعہد سلطان غیاث الدین بلبن اپنے دور میں اکابر علما سے تھے۔

اولاد میں تین صاحب زادے۔ ان میں سب سے بڑے نظام الدین جو علم و عرفان اور دلاوری میں اپنے والد کے نقشِ قدم پر گامزن تھے۔ ان کے صرف ایک خلف الرشید رکن الدین نامی تھے جو کڑہ میں قضاۃ پر مامور تھے" (برنی در متن)

دوسرے فرزند (منجھلے) قوام الدین محمود : جن کے حبالۂ عقد میں سلطان شمس الدین التمش نے اپنی صاحب زادی فتحہ سلطانہ منسلک کردی (تذکرۃ السیادات)

تیسرے فرزند قاضی تاج الدین - قاضی کٹرہ جو یہاں سے تبادلہ کرا کے قاضی بدایوں مقرر کیے گئے۔

مولانا سید عبدالحئی مؤلف کتاب ہذا (نزہتہ الخواطر) فرماتے ہیں "قاضی رکن الدین ہمارے جد اعلیٰ تھے۔ جن کے اولاد و احفاد میں اللہ نے بڑی برکت عطا فرمائی۔ ان میں کچھ لوگ علم و عرفان میں ممتاز اقران ہوئے۔ یعنی شیخ فضل اللہ داماد شیخ قطب الدین

جون پوری ــــ و ــــ سید محمد تقی درویش بے ریا کہ سلطان فرخ سیر کے استاد بھی تھے۔ اور قاضی محمود بن علاء الدین نصیر آبادی جن کے اسلاف میں یہ حضرات ہیں۔

۱ :۔ سید العارف علم اللہ ابن محمد فضیل۔ اور ان کے پوتے۔

۲ :۔ سید محمد عدل

۳ :۔ امام مجاہد السید احمد الشہید السعید جو معرکہ بالاکوٹ ہزارہ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

اور ان کے سوا دیگر اعلام و اکابر نیز!

شیخ قطب الدین کی وفات ۲۰ رمضان ۶۷۷ھ ۱۲۷۸ء کے روز شہر کڑہ میں ہوئی۔ ان کا مزار ابھی تک موجود ہے اور زیارۃ گاہ اور محل اجرلئے برکات ہے۔

۲۲۷۔ عز الدین محمد بن بختیار خلجی

م ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء

امیر کبیر ــــ الغازی: سیاست اور ریاست دونوں کے یکہ تاز:۔

ان کے آباء کا وطن بھی غور تھا اور ان کا مولد بھی یہی ہے۔ بعد از بلوغ غزنہ اور وہاں سے ہندوستان تشریف لائے۔ اور جنگوں میں سردھڑ کی بازی لگادی۔ سلطان شہاب الدین غوری نے انہیں گنگا اور جمنا کے درمیان کئی دیہات جاگیر میں عطا کیے۔ وہ کچھ مدت تک ان مواضعات میں قیام کے بعد بہار تشریف لے گئے۔ وہاں پہ کفار سے سخت مقابلہ ہوا جس میں بے شمار غلام اور کنیزیں غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ اور ۵۵۹ھ ۱۱۶۳ء میں دہلی واپس آکر حضرت قطب الدین ایبک[1] کے حضور غنیمت کا بیش بہا مال پیش کیا۔

[1] سلطان شہاب الدین کے پروردہ۔ (مترجم)

اب لشکر لے کر بنگال کا رخ کیا۔ وہاں کے راجہ لکھمن کو شکست دے کر کامروپ کی طرف بھگا کر اس کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں ایک نیا شہر رنگ پور تعمیر کرایا۔ جس میں مسجدیں۔ خانقاہیں اور مدرسے بنوائے۔ اور رنگ پور کو دارالسلطنت قرار دے کر یہاں اپنا نائب محمد شیران خلجی کو مقرر کر کے بارہ ہزار فوج رکاب میں لی اور تبت کا رخ کیا۔

اس سفر میں جب مقام ابردھن پر پہنچا تو تیمکری نام کا دریا راستے میں آیا۔ جس پر گرشاسپ کے زمانہ کا بہت بڑا پل بنا ہوا تھا۔ اسے عبور کر کے پہلے اپنے خواص کو مقدمہ کے طور پر آگے روانہ کیا۔ جو پر پیچ پہاڑی راہ اور وادیوں پر چل پڑے۔ بعدہٗ خود کو ان کے نقش قدم پر ڈال دیا۔ پہاڑوں کو لانگتا ہوا سولہ روز میں ایک محفوظ قلعے کے قریب آپہنچا اور ابھی کوئی اقدام نہ کیا تھا، کہ دشمن کے قدر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ انہوں نے بھی جوابی کاروائی کی۔ کہا گیا ہے کہ یہاں سے پانچ فرسخ پر شہر قرم پتن تھا۔ جس شہر میں صرف قدر انداز ساڑھے تین لاکھ تھے۔ جو ان کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ ادھر عزالدین اور ان کے لشکری تھکن سے نڈھال ہو رہے تھے۔ مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ وہ سب اس مقام سے واپس لوٹ پڑے۔ مگر جب متذکرۃ الصدر پل کے قریب پہنچے تو اسے مسمار پایا۔ یہ لوگ حیران رہ گئے۔ ناچار ایک قریبی بت خانے میں در آئے اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ کشتیاں بنائیں۔ یہ حالت جب ملک کے باشندوں نے دیکھی تو چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ جس سے گھبرا کر ان کی فوج دریا میں کود پڑی اور بہت کم افراد دوسرے کنارے پر لگے۔ بچے کھچے افراد اپنے مستقر میں پہنچے تو ان کی حالت ادبار پر عوام نے لعنتوں اور دشنام سے استقبال کیا۔ خصوصاً جن عورتوں کے شوہر دریا میں ڈوب مرے ان کے گریہ و بکا نے کہرام برپا کر دیا۔ اعزالدین اس ندامت کے اثر سے بیمار ہو کر تیسرے روز قبر میں جا پہنچا۔

وہ بڑا عدل پسند، سخی اور مصائب میں سب سے آگے رہتا۔ شجاعت اور دلاوری

میں اس کی مثال پیش کی جاتی۔ بنگال میں ان کی کئی یادگاریں ہیں۔ سنہ ۶۰۴ھ / ۱۲۰۷ء میں طعمۂ اجل بن گئے۔ (تاریخ فرشتہ ورمتن)

۲۲۸۔ حضرت شیخ محمد بن زکریا ملتانی

م ۶۸۴ھ / ۱۲۸۵ء

مشہور صاحب روایت۔ نام محمد بن زکریا۔

فضائل: شیخ الاسلام۔ صدر الدین، قریشی، مولد ملتان۔ وہیں پروان چڑھے اور نہایت مناسب ماحول میں تربیت علمی وروحانی حاصل کی۔ اوائل بلوغ ہی سے خورد و نوش اور لباس میں توسط تھا۔ جس پر سدا قائم رہے۔ ورع و تقویٰ اور نماز و روزہ داری ہر ایک میں کمال تھا۔ ہر حال میں اللہ کا ذکر زبان پر جاری رہتا۔ امور شرعیہ اور اوامر و نواہی سب کا خیال رکھتے۔

اپنے والد مرحوم بزرگ سے جو مال و زر اور سامان و مکانات ملے۔ ان میں ستر لاکھ دینار ہی تھے۔ آپ نے یہ سب نقود و جائداد غیر منقولہ اور سامان مساکین اور دوسرے حق داروں کو لٹا دیا اور اپنے اور اہل و عیال کے لیے تن کے لباس کے سوا کچھ نہ رہنے دیا۔ اس پر ایک مرید نے عرض کیا۔ آپ کے والد نے سونے چاندی کے ڈھیر جمع کر لیے۔ نامی گرامی گھوڑے، مویشی اور مال اور حویلیاں سر لفلک چھوڑیں۔ مگر آپ نے سب مال و منال ایک دن میں ضائع کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال کے لیے بھی کچھ نہ رہنے دیا۔

جواب (سن کر) فرمایا۔ میرا باپ دنیا پر اس قدر غالب آیا کہ اس کے حصول میں کبھی ان کے پاؤں نہ ڈگمگاتے مگر میں کبھی اس منزل تک نہ پہنچ سکا کہ مبادا دنیا مجھ پر غالب آجائے۔

اور ان کے حالات و ملفوظات ہیں؟

شیخ ضیاء الدین نے کتاب کنوز الفوائد مرتب کی۔
اور شیخ حسن بن عالم حسینی نے نزہتہ الارواح لکھی۔

تلامذہ اور مرید:۔ شیخ جمال الدین اچی و شیخ احمد بن محمد قندھاری و شیخ علاء الدین خجندی و شیخ حسام الدین ملتانی بر ۱۵۲، آپ کے صاحب زادہ ابوالفتح رکن الدین۔ اور دیگر بے شمار حضرات۔

وصایائے حضرت

آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا

ترجمہ اے مومنین! اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو!

پڑھ کر فرمایا۔ کہ جب اللہ تعالٰے کسی بندے پر مہربان ہو تو اسے سعید لکھ کر ذکرِ دوام کی توفیق اس کی زبان سے اس طرح دیتا ہے کہ ذکر کرتے وقت اس کا دل بھی زبان کی موافقت کرتا ہے اور وہ (قلب) اس ذکر سے رقت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر زبان چپ ہو جائے تو دل خاموش نہیں ہوتا۔ یہ منزل اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب بندہ کثرت سے ذکر کرتا ہے اور کثرت ذکر کی طرف رجحان اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک نفاقِ خفی تک سے تبری (اجتناب) نہ کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَكْثَرُ مُنَافِقِي أُمَّتِي قُرَّاؤُهَا

میری امت میں ان منافقوں کی کثرت رہے گی جو زبان سے ذکر الٰہی کرتے رہتے ہیں .... اس سے رسول اللہ کا منشا بندے کا غیر اللہ کے ساتھ تعلق باطنی سے تھا۔

یعنی وہ ان اعمال سے کٹ جائے جو زائل نہ ہوں۔ پھر ان اعمال سے کنارہ کشی

اختیار کرے جو تعریف کے قابل نہ ہوں ۔

بعد ازیں ہر دو امور :۔ اپنے باطن کو مکروہ تخیلات سے بچائے رکھے ۔ تب امید ہے کہ اس کا باطن ذکر کے نور سے مجلّی ہو کر شیطانی وسوسوں اور نفسیاتی خواہشوں سے نجات حاصل کرے اور باطنی نور سے منور ہو کر خود پر ظاہر میں ذکر الٰہی کا مشاہدہ کر پائے ۔

یہ بہت بڑا مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کی وہ مہربانی ہے جس کے انتظار میں بڑے عالی مرتبہ لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر بیٹھے رہتے ہیں ۔ واللہ الموفق المعین ۔

وفات ۶۹ سال کی عمر میں ۲۳ ۔ ذوالحجہ ۸۴ھ کے روز ملاء الاعلیٰ سے ملاقات ہوئے ۔

۲۲۹ سلطان شہاب الدین ابن سام غوری

کنیت ابو المظفر ۔ لقب :۔ شہاب الدین ۔ نام ۔ محمد (ابن سام بن الحسین بن الحسن بن محمد بن العباس) غوری سلطان مجاہد فی سبیل اللہ الغازی ۔

مولد ۔ سرزمین غور وہیں سن رشد کو پہنچے ۔ مگر ان کے والد ان کے صغر سنی میں آسودۂ لحد ہو چکے تھے ۔ اور یہ اپنے عم بزرگوار علاء الدین کی سرپرستی میں علوم سے فارغ ہو گئے ۔ ان کے عم بزرگ ہی نے انہیں اپنے بیٹے غیاث الدین کے ہمراہ (غور سے) سنجہ بھیجا ۔ جہاں ان کا حسن اخلاق وسخاوت دیکھ کر عوام ان دونوں چچازاد بھائیوں کی محبت کے اسیر ہو گئے ۔

ان کے عم بزرگوار کے بعد ان کے عم زاد غیاث الدین اپنے باپ کے قائم مقام ہوئے اور جب سلطنت پر ان کی گرفت مضبوط ہو گئی تو اپنے ممدوح الصدر بھائی شہاب الدین کو ہمراہ لے کر غزنہ پر حملہ کر دیا ۔ جہاں غزنویوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ مگر شکست کھا گئے ۔ اس معرکہ میں شہاب الدین نے مخالف لشکر کے علمبردار کو قتل کر

کے خود علم سنبھالا اور بقیہ السیف دشمنوں کو قتل کرتا ہوا غزنہ میں وارد ہوا۔ جہاں اس نے عوام سے نہایت اچھا برتاؤ کیا اور عدل و انصاف قائم کر دیا۔

غزنہ سے کرمان ہندوستان پر پہلا حملہ اب وہ غزنہ سے کرمان کی طرف آیا اور کرمان کے ساتھ شنوران کو بھی زیر نگین کر کے دریائے سندھ سے اتر کر ہندوستان میں وارد ہوا۔ پشاور فتح کر کے اس پر اور اس کے نواحی قبائل پر اپنا علم گاڑ دیا یہاں سے ۵۷۹ھ/۱۱۸۲ میں

دوسرا حملہ: پھر وہ غزنہ کی طرف لوٹا اور بار دگر ایک لشکر جرار لے کر لاہور پر دھاوا بول دیا۔ اس وقفہ میں لاہور پر خسرو شاہ یا اس کے باپ خسرو ملک کی حکومت تھی۔ وہ شہر بند ہو کر اندر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنا سفیر بھیجا کہ وہ قبضہ کیے بغیر نہ رہے گا اگر تم از خود شہر ہمارے حوالے کر دو تو ہم نہ آپ سے متعرض ہوں گے نہ شہر کے باشندوں سے، اور نہ آپ کے اور ان کے مال و منال کو ہاتھ لگائیں گے۔ مگر لاہور کے مالک نے اسے تسلیم نہ کیا۔ آخر شہر کے باشندوں نے سمجھا کہ ہمارا سربراہ تو شہاب الدین کو ہٹا نہیں سکتے۔ ہم ناحق کیوں مریں۔ انھوں نے حملہ آور سے امان کی درخواست کی جس کی منظوری پر وہ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غوری فوجوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین کے بھائی غیاث الدین نے خسرو شاہ کے حاضر ہونے کا مطالبہ کیا۔ تو شہاب الدین نے اس کے بیٹے سمیت اسے پیش کر دیا۔ اس نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ قلعوں میں نظر بندی کا حکم دیا۔ اور شہاب الدین سے اپنے لیے خطبہ کا حکم اور اس کے لیے شہاب الدین معز الدین کا خطاب ارزانی فرمایا۔

لاہور سے واپسی:- یہاں اپنا قبضہ اور قانون جاری کرنے کے بعد شہاب الدین اپنے بھائی کے پاس غزنہ چلا گیا۔ جہاں سے ہراۃ روانہ ہوا اور اسے فتح کرنے کے بعد قوشنج، باذغیس و کالین و بیوار فتح کیے۔

اب غیاث الدین فیروز کوہ اور شہاب الدین غزنہ آ پہنچا۔ جہاں اس نے اپنے لشکر بہمیت کچھ دن تک آرام کیا۔

تیسرا حملہ پھر ہندوستان پر

وہ ۵۸۳ھ ۱۱۷۸ میں پھر ہندوستان آیا۔ بھٹنڈہ فتح کیا۔ جس کے بعد خطہ سرستی اور کھرام سر کیے یہ سن کر اجمیر کے راجہ پتھورا نے لشکرِ جرار فراہم کیا اور اپنے نائب کھانڈے راؤ کو ہمرکاب لے کر دہلی کی طرف آ کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد پہلے مسلمانوں کا میمنہ بھاگ اٹھا۔ پھر میسرہ کے قدم اکھڑ گئے یہ دیکھ کر شہاب الدین نیزہ سنبھالتا ہوا راجہ ہی کی سواری پر پل پڑا۔ ہاتھی کے بازو میں نیزہ گھونپ دیا۔ یہ دیکھ کر راجہ کے سپاہی آگے بڑھے اور شہاب الدین کے جسم میں نیزہ چبھو دیا۔ جس سے وہ گر پڑا اغازی کو اسی حالت میں دیکھ کر اس کے ساتھی اسے اٹھا کر رزم گاہ سے باہر لے آئے۔ لاہور پہنچے جب وہ اچھا ہو گیا تو ان غوری امرا کو دربار میں پیش کیا جو میدان سے بھاگ گئے تھے۔ ان کے منہ پر توبڑے چڑھا دیے جن میں جو بھرے ہوئے تھے۔ اور فرمایا تم امرا نہیں مویشی ہو۔ اور خود غزنہ برائے استراحت روانہ ہوا۔

چوتھا حملہ

سنہ ۵۸۸ھ ۱۱۹۴ میں پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ اس سفر میں اللہ سبحانہ نے اسے ایک بڑے ہندو راجہ پر فتح عطا فرمائی جس کا واقعہ بہت طویل ہے اور ہم نے وہ اپنی دوسری

کتاب حلقتہ المشرق میں پورا لکھ دیا ہے اور وہ پھر غزنہ روانہ ہوا۔

ہندوستان پر پانچواں حملہ

پھر ہندوستان کا قصد فرمایا۔ ۵۹۰ھ میں اٹاوہ پر چڑھائی کر دی۔ قنوج کا راجہ جے چند متعرض ہوا اور نہایت سخت معرکہ کے بعد جے چند مارا گیا۔

فتح بنارس شہاب الدین بنارس کی طرف بڑھا۔ حملہ کیا اور شہر فتح کر کے بت خانے ڈھا دیے۔

قلعہ علی گڑھ وہاں سے علی گڑھ کے قلعہ پر فتح پائی۔ اور اپنے غلام حضرت قطب الدین ایبک کو ہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر کے پھر غزنہ کا رخ فرمایا مگر کچھ مدت آرام کے بعد

۶۔ ویں مرتبہ ہندوستان پر حملہ کیا

۵۹۲ھ / ۱۱۹۵ میں پھر ہندوستان تشریف لائے اور متھرا کے قصبہ بیانہ کا قلعہ فتح کرنے کے بعد قلعہ گوالیار پر دھاوا بول دیا۔ تو یہاں کے سربراہوں نے تاوان پیش کرنے کے عوض میں نجات حاصل کر لی۔ اور وہ پھر غزنہ لوٹ گیا۔ جہاں ایک مدت تک خراسان کے معاملہ پر غور کرتا رہا۔

۷۔ ویں مرتبہ حملہ

۵۹۸ھ / ۱۲۰۱ میں پھر ہندوستان کا رخ فرمایا اور ہنود کو معرکتہ الآرا جنگ میں بھگا کر ان کا لشکر تہس نہس کرتا ہوا نہروالہ ضلع گجرات دکن پر حملہ کیا جسے بغیر لڑائی کے فتح کر لیا۔ نہروالہ کے ہنود نے ایک رقم خطیر کے بالعوض صلح کر لی۔ اور شہاب الدین پھر غزنہ لوٹ گیا۔

اسی دوران میں اس کا عم زاد برادر ۵۹۸ھ میں غیاث الدین طعمۂ اجل ہوگیا۔ تب وہ فیروز کوہ[1] کی طرف روانہ ہوا اور یہاں مرحوم کی عزاداری کے لیے قیام فرما ہوا۔ چند روز بعد عزاداری کے لیے اپنے بھائی کو مقرر کرکے خود خراسان فتح کرنے کی ادھیڑبن پر متوجہ ہوا۔

۸ مرتبہ ہندوستان کی طرف

مگر ۶۰۰ھ میں وہ خوارزم شاہ کو ہراۃ پر اپنا نائب مقرر کرکے پھر عازم ہندوستان آیا۔ اس اثنا میں اس کا ہمشیرزادہ الپ غازی راہی ملکِ عدم ہوا۔ جو خوارزم شاہ کے ساتھ ہراۃ پر نائب اول (یا دوم) تھا۔ شہاب الدین اس کی خبر وفات سن کر ہرات کی طرف لوٹا۔ تو اس کے نائب خوارزم شاہ نے مقام سوقرار پر جنگ جو لشکر لے کر اس کا استقبال کیا۔ دونوں میں سخت معرکہ ہوا۔ دوران جنگ خوارزم شاہ نے خطا کے چنگیزیوں سے امداد کی درخواست کی۔ تو وہ بھاگے ہوئے غوریوں کے مفتوحہ شہروں پر پل پڑے۔ شہاب الدین ۶۰۱ھ محاذ جنگ سے ہٹ کر صحرا اندخوی نامی میں چلا آیا۔ اس کے ہمراہ چند سپاہی تھے کیونکہ اس کے مسلمان سپاہی شکست سے دوچار ہو چکے تھے یہ خبر تمام ملک میں پھیل گئی کہ شہاب الدین لڑائی میں مارا گیا ہے۔ مگر وہ انہی چند سپاہیوں کو اپنی رکاب میں لے کر طالقان پہنچا۔

۹۔ واں حملہ: پھر غزنہ وارد ہوا۔ یہاں سے ۹۔ ویں مرتبہ ہندوستان کا رخ کیا اور تمام ممالک محروسہ میں اہل خطا سے غزوہ اور ان کے قتال کا اعلان فرما دیا تاکہ ان سے انتقام لیا جا سکے۔

---

[1] قلعہ است استوار میاں ہرات و غزنین۔ منتہی الادب ج ۲ ص ۱۱۵۸۔ (مترجم)

سلطان اسی امر کا ارادہ کر رہا تھا کہ سرزمین ہند میں قوم کھوکھر کی شورش کا یہ ذکر سنا کہ انہوں نے مار دھاڑ کر کے راستے روک رکھے ہیں۔ اور لاہور و ملتان پر قبضہ کرنے کے لیے کوچ کر دیا ہے۔ تب وہ ۶۰۲ ہجری میں ہندوستان آیا۔ فریقین میں سخت معرکہ ہوا۔ جس میں کھوکھر مغلوب ہوئے۔ مسلمان فوج نے ان کا مال و منال اس قدر لوٹا جس کی مثال سننے میں نہیں آسکی۔ اس خرخشہ سے یکسو ہو کر شہاب الدین خطا پر متوجہ ہوا۔ جس کے ساتھ ہی تیراہ بھی مدِ نظر تھا۔ اپنے غلام تاج الدین الدز کو حکم دیا کہ وہ ان مفسدوں کو روبراہ لائے کہ تیراہ کے ان شورہ پشتوں نے مسلمانوں کے بڑے شہروں پر ستم رانی شروع کر رکھی تھی۔

اس درشتگی سے متاثر ہو کر ان میں سے کچھ لوگ سلطان کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے۔ اسی اثنا میں وہ غزنہ چلا گیا۔ ادھر کھوکھر قوم نے اس (شہاب الدین) کو قتل کرنے کے لیے اپنا ایک فوجی دستہ متعین کر رکھا تھا۔

سلطان کے غزنہ کی طرف لوٹتے ہوئے اس کے ہمراہ بے حد زر و مال تھا۔ جسے وہ صفا پر حملہ کرنے کی غرض سے لشکرِ جرار فراہم کرنے کے لیے اپنے ہمراہ لیے جا رہا تھا۔ اسی حالت میں وہ مقام دمیک پر پہنچا جس سے قبل اس نے اپنی فوج کا ایک حصہ تو تیراہ کے ہندوستان سے الحاق کے لیے معین رکھا تھا۔ اور خراسانی سپاہیوں کو صفا پر حملہ کرنے کے لیے تیاری رکھنے کا حکم دے رکھا تھا۔ سلطان اپنے خیمے میں سو رہا تھا کہ باغیوں کا ایک ٹولہ پڑاؤ میں گھس آیا۔ جس نے پہلے تو چوکیدار کو قتل کیا۔ بعدہٗ شہاب الدین کو گہری نیند میں ڈوبا ہوا دیکھ کر چھریوں سے اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے ۲۲ کچوکے دیے۔

بادشاہ کے امرا اور متصدی مویدالملک وزیر کے پاس آئے اور سب نے حلف اٹھایا کہ وہ خزانہ اور سلطنت دونوں کی اس وقت تک حفاظت کریں گے جب تک مرحوم بادشاہ کا نائب زمام سلطنت سنبھال لے۔ انہوں نے مجروح بادشاہ کے زخم سیے۔ اور

اسے ایک پردے دار عماری میں نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے لے کر اس انداز سے روانہ ہوئے جس انداز سے بادشاہ کی زندگی میں اس کے یمین ولیسار میں ہم رکاب ہوتے۔

اخلاق وسیرت

سلطان بڑا جری تھا۔ مقابلہ کے وقت آگے بڑھ کر ہاتھ دکھاتا۔ اس نے بے شمار جنگیں لڑیں۔ رعایا میں عدل وانصاف کا علم گاڑ دیا۔ فصل مقدمات میں شریعت کو مقدم رکھتا۔ وہ ہفتے میں شنبہ سے لے کر سہ شنبہ تک ہر روز قاضی کے ہاں آتا۔ امیر حاجب وامیر داد وصاحب تربت اس کے ہم رکاب ہوتے۔ قاضی جو فیصلہ کرتا۔ اس کے ہمراہی یہ فیصلہ ہر صغیر وکبیر اور شریف وامیر پر نافذ کرتے۔ اگر کوئی فریق اس ہی سے انصاف کا طلب گار ہوتا تو حاضری کا شرف بخش کر اس کی روئداد سنتا اور مناسب حکم نافذ کرتا۔ اس کا فیصلہ شرح کے مطابق ہوتا۔ جو احسن انداز میں نافذ کیا جاتا۔ علما اس کے دربار میں تشریف لاتے تو یہ ان سے فقہی مسائل پر گفتگو کرتا۔ امام فخر الدین رازی مصنف تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتا (یہ مجلس امام کے دولت کدہ پر منعقد ہوتی)

ایک روز امام نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔ یا سلطان!

لا سلطانک یبقی ولا تلبیس الرازی

اے بادشاہ! تیری سلطانی اور میری تلبیس، دونوں کو دوام نہیں۔

یہ سن کر سلطان زار وزار رو دیا۔ جس پر دوسروں کو رحم آیا۔ وہ رقیق القلب اور ملک شافعی وحنفی کا پیرو تھا۔

یکم شعبان سنہ ۶۰۲ھ کے روز وفات پائی[1]

---

[1] تاریخ کامل (در متن)

۲۴۰۔ سید محمد بن شجاع مکی

م ۶۴۶ھ
۱۲۴۸ء

ابن ابراہیم بن قاسم بن زید بن جعفر ابن حمزہ بن ہارون ابن عقیل ابن اسماعیل بن الوالحسن ـــ علی المختار بن جعفر المشہور بالکذاب :۔ جمال الدین احمد نے اپنی کتاب عمدۃ الطالب میں علی المختار مذکور کے بیٹے اسمعیل کا نام نہیں لکھا [1]

معین بن شہاب جھولسوی نے اپنی تالیف منبع الانساب میں لکھا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں سنہ ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ء) میں پیدا ہوا اور ہندوستان وارد ہو کر بھکر کو اپنی قیام گاہ کا شرف بخشا۔ اس طرح کہ یہاں لق ودق صحرا تھا۔ اس نے یہاں پہ ایک گائے ذبح کی جس کے نام کی مناسبت سے اس مستقر کا نام بقر پڑ گیا جو لبعد میں بکر ہوا۔ (پھر بھکر ہو گیا)

تحفۃ الکرام میں مسطور ہے کہ وہ اس صحرا میں بکرہ (فجر) کے دوران میں داخل ہوا تو فرمایا جعل اللہ بکرتی فی البقعۃ المبارکۃ :۔ (خداوند کریم ہی یہاں بکرہ (فجر) کے وقت پہنچنا مبارک فرمائے)

اسی تقریب سے لبعد میں اسی مقام کا نام بکر پڑ گیا۔

ان کی اولاد تمام ہندوستان میں بکھری ہوئی ہے۔ ۶۴۶ھ (۱۲۴۸ء) انتقال فرمایا اور بھکر کے درمیان اسی مقام پہ ہی ان کی قبر ہے۔ جہاں ساتوں دریاؤں کا سنگھم ہے۔

رسالہ زیدیہ میں مرقوم ہے کہ ان کا انتقال سنہ ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں ہوا۔ مگر پہلی تاریخ وفات زیادہ صحیح ہے کہ اس کتاب کے مؤلف مرحوم کی صلب سے ہیں اور گھر کا فرد اپنے گھر کے حوادث کو بہتر سمجھتا ہے۔

---

[1] سید عبد الحئی صاحب

۲۳۱ - شیخ محمد بن الحسن نیشاپوری دہلوی

لقب : صدر الدین ۔ نام : محمد بن الحسن نظامی نیشاپوری دہلوی ۔ ادب عربی اور تاریخ و سیرت میں ممتاز الافاضل تھے ۔ نیشاپور مولد ہے ۔ وہاں ہی کے علمائے عہد سے پڑھا ۔ اور تکمیل کے بعد اس وقت غزنہ داخل ہوئے جب وہاں جنگوں کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے ۔ یہاں کچھ مدت تک قیام کے بعد عہد حضرت قطب الدین ایبک میں دہلی آگئے ۔ اور ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء میں ۴ سال کی مدت کے اندر کتاب تاج المآثر لکھی ۔ میں (مؤلف نزہتہ الخواطر) نہیں کہہ سکتا کہ ان کی یہ کتاب کسی اور کتاب کا تکملہ ہے یا مستقل تصنیف ۔ وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں واصل باللہ ہوئے ۔

۲۳۲ - قاضی محمد بن عطا ناگوری

از طبقہ علمائے عظام محمد بن عطاء البخاری الناگوری لقب حمید الدین ۔ ان کے والد سلطان شہاب الدین غوری کے دور میں ہندوستان تشریف لائے ۔ ناگور میں قضاۃ تفویض ہوئی اور یہیں آسودۂ لحد ہوئے ۔ ان کی رحلت کے بعد صاحب ترجمہ محمد اپنے باپ کے جانشین قرار پائے ۔ مگر جب تین سال کے بعد معزول کر دیے گئے تو بغداد روانہ ہوئے اور شیخ طریقت حضرت شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں ایک سال حاضر رہ کر اکتساب فرمایا ۔ جس کے بعد مدینہ منورہ آگئے ۔ یہاں ۴ ماہ قیام کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے ۔ حج سے مشرف ہوئے ایک سال اقامت کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے ۔ اور حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی سے بغداد میں ملاقات ہو چکی تھی ۔ ان کے حضور حاضر ہوئے ۔ دونوں میں محبت کے از دیاد سے آخر شیخ اوشی نے خرقہ چشتیہ عطا فرمایا ۔

چشتی ہونے کے ساتھ سماع ضرور سنا جاتا۔ انہوں نے اس بارے میں اور غلو کیا۔ تو علماء نے ان پر محاسبہ فرما کر سختی کا آغاز کر کے ان کی گمراہی کا فتویٰ جاری کر دیا۔ اور سلطان وقت کو ملک سے ان کے جلاوطن کرنے کی تحریک چلا دی جس سے دنیائے ہند ان پر تنگ ہو گئی۔ اتنے میں قاضی منہاج الدین جوزجانی عہدہ قضاۃ پر فائز ہوئے۔ یہ خود بھی سماع کے رسیا تھے۔ تب قاضی محمد مذکور کے خلاف فتنے کا غبار مدھم پڑا (سیر الاولیا در متن)

قاضی صاحب (محمد ناگوری) کی تصانیف میں لوائح ہے طوالع الشموس فی شرح اسماء الحسنیٰ دو جلدوں میں ہے۔ دہلی ہی میں ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء میں وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق اپنے شیخ حضرت اوشی (قطب الدین) کے قدموں میں دفن ہوئے۔ ماہ رمضان میں قیام وتر کے اندر سجدے میں گئے تو سر اٹھانے کو نوبت نہ آئی۔ (مہر جہاں تاب در متن)

۲۳۳۔ محمد بن علی حسینی بلگرامی

م ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ء

امام حسین کی اولاد سے تھے۔ شجرہ ہے محمد بن علی بن الحسین بن ابو الفرج ابن ابو الفراس الحسینی الواسطی بلگرامی مولد و منشا ہندوستان ہی ہے۔ بعد از بلوغ شیخ قطب الدین بختیار اوشی سے طریقت میں تربیت حاصل کی۔ ۶۱۴ھ / ۱۲۱۷ء میں اپنے اصحاب کے ہمراہ بلگرام پہنچے۔ اور یہاں پر کفار سے مقابلہ کی نوبت آ گئی۔ فریق مخالف کے سربراہ راجہ سری کو قتل کر کے بلگرام میں رہائش اختیار فرمائی۔ سلطان شمس الدین التمش سے وصول عشر کا فرمان عطا ہوا۔ ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا۔

آپ کا لقب صاحب الدعوۃ الصغریٰ تھا۔ مگر ثقل کی وجہ سے لفظ صغریٰ نام کا جزو (اور صاحب الدعوۃ محذوف ہو گیا)

آپ کی اولاد صالحہ کے اخلاف تا حال باقی ہیں۔ (ماثر الکرام در متن)

۲۲۴۔ خواجہ محمد بن عوض المستوفی دہلوی

م ۶۴۰ھ
۱۲۴۲ء

لقب نظام الملک مہذب الدین اور نام (خواجہ) محمد المستوفی (اپنے عہد میں ممتاز الافاضل تھے۔ سلطانہ رضیہ بیگم التمش نے آپ کو مسند وزارۃ پر متمکن مرحمت فرمایا۔ اس سے قبل وزیر نظام الملک قوام الدین محمد ابن ابو سعد جنیدی کے نائب تھے۔ سلطانہ رضیہ ممدوحہ نے انہیں اپنی طرف سے نظام الملک کا خطاب عنایت فرمایا اور سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے دور تک اسی منصب اور خطاب سے بہرہ مند رہے۔ سلطان علاء الدین نے آپ کو علی گڑھ کے گرد و نواح میں کئی مواضع جاگیر کے طور پر عطا فرمائے۔ انہوں نے اس خطہ میں غاصب ترکوں کے قبضے سے بے شمار شاہی املاک واگزار کرالی جس پر ترکوں نے جھلا کر انہیں قتل کر دیا۔ تاریخ وفات ۴ جمادی الاول ۶۴۰ھ ہے (طبقات ناصری در متن)

۲۲۵۔ قاآن الملک محمد بن غیاث الدین بلبن الشہید

م ۶۸۳ھ
۱۲۸۴ء

عدل و احسان میں بر سر روزگار اپنے باپ کی اولاد میں سب سے بڑے فرزند اور باپ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ بادشاہت ہی کے ماحول میں پروان چڑھے اور آداب شاہی سے مرصع ہوئے۔ علوم میں دسترس اور تفنن کا یہ عالم تھا کہ اس جہت سے بھی مرجع و مقصد عوام و خواص ہو گئے۔ حضرت امیر خسرو دہلوی و امیر حسن بن علاء سنجری اور بے شمار علمائے عصر دہلی سے ان کے ہمراہ ملتان چلے آئے۔ یہ وہ دور تھا جب ان کے والد نے انہیں ولایت سندھ کے سیاہ و سفید کا مختار بنا دیا۔

وہ آداب سلطنت میں اپنے والد ہی کے پیرو تھے۔ دو مرتبہ شیخ سعدی شیرازی کی

خدمت میں بیش قیمت تحائف بھجوائے۔ اور کئی مرتبہ یہ درخواست کی کہ اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو میں آپ کے لیے ملتان میں ایک خانقاہ تعمیر کرا کے جاگیر میں چند مواضعات کا قبالہ بھی پیش کر دوں۔ مگر حضرت سعدی نے ہر مرتبہ اپنی کبرسنی کا عذر کر کے بات گھما دی اور ان کے لیے اپنے کلام میں سے بہت سے لطائف و ظرائف لکھ کر بھجوائے اور نصیحت میں لکھا کہ (امیر) خسرو بن سیف الدین کو غنیمت سمجھو۔ اور ان کے وصایا پر عمل کرتے رہو۔

وہ اپنے باپ کی خدمت میں بیش بہا تحفے بھجواتا اور سال بھر میں ایک مرتبہ باپ کی قدم بوسی کے لیے دہلی حاضر ہوتا۔

فتنہ تاتار سے مقابلہ اور شہادت

ان کے دور میں چنگیزی تاتار ملتان کی تاک میں لگے رہتے اور جب کبھی ادھر کا رخ کرتے صاحب تذکرہ انہیں مار بھگا دیتے۔ مگر جب ہلاکو خاں کا پوتا ارغون بن اباق فارس میں برسر اقتدار ہوا تو اس نے اپنے امیر سلطنت تیمور خاں متعین بہ خراسان کو ہندوستان پر تاخت کا حکم دیا جس پر وہ بیس ہزار سواروں کا دل لے کر بڑھا اور لاہور و دیپال پور کے درمیانی خطہ کے لاتعداد افراد کو قتل کر کے بے شمار زر و مال سمیٹ کر ملتان کو بھی تختہ مشق بنانے کے لیے ادھر آ پہنچا۔ صاحب تذکرہ محمد نے سخت مقابلہ کے بعد اسے مار بھگایا۔ ان کے امرا میں سے بعض اشخاص تیمور خاں کے تعاقب میں بڑھتے گئے۔ اتنے میں محمد نے دیکھا کہ نماز ظہر قضا ہو رہی ہے۔ نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ تیمور خاں ابھی اس نواح میں گردش کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا تو اپنے سپاہیوں کو محمد پر پٹخا دیا۔ وہ نماز سے فارغ ہو چکا تھا۔ تلوار سونت کر کافروں سے مقابلہ پر اتر آیا۔ اور غالب آنے کے قریب تھا کہ نہ معلوم جہت سے ایسا تیر آیا جس نے لمحہ بھر میں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

وہ بہت بڑا شجاع اور بارعب جنگجو تھا۔ سخاوت میں بے بدل۔ اہل علم کا قدردان

اور شعر گوئی میں ماہر ہونے کے علاوہ بیشتر علوم و فنون میں فرد یگانہ تھا۔ حضرت امیر خسرو نے اس کا مرثیہ ان شعروں میں لکھا ہے۔

تا چہ ساعت بد کہ شاہ از مولتاں لشکر کشید
تیغ کافر کش برائے کشتن کافر کشید

آں چہ حاضر بود لشکر لشکرے دیگرے نجست
زاں کہ رستم را نشاید منت لشکر کشید!

چوں خبر کردند ش از دشمن بداں قوت کہ داشت
بے محابا خشم در سر کرد و رایت بر کشید

یک کشش از مولتانش تا بلاہور اوفتاد
یعنی اندر عہد من کافر تواند سر کشید

من نہ آں شیرم کہ شمشیر چو آب واشتم
از کشش ہر سال شاں در خاک و خاکستر کشید

آں چناں رنگین کنم امسال خاک از خون شاں
کز زمیں باید شفق را گونہ احمر کشید

او دریں تدبیر و آگہ نہ کہ تقدیر فلک
صفحہ تدبیر را خط مثبت در کشید

بے فرخ بود آں قیامت را معین دیدہ ام
گر قیامت را نشان اینست پس من دیدہ ام

جمعہ بود و سلخ ذی حجہ کہ بود آں کارزار!
آخر ہشتاد و سہ آغاز ہشتاد و چہار!

وہ یوم جمعہ ماہ ذی الحجہ کی آخری شب ۶۸۳ھ میں شہید ہوئے (منتخب التاریخ در متن)

۲۳۶ - عماد الدین محمد بن محمد دہلوی

م ــــــ

لقب عماد الدین - نسب سولہ واسطوں سے حسن المثنیٰ تک پہنچتا ہے۔ فضل و تقویٰ میں معروف تھے، جمال الدین احمد داؤدی نے عمدۃ الطالب میں لکھا ہے کہ انہوں نے خراسان کا سفر کیا - وہاں سے دہلی تشریف لائے اور یہیں طرح وطن ڈال دی - ان کے اخلاف بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔

۲۳۷ - محمد ابن کشلی خاں دہلوی

سلطان غیاث الدین بلبن کے برادر زادہ اور پاسبان - لقب ہے علاء الدین والد کا نام اعز الدین ــــــ اور مشہور ہیں جود و سخا میں اس حد کمال تک کہ ان کے معاصرین میں کوئی دوسرا اس باب میں ان کا نظیر نہ تھا - سائل عراق سے آتے - عرب سے شد رحال فرماتے - مصر و شام و ختن سے سفر کرتے اور ان کے دست جود سے مالا مال ہو کر لوٹتے بعض اوقات اپنا چھوٹا بڑا اثاثہ تک بخش کر اپنے نفس کے لیے تن کے کپڑا کے سوا کچھ نہ تھا۔ (تاریخ فیروز شاہی در متن)

۲۳۸ - محمد بن المامون لاہوری

م ۶۰۳ھ / ۱۲۰۶ء

عالم یگانہ ابو عبد اللہ محمد ابن المامون بن الرشید ابن ہبۃ اللہ المطوعی الاہوری - وطن سے حصول علم کے لیے نکلے - خراسان میں فقہ شافعیہ پڑھی - نیشاپور میں ابو بکر شیرازی اور ابو النصر قشیری کے تلامذہ کے درس میں سماعت کے بعد بغداد میں ایک مدت قیام فرمایا۔

جہاں ایک کتاب قلمبند فرمائی۔

اس سفر کے آخری لمحات میں شہر آذربائیجان میں وارد ہوئے اور وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جس کی پاداش میں ملاحدہ کے ہاتھ سے ۱۲۰۶/۶۰۳ھ میں قتل ہو گئے۔ معجم البلدان (در متن)

۲۳۹۔ بدر الدین محمد ابن محمد بھکری السندھی

از ۶۲۰ھ/۱۲۲۲ تا ۶۸۰ھ/۱۲۸۱

لقب بدر الدین ہے اور نسب محمد بن محمد بن محمد بن شجاع ابن ابراہیم الحسینی البھکری السندھی ہے۔ ۲۵ شعبان پنجشنبہ ۶۲۰ھ/۱۲۲۲ کے روز بھکر میں پیدا ہوئے وہیں پروان چڑھے۔ اپنے والد سے پڑھا اور ان کی رحلت کے بعد اپنی دونوں بہنیں زہرہ و فاطمہ یکے بعد دیگرے سید جلال الدین حسین بن علی الحسینی البخاری کے حبالۂ عقد میں منسلک کیں۔ ان کے صاحب زادہ علی (بن محمد) اپنے والد کی وفات کے بعد بھکر سے جھونسی منتقل ہو گئے۔ بھکر میں ان کے اخلاف کا حلقہ وسیع تھا (منبع الانساب در متن)

۲۴۰۔ حضرت عوفی مصنف کتاب جوامع الحکایات

م ۔ سنہ

لقب :۔ نور الدین

نام :۔ محمد

نسب :۔ محمد ابن محمد ابن یحیٰی ابن طاہر ابن عثمان العوفی الحنفی البخاری از دودمان حضرت عبد الرحمٰن بن عوف مہاجر مکی المدنی یکے از عشرہ مبشرہ۔ اسی نسبت (عوف) سے عوفی کہلائے۔

مولد و مسکن شہر بخارا۔

آپ کے اساتذہ ہیں ——— (۱) تاج الدین عمر بن مسعود ابن احمد البخاری۔

(۲) رکن الدین مسعود ابن محمد "امام زادہ" م ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء۔

(۳) مولانا قطب الدین سرخسی وغیرہ مشہور علمائے شہر بخارا و ملحقات بخارا۔

یہاں سے فراغ کے بعد مندرجہ ذیل شہروں کے شیوخ علم و فن سے استفادہ کیا۔

۱ ۔ سمرقند۔

۲ ۔ آموی

۳ ۔ خوارزم

۴ ۔ مرو

۵ ۔ نیشاپور

۶ ۔ ہرات

۷ ۔ اسفزار

۸ ۔ اسفرائن

۹ ۔ شہر نور

۱۰ ۔ سجستان

۱۱ ۔ غزنہ

۱۲ غزنہ

۱۳ لاھور

۱۴ کھمبائیت گجرات دکن

۱۵ نہروالہ

۱۶ دہلی اور اس ملک میں شیخ مجد الدین شرف بن المؤید البغدادی و شرف الدین محمد بن ابوبکر

نسفی و علاء الدین شیخ الاسلام الحارثی وشیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری اور دیگر بے شمار علمائے علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔

قزوینی نے عوفی کی تصنیف لباب الالباب کے تکملہ میں لکھا ہے کہ:۔

وہ ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء میں بخارا سے سمرقند آئے اور نصرۃ الدین عثمان بن ابراہیم کے عہد میں اول الذکر سے قرب حاصل کر کے ان کے والد کی تجویز سے شاہی دیوان انشاء (مواصلات) کے میر منشی مقرر ہوئے۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد خراسان چل پڑے اور ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء میں نساء (دلبستی) میں آپہنچے یہاں سے ۶۰۴ ہجری میں نیشاپور اور وہاں سے ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں اسفراز آکر دم لیا۔

خراسان انہوں نے فتنۂ تاتار میں چھوڑا اور سندھ تشریف لائے۔ یہاں کے بادشاہ سلطان ناصر الدین قباچہ سے تقرب حاصل ہوا۔ ان کے ہاں ۶۲۵ھ/۱۲۲۷ء تک قیام فرمایا اور وزیر سلطنت عین الملک فخر الدین حسین بن ابوبکر اشعری کے لیے کتاب لباب الالباب قلم بند فرمائی۔ اور جب قباچہ (ناصر الدین) کی بادشاہت سلطان الہند شمس الدین التمش دہلوی کے زیر نگیں ہوگئی تو حضرت عوفی نے ان کے وزیر قوام الدین محمد بن ابوسعد جنیدی سے رشتہ مودت قائم کر لیا۔ اور ان کے لیے غالباً ۶۳۰ھ/۱۲۳۱ء میں کتاب جوامع الحکایات تصنیف فرمائی۔

ان دو کتابوں کے سوا حضرت عوفی نے کتاب "الفرج بعد الشدۃ" مصنفہ قاضی ابو علی المحسن علی بن محمد بن داؤد تنوخی م ۳۸۴ھ/۹۹۵ء کا ترجمہ کیا۔ جس کا تذکرہ جناب مترجم نے جوامع الحکایات میں اپنے قلم سے فرمایا۔

علامہ چلپی نے اپنی معروف کتاب (دائرۃ الکتب مترجم) "کشف الظنون" میں جوامع الحکایات کے ذیل میں لکھا ہے کہ

علامہ احمد بن محمد المعروف ابن عرب شاہ حنفی م ۸۵۴ھ/۱۴۵۰ء جس زمانے میں ترکی کے

بادشاہ سلطان مراد خان ثانی کے معلم تھے۔ ان کے لیے جوامع الحکایات کا ترجمہ ترکی میں کیا۔

جس کی نقل مولانا نجاتی شاعر م ۵۱۴ھ / ۱۱۲۰ء شہزادہ سلطان محمد خان اور مولیٰ صالح ابن جلال م ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء نے سلطان بایزید بن سلیمان خاں نے کی ہے۔

انتخاب جوامع الحکایات

محمد ابن اسعد بن عبد اللہ تستری حنفی نے اس کتاب کو چار قسموں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر ایک قسم میں ۲۵ ۔ باب رکھے۔

وفات:۔ عوفی نے زمانہ سلطان ناصر الدین محمود بن التمش میں انتقال فرمایا۔ مگر ان کی تاریخ وفات تک رسائی نہ ہو سکی۔

۲۴۱۔ صدر الدین محمد بن محمد بھکری سندھی

از ۶۰۹ھ تا ۶۶۹ھ

صدر الدین لقب اور محمد نام ہے۔ نسب ہے محمد بن محمد ابن شجاع بن ابراہیم ابن قاسم ابن زید ابن جعفر حسینی! خطیب اور شہر بھکر کے اکابر علما کی صنف میں تھے۔ مولد بھکر اور تاریخ ولادت ۱۰ رجب ۶۰۹ھ / ۱۲۱۲ء ہے۔ وہیں پروان چڑھے اور وہیں پابند ازدواج ہوئے۔ ہندوستان بھر میں ان کے اخلاف پھیل گئے۔ ۲۱ محرم ۶۶۹ھ کے روز آسودۂ لحد ہوئے۔

قبر قلعہ بھکر میں ہے [۱]

---

[۱] منبع الانساب (در متن)

۲۴۲- شیخ الاسلام جمال الدین محمد بن بسطامی

م ۶۵۷ھ / ۱۲۵۸ء

علم واصلاح حال میں ممتاز اقران تھے۔ ۶۵۳ھ ۱۳ ماہ رجب کے روز دارالسلطنت دہلی میں منصب، شیخ الاسلام پر بعہد سلطان ناصر الدین محمود التمش فائز ہوئے اور اسی بادشاہ کے عہدِ حکومت میں جمعہ کے روز ۶ر جمادی الثانی ۶۵۷ھ / ۱۲۵۸ء کو دہلی میں وفات پائی (طبقات ناصری (درمتن)

۲۴۳- عماد الدین محمد شقور قانی دہلوی

م ۶۴۶ھ / ۱۲۴۸ء

لقب عماد الدین۔ ہندوستان کے مشہور فقہا سے تھے۔ ۶۳۹ھ ۴۔ ماہ ذوالحجہ کے روز بزمانہ سلطان مسعود شاہ عہدہ قضاۃ پر فائز ہوئے۔ اور کسی تہمت پر جمعہ ماہ ذوالحجہ ۶۴۶ھ / ۱۲۴۸ء میں اس منصب سے ہٹا دیے گئے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں بدایوں تشریف لے گئے تو عماد الدین ریحان حاجب کے حکم سے بیوم دوشنبہ ۱۲ ذوالحجہ ۶۴۶ھ / ۱۲۴۸ء میں قتل کرا دیے گئے[1] (طبقات ناصری درمتن)

۲۴۴- شیخ محمد ترکمانی

م ۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء

بزرگ ومحترم محمد ابن محمد ترکمانی علم وفن میں معروف، شیخ عثمان ہارونی کے مرید ہندوستان آکر قصبۂ نارنول کو اپنی اقامت گاہ کی عزت بخشی۔ بے شمار ہندوان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے جس پر اربابِ زنار نے خفگی میں انہیں شہید کر دیا (خزینۃ الاصفیاء درمتن)

۲۴۵ - ناصر الدین محمود ترکمانی دہلوی

م ۶۳۶ھ / ۱۲۳۸ء

عالم دین بادشاہ ناصر الدین محمود بن التمش ابن ایلم خاں الاکبری الترکمانی دہلوی اپنے باپ کے بڑے فرزند تھے وہ ان سے بڑی محبت سے پیش آتا کہ علم و دانش اور سخاوت و شجاعت ہر ایک خوبی میں ممتاز تھا۔ والد نے ہانسی اسے جاگیر میں عطا فرمائی۔ اور وہ یہاں آکر مقیم ہو گیا۔ ۶۲۳ھ / ۱۲۲۵ء میں اسے سرزمین اودھ کی سربراہی سے ممتاز فرمایا تو یہاں طرح اقامت ڈال دی۔

۶۲۴ھ / ۱۲۲۷ء میں باپ کے حکم سے بنگال پر حملہ کیا۔ جہاں سلطان غیاث الدین عوض بن الحسین مسلط تھا اسے قتل کر کے اپنے باپ سے خلعت فاخرہ حاصل کی اور آج سے اس کا صحیح جانشین قرار پایا لیکن اجل تاک میں تھی۔ ۶۲۶ھ / ۱۲۲۸ء میں بنگال ہی میں آسودہ لحد ہوا۔ اس کے باپ نے بہت غم کھایا اور جب اس کے بعد دوسرا بیٹا پیدا ہوا تو سلطان التمش نے اس کا نام بھی وہی رکھا (طبقات ناصری در متن)

۲۴۶ ناصر الدین محمود بن سلطان غیاث الدین بلبن دہلوی

سلطنت ملکی اور علمی دولتوں سے بہرہ مند۔ بادشاہت کی مہد میں پروان چڑھا اور اپنے باپ کی زندگی میں آداب سلطنت پر حاوی ہو گیا۔ ۶۷۸ھ / ۱۲۷۹ء کے بعد سلطان غیاث الدین نے اسے بنگال کی حکومت تفویض فرما دی۔ جب سلطان غیاث الدین نے ۶۸۶ھ میں عدم آباد کی راہ لی تو اس کی جگہ ناصر الدین کا بیٹا معز الدین دہلی پر متمکن ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ کے خلاف طرح جنگ ڈال دی۔ جب دونوں لشکر دریائے گنگا کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے ہوئے تو ناصر الدین (باپ) نے اپنے مقابل بیٹے معز الدین

کی ترکِ بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور یہاں سے بنگال کی طرف لوٹ گیا[1]۔ اس صلح کا نام "قران السعدین" مشہور ہو گیا۔ حتیٰ کہ حضرت امیر خسرو مرحوم نے اس عنوان (قران السعدین) سے دونوں کے مقابلہ پر کتاب لکھی۔

ناصر الدین کا انتقال ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء میں بنگال ہی میں ہوا (خلبتہ المشرق در متن)

۲۴۷۔ ناصر الدین محمود بن التمش

م ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء

باپ کے سب سے چھوٹے نورِ نظر۔ مگر مراتب میں اپنے تمام بڑے بھائیوں سے برتر تھے۔ ان کی زندگی خلفائے راشدین کا نمونہ تھی۔ صلاح و تقویٰ میں درجۂ کمال حاصل تھا جب وہ اپنے بھائی علاء الدین مسعود کے بعد ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء میں برسر اقتدار آئے تو اعلان فرما دیا۔ کہ مظلوم آئیں میں ان کی دادرسی کروں گا۔ ان کا عدل و احسان ضرب المثل ہو گیا۔ علمی برتری کے ساتھ تقویٰ و عبادت میں بھی فائق تھے۔ مزاج میں حلم اور نرمی سمو دی گئی تھی۔ اپنے لیئے ہر شے میں تقلیل اور دوسروں کے لیے ہر حال میں خیرات و احسان پر مائل رہتے۔ حیا کا اس قدر غلبہ تھا کہ اپنی منکوحہ کے سامنے بھی ۔۔۔۔۔ نہ ہوتے۔

ادب و شعر اور کتابت پر متوجہ رہتے۔ انہوں نے ان دونوں امور سے عدل و احسان اور دوسروں کے کام آنے کا سبق حاصل کیا۔ حتیٰ کہ اس انداز سے اپنی زندگی کے بیس ۲۰ سال بسر کر دیے۔

سال بھر میں قرآن مجید کے دو نسخے لکھتے اور انہی کے ہدیہ سے بسر اوقات کرتے۔ ایک مرتبہ ان کی بیگم نے مطبخ کے لیے کسی کنیز کی فرمائش کی تو صاف انکار کر دیا۔

---

[1] خواجہ حسن نظامی نے یہ واقعہ نظامی بانسری میں تفصیل سے لکھا ہے۔ (مترجم)

دوران املائے قرآن مجید میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور ان کے لکھے ہوئے ایک لفظ کی شکل وصورت پر نقص نکالا۔ تو وہ لفظ ان کے کہنے کے مطابق بنا دیا۔ مگر جب وہ شخص چلا گیا تو وہی لفظ اس کی بتائی ہوئی شکل مٹا کر پہلی صورت میں لکھ دیا حضار میں سے ایک صاحب نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ آداب کتابت کے مطابق میرا پہلا لفظ صحیح تھا مگر معترض کی دل شکنی نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کہا کر دیا (تاریخ فرشتہ)

۲۴۸ - محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی دہلوی

م ۶۸۷ھ
۱۲۸۸ء

امام العالم المحدث : لقب : برہان الدین : کنیت : ابوالخیر اسعد۔

ذکاوت وفہم کی رسائی میں مشہور۔ اس زمانے میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ نحو، لغت، فقہ اور حدیث میں درجہ کمال حاصل ہونے کے ساتھ علوم حکمیہ میں بھی فائق اقران تھے۔

اساتذہ : ۔ فقہ میں صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی اور حدیث میں امام حسن صاغانی لاہوری مصنف مشارق الانوار ہیں۔

جب ہندوستان میں طرح اقامت ڈال لی تو امرا و بادشاہ ان کو گھیرے رہتے۔ سلطان غیاث الدین بلبن ہر جمعہ کی نماز کے بعد حاضر ہو کر آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتا۔ شعر وسخن میں بھی ملکہ تھا۔ مگر سماع کے شوق پر فرماتا کہ قیامت کے روز بھی میں ہر صبح کو سماع کی درخواست کروں گا۔

اپنی نوعمری کے ایک سفر کے متعلق فرماتے ہیں، میں سات سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمرکاب تھا کہ علامہ برہان الدین مرغینانی (مولف ہدایہ) کی سواری گذری۔ ممدوح نے مجھے غور سے دیکھ کر فرمایا کہ یہ لڑکا علم میں بے مثل ہوگا۔ کچھ دور ان کے ہمرکاب ہوا

تو فرمایا کہ یہ ایسا بارعب ہوگا کہ امرا اور بادشاہ اس کی مجلس میں حاضر ہوں گے۔ دہلی میں انتقال ہوا اور حوض شمسی کے قریب دفن ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیا در متن)

۲۴۹۔ بابا شکر گنج پاک پٹن والے

حضرت فرید الدین مسعود اجودھنی (پاک پٹنوی)

م ۶۶۴ھ
۱۲۶۵ء

فرید الدین لقب ——— مسعود نام ——— اور ولدیت ہے سلیمان د ابن شعیب بن احمد بن یوسف ابن محمد بن فرخ شاہ عمری) فرقہ چشتیہ کے مشہور ولی زمانہ تھے۔ آپ کے دادا حضرت شعیب فتنۂ تاتار کے زمانہ میں ہندوستان تشریف لائے۔ آپ عالم فقہ و حدیث تھے۔ ملتان کے نواحی قریہ کھتوال میں عہدہ قضاۃ پر فائز ہوئے۔ اور اسے حسن تدبیر سے پورا کر دکھایا۔

مولد و ولادت شیخ: حضرت فرید الدین کے مولد ہونے کا فخر اسی قریہ کھتوال کو حاصل ہے۔ سن ولادت ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء ہے۔ اوائل سن ہی میں اپنے مولد سے ملتان تشریف لائے اور پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔

اساتذہ: مولانا منہاج الدین ترمذی سے کتاب نافع پڑھی۔ ان دنوں یہاں حضرت قطب الدین بختیار اوشی تشریف فرما تھے۔ ۵۸۴ھ / ۱۱۸۸ء میں ان کے ہم رکاب دہلی آگئے اور مدتوں ان کی خدمت میں حاضر باش رہ کر طریقت کا درس لیتے رہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب حضرت فرید الدین نے ممدوح سے چلہ کشی اور ریاضت کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے علوم دین میں ملکہ حاصل کر لو! جس پر آپ قندھار تشریف لے گئے اور مسلسل پانچ سال تک پڑھتے رہے۔

یہاں سے روانہ ہوئے تو شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی۔ شیخ سیف الدین

باخرزی اور شیخ سعدالدین حموی اور شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی واکثر ہم سے استفادہ فرمایا۔
اب دہلی وارد ہوئے اور حضرت شیخ قطب الدین اوشی مذکور کی خدمت میں حاضری دی۔
تو غالباً ان کے (ارشاد پر) شہر ہانسی تشریف فرما ہوئے۔ جہاں ۱۲ سال تک مجاہدہ و
ریاضت میں منہمک رہے۔ جس کے بعد آپ سے عجیب و غریب خوارق و تصرفات کا
ظہور ہوا۔ یہ دیکھ کر عوام ہر طرف سے امنڈھ آئے۔ تب آپ ہانسی سے اپنے مولد
قریہ کھتوال تشریف لے آئے۔

کچھ مدت تو ایسے ہی گذری مگر جب لوگ ان کے احوال و دارات سے مطلع ہوئے
تو ہر طرف سے ہجوم اُبھر آیا۔ جس سے گھبرا کر آپ نے پاک پٹن کو اپنے قدوم میمنت
لزوم سے عزت بخشی۔ یہاں ارادت مندوں اور سالکوں کی تربیت شروع فرمادی۔

حضرت ممدوح اولیاء اکابرین سے تھے اور کرامات و خوارق تو موج در موج اٹھتے
اب جذب باطن نے اور بھی رنگ دکھایا۔ ہر سمت یہی چرچے تھے۔ یہ تذکار سینہ بسینہ
اور اوراق کے صفحوں پر منقش ہوتے چلے گئے۔

مریدین:- (۱) حضرت سلطان الاولیاء شاہ نظام الدین دہلوی (۲) حضرت علاءالدین علی صابر کلیری (۳) شیخ جمال الدین ہانسوی۔ (۴) اور شیخ محمد اسحاق دہلوی۔

حضرت سلطان الاولیاء نے آپ سے قرآن مجید کے چھ پارے اور کتاب العوارف
کا کچھ حصہ سبقاً پڑھا اور شیخ ابوالشکور سالمی نے کتاب التمہید پڑھی۔

وصایا آں مرشد

۱۔ اللہ رب العالمین کو شرم آتی ہے کہ جو شخص دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کے حضور سوال
کرے اور وہ اس کی یہ درخواست رد کر دے۔

۲۔ صوفی کے لیے ہر ایک شے اس حد تک مصفیٰ ہے کہ اسے کوئی چیز مکدر

نہیں کر سکتی۔

۳۔ صوفی وہ ہے جو حاصل شدہ شے پر اکتفا کرے اور مفقود کے پیچھے بالکل ہی نہ پڑے۔

۴ اگر تمہیں کمال کی ضرورت ہے تو بادشاہوں کے امرا کی دربانی نہ کرو۔

۵ سب سے زیادہ کمینہ شخص وہ ہے جو خود کو لباس و طعام پر لگائے رکھے۔

۶ بادشاہ وقت کی طرف ایک ضرورت مند کے لیے ان لفظوں میں سفارش لکھی۔

پہلے تو میں نے یہ درخواست اللہ کے حضور لکھی ہے پھر تمہاری طرف!
اگر تم سائل کو کچھ عطا فرما دو تو معطی اللہ ہے اور تم شکریہ کے حق دار ہو
اگر ایسا نہ کرو تو مانع اللہ ہے اور تم معذور ہو۔

تصنیف:۔ عوارف المعارف پر آپ کے کچھ حواشی ہیں جیسا کہ صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے۔ آپ نے ۹۵ سال کی عمر میں ۶۶۴ھ وفات پائی (سیر الاولیاء در متن)

۲۵۰۔ علاؤالدین مسعود دہلوی

سلطان عدل گستر، نام مسعود اور لقب علاء الدین۔ والد کا نام فیروز بن التمش ترکمانی ۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء میں اپنے عم بزرگوار معز الدین بہرام شاہ کے بعد زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ عوام کو انصاف اور عطایات سے اپنا معتقد کر لیا۔ اپنے دونوں اعمام (۱) جلال الدین مسعود — (۲) ناصر الدین محمود کو قنوج اور بہرائچ پر اپنا نائب مقرر کر دیا۔ ہنود اور مغل تاتار سے مسلسل جنگیں کرتا اور عالی شان فتوحات سے سرفراز ہوتا رہا۔

صاحب طبقات ناصری نے لکھا ہے کہ وہ "عادل، سخی، فیاض اور با مروت و خلیق تھا۔

آخر عمر میں عبادت اور گوشہ نشینی پر مائل ہو گیا۔ جسے دیکھ کر اس کے امرا ایک طرف

ہو کر اس کے عم ناصر الدین محمود کو لے آئے اور اس سے زمام حکومت ناصر الدین محمود کو دلوادی۔ یہ واقعہ سنہ ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء ۲۳ محرم کا ہے۔

۲۵۱۔ مولانا منہاج الدین ترمذی الملتانی

اصول و فقہ میں ممتاز الاقران تھے۔ ملتان میں بساط تدریس بچھائی۔ آپ سے بابا فرید گنج شکر نے فقہ میں کتاب النافع پڑھی۔

حرف "ن"

٢٥٢- سلطان ناصر الدین قباچہ المعزی

م ٦٢٥ھ / ١٢٢٧ء

بادشاہ عدل گستر، جو سلطان شہاب الدین غوری کا غلام تھا۔ برسوں اپنے آقا کی خدمت میں رہا۔ اس کے دشمنوں سے جنگیں لڑیں اور سلطان نے اسے سندھ کی سربراہی بخش دی تو اس نے ساحلی شہر فتح کیے اور لاہور کو تو کئی مرتبہ سرنگوں کیا یہاں مفید اصلاحات جاری کیں اور رعایا کے ساتھ بہت اچھے سلوک کیے۔

٦٢١ھ / ١٢٢٤ء میں جلال الدین خوارزم شاہ کے ساتھ جنگ کی۔ ٦٢٢ھ / ١٢٢٥ء میں خلجی سے نبرد آزما ہوا اور دونوں پر غالب آیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے حبالہ عقد میں منسلک کر دیں۔ تاج الدین الدز نے بھی انہیں اس عزت سے سرفراز فرمایا۔

الدز کی رحلت کے بعد علاء الدین بہرام شاہ پسر حضرت قطب الدین ایبک ان کا ولی عہد اور اس کا وزیر عین الملک فخر الدین الحسین بن ابوبکر اشعری وزیر قرار پائے۔ حضرت قباچہ نامور سخی تھا۔ سادات اور عام اشراف حاجت روائی کے لیے

حاضر ہوتے۔ ان کی دست گیری کرتا۔ علمائے عراق و خراسان و غور و غزنہ اپنی ضرورتیں لے کر آتے اور یہ پوری کرتا۔

اس کا عہد نہایت احسن اور روشن تھا۔ یہی لیل و نہار تھے کہ ۶۲۵ھ ۱۲۲۷ء میں سلطان شمس الدین التمش نے اس کے مقبوضہ شہر اچ پر حملہ کیا تو یہ قلعہ بھکر میں منتقل ہو گیا۔ التمش نے اپنے وزیر نظام الملک قوام الدین محمد بن ابوسعد جنیدی کو لشکر دے کر بھیجا۔ جس نے قلعہ بھکر کا محاصرہ کر لیا اور شمس الدین نے اچ کو سرنگوں کر لیا۔ تب اس نے اپنے بیٹے بہرام شاہ کو بیش قیمت سامان دے کر التمش کی خدمت میں بھیجا۔ مگر بھکر نظام الملک نے فتح کر لیا۔ اور سلطان قباچہ دریائے سندھ میں ڈوب کر راہی ملک بقا ہوا (طبقات ناصری در متن)

۲۵۳- نجم الدین الصغریٰ

عالم فقہ اور ہندوستان کے مشہور اعلام میں سے تھے۔ بعہد شمس الدین التمش دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب سے سرفراز ہوئے اور اسی کے دور میں وفات ہوئی۔ ان کی قبر شیخ برہان الدین محمود بلخی کی قبر کے پاس ہے۔

۲۵۴- شیخ نجیب الدین المتوکل دہلوی

۹ ماہ رمضان ۶۷۹ھ

زاہد و فقیہہ نجیب الدین ابن سلیمان ابن شعیب العادی العمری دہلوی المشہور بہ متوکل۔ علمائے ربانی میں سے تھے۔

ہندوستان مسقط الراس ہے۔ یہیں سن رشد کو پہنچے۔ اور اپنی ہی صنف کے ممتاز و برتر شیخ حضرت بابا فرید شکر گنج سے اکتساب فرمایا۔ پھر دہلی تشریف لے آئے اور یہیں آسودۂ لحد ہوئے۔

مرحوم بڑے پارسا۔ صابر تھے وہ تھوڑی سی شے پر قناعت کر لیتے۔ رؤسا اور بادشاہوں کے دروازوں پر کبھی نہ گئے [1]

۲۵۵- شیخ نجیب الدین الفردوسی الدہلوی

شیخ صالح نجیب الدین ابن عماد الدین ——— ہندوستان میں ممتاز الاقران سے

---

[1] سیر الاولیاء (در متن)

تھے۔ اپنے عم محترم حضرت رکن الدین فردوسی سے پڑھا۔ اور برسوں ان کی خدمت میں گزارے۔ آخر خود بھی سند ارشاد و دعوۃ کو زینت بخشی۔

صاحب وجد و حال تھے اور یہ فیضان حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری سے حاصل ہوا۔

دہلی میں وفات پائی۔ ایک صاحب نے ان کا مادۂ تاریخ وفات لفظ اخص سے نکالا۔

۲۵۶۔ قاضی نصیر الدین دہلوی

مشہور بہ کاسہ لیس عالم اجل عہد شمس الدین التمش میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے (طبقات جوزجانی)

۲۵۷۔ ابو المؤید نظام الدین غزنوی دہلوی

م ۹۷۲ھ

مرد معمر نظام الدین ابن جمال الدین بن جلال الدین ابن تاج الاولیاء بن شمس العارفین عبد الرحمن از غزنوی ——— حضرت ابو عبیدۃ الجراح قرشی از عشرہ مبشرہ کے اخلاف سے تھے۔ مولد و مسکن شہر غزنہ تھا۔ اپنے والد اور ماموں نور الدین سے پڑھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شیخ عبد الواحد ابن شہاب الدین احمد غزنوی کا زمانہ پایا۔ اور ان سے اکتساب بھی فرمایا۔ شیخ ممدوح ان کے ماموں مذکور کے بھی استاد تھے۔ اب وہ دہلی تشریف لے آئے اور مشہور شیخ طریقت قطب الدین اوشی سے اکتساب فیض کا موقعہ ملا۔ وعظ و تذکیر کے اثرات میں ان کا نظیر ڈھونڈے سے بھی نہ مل پایا۔

حضرت حسن بن علاء سجزی نے فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں ایک مرتبہ نظام الدین کے وعظ میں شریک ہوا۔ انہوں نے مسجد کے دروازے پر نعلین اتار کر ہاتھ میں لیے اندر در آئے۔ اور سکون کے ساتھ دو رکعت ادا کرنے کے بعد منبر پر تشریف لائے۔ ان کے

اشارے پر شیخ قاسم نے "قرآن کریم" پڑھا تو شیخ
نظام الدین نے یوں آغازِ وعظ کیا کہ میں نے اپنے والد کے
ہاتھ سے لکھی ہوئی آیتیں پڑھیں ۔ ان کی زبان سے اتنا سننے
کے بعد اہلِ مسجد میں گریہ شروع ہو گیا ۔ پھر انہوں نے
یہ شعر پڑھا ؎

بر عشق و بر تو نظر خواہم کرد
چناں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد!

حضار مسجد جو پہلے سے رقت میں تھے یہ شعر سن کر گریہ و
بکا کرنے لگے ۔ ادھر شیخ نے یہی شعر تین مرتبہ دہرایا ۔ معلوم ہوتا
تھا کہ دوسرا شعر پڑھنا چاہتے ہیں مگر وہ شعر ان کے ذہن
سے اتر گیا ہے ۔ یہاں تک کہ خود انہوں ہی نے فرمایا کہ میں دوسرا
شعر بھول رہا ہوں ۔ یہ جملہ وہ بھرائی ہوئی آواز سے زبان پر لائے
جس سے سامعین کے گریہ و بکا میں اور اضافہ ہو گیا ۔ اس
کے بعد وہ بھولا ہوا شعر ان کی زبان پر آ ہی گیا ۔

پرورد دلے بخاک در خواہم شد
بر عشق سرے زگور بر خواہم کرد!

اب وہ منبر پر سے اتر آئے ۔ (اخبار الجمال در متن)

۲۵۸ ۔ نظام الدین فرغانی

مشہور علمائے فقہ و اصول سے تھے ۔ ہندوستان آکر بنگال کو اپنے قیام کی
عزت بخشی ۔ سلطان محمد ابن بختیار خلجی کا زمانہ تھا ۔ اس نے سنا تو ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ اور

مال خطیر نذر کیا۔ انہوں نے جنگوں میں بھی شرکت کی۔ ان کا بھائی صمصام الدین بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء میں قاضی منہاج الدین جوزجانی کو بھی دیکھا [1]

۲۵۹ - شیخ نورالدین اللاری دہلوی

م ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء

شیخ بزرگ ــــ المشہور بہ ملکیار پران

ان کے شیوخ میں شیخ دانیال ہیں جن کا سلسلۂ تلمذ ہے۔

شیخ دانیال از شیخ علی عن شیخ ابواسحاق گازرونی عن

شیخ ابو عبداللہ محمد ابن یوسف شیرازی۔

شیخ لاری بادشاہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہندوستان وارد ہوئے۔ دہلی کو اپنی اقامت گاہ کی عزت بخشی۔ یہیں طعمہ اجل ہوئے اور خانقاہ شیخ ابوبکر طوسی کے قریب دریائے جمنا کے کنارے ہے۔

۲۶۰ - نورالدین قرمطی

صاحب طبقات ناصری (جوزجانی) نے لکھا ہے کہ نورالدین باطنی قرامطی تھے۔ گجرات میں ان کے ہم نواؤں کی کثرت تھی۔ انہوں نے اپنے ان ہم خیالوں کو ورغلایا، جو سمٹ سمٹا کر خفیہ طریق سے دہلی پہنچے۔ سلطانہ رضیہ التمش کا زمانہ تھا۔ جمع شدہ عوام نے نورالدین کے ہاتھ پر بتجارید بیعت کی۔ یہ لوگ اراذل میں سے تھے۔ ان کا امام انہیں تلقین کرتا کہ اہل سنت والجماعت ناصبی اور خارجی ہیں جو خود کو حنفی اور شافعی وغیرہ بتاتے

---

[1] طبقات ناصری جوزجانی در متن۔

ہیں۔ مگر ہیں سب مباح الدم! نورالدین نے قتلِ عام کے لیے ۱۶ رجب ۶۳۴ھ ۱۲۲۶ء یوم جمعہ مقرر کر دیا۔ ان کے سپاہی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ تلواروں اور گپتی چھریوں سے مسلح ہو کر نکلے۔ ایک گروہ جامع مسجد کے شمالی دروازہ سے مسجد کے اندر در آیا۔ دوسرا طائفہ بزازہ بازار کی طرف سے مدرسہ معزیہ میں یہ سمجھ کر داخل ہوا کہ یہ بھی اس مسجد کا ایک دروازہ ہے۔ کچھ سہی ان کی تلواروں نے اہل السنتہ کے خون سے اپنے پیٹ بھر لیے۔ یہ شور سن کر شاہی لشکری تلواریں سونت کر نکل آئے۔ اور نورالدین کے کسی ہمراہی کو زندہ نہ چھوڑا۔

حرف "و"

۲۶۱- قاضی وجیہہ الدین کاشانی

(بعہد سلطان قطب الدین ایبک) فقہ و اصول و ادب میں نخبتہ الاماثل اور ملک کے ممتاز قاضی القضاۃ تھے۔

حرف "ی"

۲۶۲- شیخ یعقوب بن احمد نہروالی

کنیت ابو یوسف مسلکا شافعی تھے۔ علم الہدیٰ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے اخلاف سے تھے جب سلطان سنجر نے الف خاں کو ستر ہزار لشکری سونپ کر نہروالہ سر کرنے کے لیے بھیجا تو شیخ ممدوح بھی ان کے ہمراہ تھے۔

الف خاں نے ۵-۶ سال تک نہروالہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ اسی دوران میں سلطان سنجر کی خبر وفات پہنچی اور الف خاں واپس چلا گیا مگر اس نے شہر سے باہر جو مسجد تعمیر کرائی تھی۔ یعقوب نے اسی مسجد میں اقامت اختیار کر لی۔ جس مسجد میں وہ تدریس و تذکیر کرتا۔ یہ مسجد ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں تعمیر ہوئی۔ (مراۃ احمدی در متن)

۲۶۳۔ شیخ یعقوب بن علی لاہوری

م ۲۴ ماہ رجب ۶۰۴ھ / ۱۲۰۷ء

الحسینی الکاظمی ۔ علم و فن میں فخر الاقران، ۵۲۵ھ / ۱۱۳۰ء میں لاہور تشریف لے آئے اور یہیں طرح اقامت ڈال کر ارشاد و تذکیر میں مصروف ہو گئے ۔ ان کی بدولت بے شمار افراد علم و ہدایت سے بہرہ مند ہوئے ۔ جن میں شیوخ اور علمائے کرام بھی شامل تھے ۔ (بحوالہ خزینۃ الاصفیاء در متن)

ختم شد

بتاریخ ۱۴ امئی ۱۹۶۴ء

(محمد افضل محمود خوشنویس شیرانوالہ گیٹ لاہور)

ساکن وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ کتاب

نزہتہ الخواطر

و

بہجتہ المسامع والنواظر

(ہندوستان کے علماء اور مشاہیر کا تذکرہ) -

حصہ اول

مؤلفہ: ــــــ مولانا سید عبدالحئی بریلوی لکھنوی

مترجم: ــــــ ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی!

مقبول اکیڈمی

بالمقابل شمع پوسٹ آفس، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور